تاریخِ سہروردیہ

سلسلہ سہروردیہ کی ہند میں آمد

اور

ہمارے علاقے پر اس کے اثرات کا تاریخی جائزہ

محقق و مصنف

پروفیسر ڈاکٹر محمد سعید

باہتمام

صدر انجمنِ سہروردیہ

پیرِ طریقت رہبرِ شریعت شیخ المشائخ

حضرت چوہدری محمد منظور احمد سہروردی

پتہ: مکان نمبر 5-D 95 [illegible] اقبال ٹاؤن

نارتھ ناظم آباد کراچی

تاریخِ سُہروردیہ

سلسلہ سُہروردیہ کی ہند میں آمد

اور

علاقے پر اس کے اثرات کا تاریخی جائزہ

محقق و مصنف

پروفیسر ڈاکٹر محمد سعید

باہتمام

صدر انجمنِ سُہروردیہ

پیرِ طریقت رہبرِ شریعت شیخ المشائخ

حضرت چوہدری محمد منظور احمد سُہروردی

پتہ :۔ مکان نمبر B-95 بلاک (W) علامہ اقبال ٹاؤن
نارتھ ناظم آباد کراچی

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب : تاریخ سہروردیہ

محقق و مصنف : پروفیسر ڈاکٹر محمد سعید

پہلا ایڈیشن : ۲۰۰۱ء - ۲۰۰۰ء

تعداد : ۱۰۰۰

مطبوعہ : گیلانی پرنٹرز، رابسن روڈ، کراچی

: وقف للہ

باہتمام :

صدر انجمنِ سہروردیہ

پیر طریقت رہبر شریعت شیخ المشائخ

حضرت چوہدری محمد منظور احمد سہروردی

مکان نمبر B - 95 بلاک (W) علامہ اقبال ٹاؤن

نارتھ ناظم آباد کراچی

فہرستِ ابواب

			صفحہ نمبر
۱۔	مقدمہ		الف تا ی
۲۔	باب اول	تصوف کی تعریف	۱
۳۔	باب دوم	سلسلہ سہروردیہ کا پس منظر	۴۵
۴۔	باب سوم	سلسلہ سہروردیہ کی ہند میں آمد کا تاریخی تعین	۱۱۵
۵۔	باب چہارم	ہند میں سلسلہ سہروردیہ کی تعلیمی و تبلیغی کاوش (حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کے حوالے سے)	۱۵۷
۶۔	باب پنجم	سلسلہ سہروردیہ کے عوام و سلاطین پر اثرات	۲۳۱
۷۔	باب ششم	معاشرتی موازنہ	۲۹۱
۸۔	باب ہفتم	سلسلہ سہروردیہ کی خصوصیات	۳۳۵
۹۔	باب ہشتم	نتائج (خلاصہ)	۳۸۱
۱۰۔	کتابیات		۴۱۵

تاثرات

از پیر طریقت رہبر شریعت

واقف رموز و اسرارِ معرفت و حقیقت مرجع خلائق حامئ بے کساں
حضرت چوہدری محمد منظور احمد سہروردی دامت برکاتہم

سلسلۂ سہروردیہ کی ابتدائی تاریخ مرتب کرنے کے لئے کوئی تحقیقاتی مواد موجود نہ تھا اس کمی کو شدت سے محسوس کیا جارہا تھا۔ میں عزیز محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد سعید صاحب کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے بڑی محنت اور کاوش سے اس تحقیقاتی مواد کو حاصل کیا اور باقاعدہ سلسلہ سہرودیہ پر تحقیق کی اور پی ایچ ڈی کا مقالہ بعنوان "سلسلۂ سہروردیہ کی ہند میں آمد اور علاقے پر اس کے اثرات کا تاریخی جائزہ" مرتب کیا اور کراچی یونیورسٹی سے ڈگری حاصل کی۔ یقیناً وہ مبارک باد کے مستحق ہیں اور میں انہیں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اس مقالہ کا میں نے چیدہ چیدہ مقامات سے مطالعہ کیا ہے اب میں یہ سمجھتا ہوں کہ سلسلہ سہروردیہ پر تحقیقاتی مواد کی وہ کمی جو محسوس کی جارہی تھی دور ہوگئی ہے اور اس مقالہ کے ساتھ ہی سلسلۂ سہروردیہ کی ابتدائی تاریخ معرضِ وجود میں آگئی ہے۔ امید کی جاسکتی ہے کہ مستقبل میں بھی یہ تحقیقات کا سلسلہ جاری رہے گا اور سہروردیہ تاریخ مرتب ہوتی رہے گی۔

فاضل محقق نے اس مقالہ سے سلسلۂ سہروردیہ کے وہ کارہائے نمایاں جو اس سلسلہ کے ہند کی سرزمین پر وارد ہونے کے بعد انجام دیئے گئے ان کا جمع کرنا اور ساتھ ہی ساتھ ترتیب دینا جو کہ بلاشبہ ایک مشکل امر تھا کا احاطہ کیا اور ان کو قرطاسِ ابیض پر اتارا۔ یہ ان کا عظیم کارنامہ ہے جس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔

اس کتاب سے مسلمانوں کو سلسلۂ سہروردیہ کو سمجھنے میں انشاء اللہ مدد ملے گی اور محققین کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوگی۔ سلسلۂ سہروردیہ کے عقیدت مندوں اور محبین کے لئے اس کتاب کا مطالعہ انتہائی ضروری ہے تاکہ سلسلۂ سہروردیہ کی ہند میں آمد اور مختلف علاقوں میں اپنے بزرگوں کی تعلیمی و تبلیغی و معاشی و روحانی خدمات کو ملاحظہ کیا جائے۔ دور دراز علاقوں میں پہنچ کر غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینا اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا جبکہ اس زمانے میں راستے مسدود اور سفر بہت مشکل تھا۔ یہ انہی پاک ہستیوں کی بہترین خدمات ہیں۔ تاریخ آگاہ کرتی ہے کہ ہند میں اسلام کا پیغام چند ایسے سیاحوں اور سوداگروں کی وساطت سے پہنچا تھا جن کے پاکیزہ اخلاق، بلند نظریات اور روشن چہروں کو دیکھ کر ہند کے لوگ بے ساختہ بول اٹھے تھے کہ یہ نور کسی جھوٹے کے چہرے پر نہیں ہوسکتا۔ انہی مقدس ہستیوں کو عرفِ عام میں صوفیائے کرام اولیاء عظام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ محقق موصوف کی اس کاوش سے ہر خاص و عام کو فائدہ پہنچ سکتا ہے اور مسلمانوں میں باہم محبت فروغ پاسکتی ہے۔

میں اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ سلسلۂ سہروردیہ پر

کئے گئے اس تحقیقاتی کام کو طبع کرانے کا شرف مجھے حاصل ہو رہا ہے اور یہ میرے لئے بڑی سعادت ہے۔ میں اس سلسلہ میں محترم محمد شریف سہروردی صاحب اور محترم ارشد بشیر سہروردی صاحب کا بہت مشکور ہوں جنہوں نے اس کتاب کی طباعت میں میری مدد فرمائی۔ دعا گو ہوں اللہ کریم ان حضرات کے تعاون کو اور عزیز محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد سعید صاحب کی اس محنت اور کاوش کو جو انہوں نے کتاب ہٰذا کو تصنیف دینے میں کی قبول فرمائے اور ان کو دین و دنیا کی عزت و سرخ روئی و اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

دعا گو احقر

محمد منظور احمد سہروردی

زیب آستانۂ عالیہ سہروردیہ پاکستان

مکان نمبر B-95، بلاک W

علامہ اقبال ٹاؤن

نارتھ ناظم آباد، کراچی

جمعرات 5/ شعبان المعظم 1421ھ 2/ نومبر 2000ء

تاثرات از علامہ شیر محمد نیازی

اللہ تعالیٰ نے انسان کی رشد و ہدایت کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ جنہوں نے ہر زمانہ میں بھٹکے ہوئے انسانوں کی رہنمائی کی۔ ان کا تعلق اپنے معبودِ حقیقی سے قائم کیا۔ یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ انبیاء کرام یکے بعد دیگرے تشریف لاتے رہے اور اپنے فرائضِ نبوت ادا کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے امام الانبیاء، رحمت للعالمین، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو ساتھ ہی یہ اعلان کیا کہ آپ خاتم النبین ہیں۔ اب آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ آپ پر سلسلۂ نبوت ختم ہوا۔ آپ کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد رُشد و ہدایت کا یہ عظیم کام آپ کی اُمت کے اولیاء کرام نے سنبھالا۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ قیامت تک میری اُمت میں ایسے لوگ آتے رہیں گے جو خلقِ خدا کی رہنمائی کریں گے اور لوگوں کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم کریں گے اور جب میری اُمت میں ایک بھی ایسا بندہ نہیں ہوگا تو پھر قیامت قائم ہو جائے گی۔ اس ارشاد کے مطابق آپ کی اُمت کے اولیاء کرام نے لوگوں کی صحیح معنوں میں رہنمائی کی اور اگر اسلامی تاریخ کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ اولیاء کرام نے روئے زمین کے گوشے گوشے پر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے لئے ایسی نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں اور ہر دور میں اُمت کی روحانی تربیت اور رہنمائی اس انداز میں کی ہے کہ اس کے اثرات اِمتدادِ زمانہ مٹانے سے قاصر رہا۔

ان لوگوں نے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ صدہا برس گزرنے کے بعد بھی ان کے نشانات انسانوں کے لئے صراطِ مستقیم کا پرچار کررہے ہیں۔ ان اولیاء کرام کے سلاسل میں سے سلسلۂ سہروردیہ تبلیغی اور ترویجی لحاظ سے ایک بلند مقام رکھتا ہے۔ اس سلسلہ کی تاریخ بڑی قدیم ہے اور اس کے اکابرین و مشائخ کی خدمات بڑی نمایاں اور گرانقدر ہیں۔ آج کے اس پر فتن اور پُر آشوب دور میں بھی اس سلسلہ کی صحیح ترویج کا فریضہ آل پاکستان سلسلہ سہروردیہ کے پیشوا' مرکز روحانیت' جامع شریعت و طریقت' واقف اسرار معرفت و حقیقت' شیخ المشائخ چوہدری محمد منظور احمد سہروردی دامت برکاتہم العالیہ انجام دے رہے ہیں۔ آپ کا آستانہ عالیہ مرجع عوام و خواص تشنگانِ معرفت کے لئے آبِ حیات ہے۔ آپ نے اس ضرورت کے پیشِ نظر کہ سلسلہ سہروردیہ کے اکابرین و مشائخ رحمھم کی دینی خدمات اور ان کی روحانی کاوشیں جو انہوں نے اس سلسلہ کی ترویج کے لئے سرانجام دیں' سے عوام الناس کو روشناس کرایا جائے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد سعید صاحب کے تحقیقی مقالہ "سلسلۂ سہروردیہ کی ہند میں آمد اور علاقہ پر اس کے اثرات کا تاریخی جائزہ" کو طبع کرانے کا ارادہ فرمایا۔ میں سمجھتا

ہوں کہ آپ کا یہ اقدام قابلِ تحسین ہے۔ ڈاکٹر محمد سعید صاحب قدیم و جدید علوم سے بہرہ ور ہیں اور آپ کی اس مقالہ کے علاوہ بھی مختلف موضوعات پر بڑی تحقیقی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ اس مقالہ میں آپ نے بغیر سند کے کوئی بات تحریر نہیں کی جس کی بناء پر سلسلۂ سہروردیہ پر ایک تحقیقی و تاریخی مواد جمع ہوگیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ سلسلۂ سہروردیہ کی تحقیقی انداز میں ہند کی سرزمین پر یہ پہلی تاریخ مرتب کی گئی ہے تو بے جا نہ ہوگا اور یہ دعویٰ غلط نہ ہوگا۔ بلاشبہ پروفیسر صاحب نے بڑے واضح دلائل سے سلسلۂ سہروردیہ کے اکابرین کی تدریسی اور تبلیغی کاوشیں بیان کی ہیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مصنف کے علم و فضل میں مزید اضافہ فرمائے اور اس مقالہ سے تمام مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

شیر محمد نیازی سہروردی
خطیب و مدرس
جامعہ مسجد سہروردیہ
گولڈن ٹاؤن' کراچی۔

رپورٹ
پی ایچ ڈی مقالہ

"سلسلۂ سہروردیہ کی ہند میں آمد اور علاقے پر اس کے اثرات کا تاریخی جائزہ" یہ وہ تحقیقی مقالہ ہے جسے جناب محمد سعید نے شعبہ علوم اسلامی جامعہ کراچی میں ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری کی زیر نگرانی ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کرنے کے لئے لکھا ہے۔ یہ مقالہ آٹھ ابواب، ایک مقدمہ اور کتابیات پر مشتمل ہے۔

باب اول — تصوف کی تعریف

باب دوم — سلسلۂ سہروردیہ کا پس منظر

باب سوم — سلسلۂ سہروردیہ کی ہند میں آمد کا تاریخی تعین

باب چہارم — ہند میں سلسلۂ سہروردیہ کا تعلیمی و تبلیغی کاوش

باب پنجم — سلسلۂ سہروردیہ کے عوام و سلاطین پر اثرات

باب ششم — معاشرتی موازنہ

باب ہفتم — سلسلۂ سہروردیہ کی خصوصیات

باب ہشتم — نتائج (خلاصہ)

جناب محمد سعید نے اس مقالہ کی تیاری میں جس توجہ اور انہماک کا ثبوت دیا ہے اس کا اندازہ مقالہ کی ضخامت، حسن ترتیب اور مواد کی فراہمی سے لگایا جاسکتا ہے۔

سلسلۂ سہروردیہ نے جس طرح بر صغیر میں اشاعتِ دین حق کا فریضہ

انجام دیا اور جس انداز سے بندگانِ خدا کی توجہ خدا کی طرف مبذول کرائی وہ صرف مستحسن ہی نہیں بلکہ قابلِ تقلید بھی ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے خلفاء کو ہندوستان کے گوشے گوشے میں بھیج کر بندگانِ الٰہی کو صرف اسلامی اصول و آداب سے ہی واقف نہیں کرایا بلکہ لوگوں کے دلوں میں محبتِ اسلام کے تئیں ایسی شمع روشن کی جس کی کرنیں ایک عرصہ تک گم گشتگانِ راہ کے لئے مینارۂ ہدایت بنی رہیں۔ حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی، حضرت سخی سرور، حضرت شہاب الدین جگجوت، قاضی حمید الدین ناگوری، شیخ شرف الدین بلبل شاہ، شیخ جلال الدین تبریزی وغیرہم (علیہم الرحمۃ والرضوان) یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے خلوصِ دل اور سر فروشانہ جذبہ کے ساتھ حق و صداقت کا پرچم بلند کیا جس کے سبب بندگانِ خدا کی بھاری جمعیت ان کے قریب ہوئی اور بیعت و ارادت کا شرف حاصل کیا۔

اس مقالہ میں سلسلۂ سہروردیہ کے تعلق سے متعدد پہلوؤں پر گفتگو ہے۔ اس سلسلہ کی علمی و سماجی خدمات کے علاوہ تبلیغی سرگرمیوں اور اصلاحی کارناموں کا ذکر بھی تفصیل سے ہے۔ مقالہ کے ذیلی ابواب اور حواشی اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ اس مقالہ میں جو بات کہی گئی ہے تحقیق و تجزیہ کے ساتھ دلائل و براہین کی روشنی میں کہی گئی ہے۔

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

ریڈر۔ شعبہ علوم اسلامیہ

ہمدرد یونیورسٹی، نیو دہلی ۶۲

بھارت

پروفیسر ڈاکٹر امتیاز احمد
فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز
یونیورسٹی برونائی دار السلام
بنگلہ No. 1410.BE
برونائی، دار السلام۔

تھیسس کی امتحانی رپورٹ
برائے پی ایچ ڈی (محمد سعید) کی ڈگری کیلئے
شعبہ علوم اسلامی کراچی یونیورسٹی، کراچی۔

عنوان: "سلسلہ سہروردیہ کی ہند میں آمد اور علاقے پر اس کے اثرات کا تاریخی جائزہ"

مقالہ آٹھ ابواب، ایک مقدمہ اور کتابیات پر مشتمل ہے۔

ابتداً تصوف کا تعارف اور اس کے معنی سے متعلق بحث کی گئی ہے اور اس کے بعد تفصیل سے سلسلۂ سہروردیہ کا پس منظر، اس کی تعلیمات، تبلیغی کاوشیں، ہند میں آمد کی تاریخ، حضرت بہاؤالدین ذکریا عوام و سلاطین پر اثرات، معاشرتی موازنہ، سلسلہ کی خصوصیات اور نتائج خلاصہ کے مباحث میں بھر پور مواد ہے۔

مقالہ کو تحقیقی انداز دینے کے ساتھ بہت مفید معلومات بہم پہنچائی ہیں۔

مقالے کے چوتھے باب میں یعنی "ہند میں سلسلۂ سہروردیہ کی تبلیغی کاوشیں" جو 141 صفحہ سے 207 صفحات تک کی تحریر ہے۔ وہ انتہائی اہمیت کی حامل اور تحقیق کا نچوڑ ہے۔ مقالہ تیار کرنے میں بڑی محنت کی گئی ہے۔

ڈاکٹر امتیاز احمد
ایکسٹرنل اگزامنر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

دیباچہ

پاک و ہند کے دیگر سلاسل صوفیاء میں سلسلۂ سہروردیہ بھی بہت پرانا سلسلہ ہے لیکن افسوس کہ اس اہم سلسلہ کی تاریخ، تعلیم اور تبلیغ پر ابھی تک بھرپور طریقہ سے توجہ نہیں دی گئی جس پر عوام و خواص سلسلہ ہذا کی دینی و ملی، تعلیمی و تبلیغی خدمات سے واقف نہ ہو سکے اور صرف اس حد تک لوگ یہ جانتے ہیں کہ دیگر سلسلوں کی طرح یہ بھی ایک سلسلہ ہے اور بس۔ حالانکہ سلسلۂ سہروردیہ کے بزرگوں نے برصغیر میں پہنچنے کے بعد اپنے مخصوص طرزِ فکر، تعلیم، تبلیغ سے اہل علاقہ کی بھرپور رہنمائی کی یہاں تک کہ عوام تو عوام سلاطین، ہندو راجاؤں اور دیگر مذاہب کو اپنی تعلیم اور تبلیغ سے از حد متاثر کیا اور مشہور مستشرق گولڈ زہیر کے مطابق ہندوستان میں مسلمان صوفیوں کے ذریعہ ہی اسلام کے بنیادی تصورات فروغ پائے۔[1] ایک ہندو مؤرخ تاراچند کے قول کے مطابق اسلام ہی کی طرف سے ہندو مذہب میں بہت سارے اُمور داخل ہوئے اور یہ کہنا کہ اسلام ہندومت سے متاثر ہوا، بے بنیاد بات ہے۔

---

۱ سید قاسم محمود۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔ شہکار بک فونڈیشن، کراچی ۱۹۸۴ء صفحہ ۵۰۷

اسلام کی تبلیغ و ہدایت میں سلسلہ سہروردیہ کے مشائخ نے بر صغیر میں وارد ہونے کے بعد انسانی معاشرے کی اخلاقی اور روحانی زندگی کی تعلیم وتربیت میں جو بے مثال کردار ادا کیا ابھی تک ہندوستان کی تاریخ میں ایک جگہ بھی تحقیقی مواد نہیں ملتا۔ اگر ملتا بھی ہے تو بیشتر بزرگانِ دین و صوفیاء کی خدمات کو مؤرخین نے نہ جانے کیوں صرف قصے کہانیوں اور طویل کرامات تک محدود کردیا ہے۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس میں مؤرخین کی کوتاہی ہے یا سلاسل صوفیاء کے معتقدین و مریدین کی محل نظر ہے۔ یہی اسباب و علل تھے جو اس مقالہ کی علت غائیہ بنے۔

میں نے کوشش بسیار اور کئی مشکلات کے باوجود اپنے اس تحقیقی کام کو انجام دینے کے لئے مصمم ارادہ کرلیا اور اہلِ تحقیق جانتے ہیں کہ تحقیقی کام کے سلسلے میں کسی اُمر واقعہ کی تلاش میں کتنا اہم اور مشکل کام ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میں نے پاکستان وبنگلہ دیش وکشمیر وافغانستان وایران ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے رسائل کے ذریعے اور مختلف مقامات کا ذاتی طور پر سفر کرکے اس سلسلہ کے بزرگوں کی خدمات کے بارے میں بہت سارے ذخائر جمع کرنے میں کامیاب ہوا اور زیادہ مواد نہ ہونے کی صورت میں بھی بعض جگہ ایک ہی مرجع پر اکتفا کرنا پڑا۔ میں نے اس مقالہ میں سلسلۂ سہروردیہ کے بزرگانِ دین کی خدمات کو خاص طور پر علمی، تبلیغی، اصلاحی پیش نظر رکھا اور غیر ضروری طوالت سے بچنے کے لئے ان کی کرامات کو شامل نہیں کیا۔ اس مقالہ کا عنوان "سلسلۂ سہروردیہ کی ہند میں آمد اور علاقے پر اس

کے اثرات کا تاریخی جائزہ" رکھا۔

مواد کو محدود کرنے کی غرض سے ابواب قائم کئے جس میں سب سے پہلے:

۱..... تصوف کی تعریف
۲..... سلسلہ کا پس منظر
۳..... سلسلۂ سہروردیہ کی ہند میں آمد کا تاریخی تعین
۴..... ہند میں سلسلۂ سہروردیہ کی تعلیمی وتبلیغی کاوش
۵..... سلسلۂ سہروردیہ کے عوام وسلاطین پر اثرات
۶..... معاشرتی موازنہ
۷..... سلسلۂ سہروردیہ کی خصوصیات اور خلاصہ

راقم نے اپنے اس علمی و تحقیقی سلسلہ میں یہاں کئی اُصول قائم کئے۔ ان میں سے مندرجہ ذیل صراحت کے متقاضی ہیں:

الف: تحقیقی کام میں متعلقہ شخصیت کی علمی وفکری خدمات کو پیش نظر رکھا۔

ب: مقالہ کی زبان عام فہم اور آسان رکھی۔

ج: اس مقالہ کو پی ایچ ڈی ڈگری کے حصول کے لئے شعبہ علوم اسلامی جامعہ کراچی میں پیش کیا۔

د: الحمدللہ سہروردیوں کی مستند حوالوں سے پہلی تاریخ مزین و مرتب کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

راقم کو یہ اعتراف ہے کہ برصغیر ہند میں سلسلۂ سہروردیہ کی خدمات کے سلسلہ میں میرا یہ تحقیقی کام حرفِ آخر نہیں ہے۔ ابھی بہت سے گوشے ایسے ہیں جن پر کام کرنے کی کافی گنجائش ہے اور میں نے ان کوششوں کو آئندہ کے محققین کے لئے چھوڑ دیا ہے اور امید ہے کہ میرا یہ مقالہ آئندہ کے محققین کے لئے راہنمائی کا کام انجام دے گا۔

میں ان سب افراد اور اداروں کا ممنون ہوں جنہوں نے اس تحقیقی عمل میں میری مدد فرمائی اور مقالہ مکمل ہوا۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد سعید
سابق ہیڈ آف ڈپارٹمنٹ،
سندھ میڈیکل کالج، جناح ہسپتال، کراچی
استاذ، گورنمنٹ ڈگری سائنس کامرس کالج،
لانڈھی، کورنگی 6 کراچی
بانی پرنسپل، طارق بن زیاد کالج، کراچی
بنگلہ نمبر 3/64 شاہ فیصل کالونی کراچی
فون : 4573807

پہلا باب

تصوف

تمہید

تمام تر تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے انسان کو ایک حقیر مادے سے پیدا فرما کر اشرف المخلوقات کا تاج پہنایا۔ درود و سلام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر جس نے گمراہی سے انسان کو نکالا اور اس کے تزکیہ نفس کے لئے اَتم طریقہ کار عطا فرمایا۔ بعد ازیں تصوف پر زیر نظر تحریر میں جو کچھ بیان کیا جائے گا وہ قرآن و حدیث اور اکابر سلف صالحین کے اقوال و ارشادات کی روشنی میں ہوگا تاکہ تصوف کے اصل حقائق سے نوعِ انسانی کو روشناس کرایا جاسکے۔ سلسلۂ سہروردیہ کی ہند میں آمد اور اس کے علاقے پر اثرات کے اس مقالے کے ضمن میں پہلا باب تصوف کے مندرجہ ذیل عنوانات متعین ہیں۔ یعنی تمہید، تصوف کی اصل، تصوف کی ابتداء، تصوف کا پہلا مدرسہ، تصوف کے لفظی معنی، تصوف کے اصطلاحی معنی، لفظ صوفی کی تعریف، صوفی کی اصطلاحی تعریف، پہلا صوفی، ایک شبہ کا ازالہ اور فقہائے کرام کی آراء پر مشتمل ہے۔ اس مقالے کا تعلق سلسلۂ سہروردیہ سے ہے۔ لہٰذا یہ بات موزوں ہوگی کہ تصوف کے حوالے سے پہلے باب کا آغاز شیخ ابو نجیب سہروردی کے قول سے کیا جائے۔

تصوف کی اصل

سلسلہ سہروردیہ کے بانی شیخ عبدالقاہر ابو نجیب سہروردی نے فرمایا کہ:۔ ”رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اس کی قبولیت اور پذیرائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے قلوب صافی اور نفوسِ قدسی بنائے تب صفائی کا فرق اور طہارت کا تفاوت فائدہ اور نفع کی

شکل میں ظاہر ہوا۔[1] دراصل تصوف تزکیہ نفس کا نام ہے اس کے لئے نفع بخش صافی و پاکیزگی ہے۔ شیخ عبدالقاہر ابو نجیب سہروردی کے مذکورہ بالا قول کی تشریح کرتے ہوئے شیخ شہاب الدین عمر سہروردی لکھتے ہیں کہ "بعض قلوب تو اس زمین کی مانند ہیں جو زراعت کے لئے خوب ہی موزوں اور قابل ہیں جس سے گھاس اور سبزہ پیدا ہوتا ہے اور یہ وہ قلوب ہیں جنہوں نے فی نفسہ علم سے فائدہ اٹھایا اور ہدایت یاب ہوئے۔ اور ان کو علم (تصوف) نے نفع بخشا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع کے طفیل ان کے علوم نے صراطِ مستقیم کی طرف ان کی راہنمائی کی۔"[2] تصوف کی اصل کے متعلق شیخ شہاب الدین عمر سہروردی اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع کو قرار دیتے نظر آتے ہیں۔

بالا مذکورہ عبارت سے یہی کچھ عیاں ہے۔ اس بحث کو مزید دیکھا جائے کہ تصوف کی اصل کیا ہے۔ اس کا ماخذ اور بنیاد کس چیز کو قرار دیا جائے اور دیکھا جائے کہ تصوف کے تمام تر مسائل کا تعلق اسلام سے ہے ان سب کا ماخذ اور بنیاد قرآن و سنت کی تعلیمات ہیں۔ لہٰذا قرآن حکیم میں جو لفظ حکمت آیا ہے وہ تصوف کی بنیاد ہے۔ عقدہ کشائی کے لئے مندرجہ ذیل آیت

[1] شیخ شہاب الدین سہروردی۔ عوارف المعارف، ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۴۹۔ شیخ عبدالقاہر ابو نجیب (متوفی ۵۶۳ھ) شیخ احمد غزالی کے مرید ہیں۔ سہرورد قصبہ میں ۴۹۰ھ کو پیدا ہوئے۔ مزار بغداد میں ہے۔ سلسلہ سہروردیہ کے بانی ہیں۔ شیخ شہاب الدین سہروردی (متوفی ۶۳۲ھ) کی یہ ترجمہ کردہ کتاب سلسلہ سہروردیہ کی بنیادی کتاب ہے۔ ۵۶۰ھ میں تصنیف ہوئی۔

[2] شیخ شہاب الدین سہروردی۔ عوارف المعارف، ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی۔ ۱۹۸۹ء صفحہ ۱۴۹X شیخ شہاب الدین عمر سہروردی بزرگ، ابو نجیب سہروردی کے خلیفہ، سہرورد قصبہ میں پیدا ہوئے۔ بغداد شہر میں مزار اور وفات ۶۳۲ھ میں ہے۔

کریمہ کو ملاحظہ کیا جائے۔ کما ارسلنا فیکم رسولاً منکم یتلوا علیکم آیاتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمۃ ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون۔[1] (ترجمہ) "جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں رسول تم ہی میں کا پڑھتا ہے۔ تمہارے آگے آیتیں اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھلاتا ہے تم کو کتاب اور اس کے اسرار اور سکھاتا ہے تم کو جو تم نہ جانتے تھے۔" اس مذکورہ آیت میں جو لفظ حکمت بیان کیا گیا ہے وہ قرآن میں تشریح و تفصیل سے مبرا ہے اور یہ لفظ زید نہیں ہے بلکہ اس کے معنی حکمت الٰہی کے ہیں جو تصوف کی اصل ہے اور قرآن حکیم میں جابجا تصوف کے ارشارات موجود ہیں۔ لہٰذا قرآن مجید میں وارد ہوا ہے: ونحن اقرب الیہ من حبل الورید۔[2] (ترجمہ) "اور ہم تمہاری شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں۔" اس اشارے کے علاوہ دوسری جگہ اس طرح قرآن پاک کی تعلیم کے مطابق اس کی اصل ماہیت نور بیان کی گئی ہے، جیسا کہ فرمایا: اللہ نور السموت والارض[3] (ترجمہ) "اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔" ان آیات اور اس مضمون کی اس قسم کی دیگر آیات کی بناء پر صوفیاء مفسرین نے کائنات کو ایک وحدت الوجود تسلیم کیا ہے اور علماء کرام نے اس کے متعلق اپنی مختلف آراء پیش کی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ظاہر سے بے تعلق ہو کر باطن کی طرف توجہ دینا انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر زبان اور ہر ملک میں تصوف کے خیالات کا اظہار ملتا ہے اور ہر طبقہ انسان ایک خاص وقت میں تصوف کی طرف راغب ہوا ہے اور انسانی حالات و واقعات خود انسانی فطرت کو باطنی اصلاح و تربیت کی راہیں تلاش کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ قرآن حکیم کے علاوہ تصوف میں حدیث احسان کو بنیاد بنایا جاتا ہے جو صدق سے عبارت ہے اور اس میں توجہ الی اللہ کا

[1] سورۃ بقرہ، آیت ۱۵۱ [2] سورۃ ق، آیت ۱۶ [3] سورۃ نور، آیت ۳۵

حکم دیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احسان کی تعریف اس طرح فرمائی ہے کہ: "ان تعبداللہ کانك تراہ فان لم تکن تراہ فانه یراك"[1] (ترجمہ) یعنی "انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو اس کو نہیں دیکھ سکتا تو تحقیق کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔" وہ تمام علوم، اعمال اور احوال جو رجوع الی اللہ کے لئے ضروری اور مفید ہیں وہ سب تصوف کے تحت آتے ہیں اور تصوف کے تمام معنی اس اصل کی طرف راجع ہیں جس کو شریعت کی اصطلاح میں احسان کہتے ہیں اور اس کی اصل شریعت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ تصوف انسان سے عبادت کا تقاضا کچھ اس طرح کرتا ہے کہ معبود، محبوب بھی ہو اور عبادت کے ساتھ ساتھ محبتِ خدا کا رشتہ بھی ہو اور یہ سچی عبودیت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس زمانہ میں اصحابِ صفہ کا وجود اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ ایک خاص طبقہ انسان کے لئے عبادت میں ہمہ وقت انہماک و استغراق کو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بر انہیں سمجھتے تھے اور اصحابِ صفہ مسجد نبوی میں عبادت و ریاضت میں بیٹھے رہتے تھے اور انہوں نے تمام کام اور جھگڑوں کو چھوڑ دیا تھا۔ وہ اس بات کا مکمل یقین رکھتے تھے کہ محبت الٰہی کا جذبہ جب انسان کے قلب میں گھر کر لیتا ہے تو فکر و عمل کا کوئی گوشہ اس سے پورا اثر قبول کرتا ہے۔ لہٰذا: (۱) اللہ تعالیٰ سے سچی محبت رکھنے والا انسان ہر وقت اپنے آپ کو اس کی بارگاہ میں پاتا ہے۔
خدا تعالیٰ کی موجودگی کا اس کو اس طرح سے خیال ہو جاتا ہے گویا کہ وہ اپنی آنکھ سے اس کو دیکھ رہا ہے۔ جس وقت انسان اللہ تعالیٰ کو اس طرح اپنے قرب میں محسوس کرنے لگتا ہے تو گناہوں کے تمام دروازے اس کی زندگی

[1] ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری۔ صحیح بخاری، جلد اول کتاب الایمان، باب ۷، ۳، صفحہ ۱۲۸

میں بند ہو جاتے ہیں۔
(۲) اللہ تعالیٰ کی محبت کا سب سے بڑا گہرا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسانی زندگی میں مرکزیت پیدا ہو جاتی ہے۔ (۳) جب اللہ تعالیٰ کی محبت کا مکمل غلبہ ہو جاتا ہے تو انسان کی نظر میں سونا اور پتھر برابر ہو جاتے ہیں۔ مادی کشش انسان کے لئے بے اثر ہو کر رہ جاتی ہے اور انسان میں توکل اور استغناء کی عجیب کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب دنیا کی جاہ و حشمت، دولت و ثروت اس کے سامنے آتی ہے تو وہ یہ کہہ کر منہ موڑ لیتا ہے "الیس اللہ بکاف عبدہ"[1] (ترجمہ) "کیا اللہ تعالیٰ بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟" اس مقام پر شیخ علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش (متوفی ۴۶۵ھ مزار لاہور میں) نے تصوف کی اصل کے طور پر قرآن حکیم کی اس آیت کریمہ کو پیش فرمایا ہے: و عبادالرحمٰن الذین یمشون علی الارض هونا واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاماً[2] (ترجمہ) "رحمٰن کے وہی بندے ہیں جو زمین پر اخلاق و انکسار سے چلتے ہیں جب جاہل لوگ انہیں پکارتے ہیں تو وہ سلام کرتے ہیں۔" قرآن حکیم کی مذکورہ آیت کے علاوہ اس حدیث کو بھی بنیاد بنایا ہے: "من سمع صوت اهل التصوف فلا یومن علی دعائهم کتب عنداللہ من الغافلین۔"[3] (ترجمہ) "جو صوفیاء کی آواز سنے اور ان کی دعا پر آمین نہ کہے تو وہ اللہ کے نزدیک غافلوں میں شمار ہوگا۔" اس حدیث کے علاوہ امام ابو القاسم قیشری (متوفی ۴۶۵ھ اور پیدائش ۳۷۶ھ) کو دیکھیں تو انہوں نے علم تصوف کی اصل کے لئے کہا کہ "طریقت کی بناء آدابِ شریعت کی حفاظت اور حرام اور شبہ کی طرف ہاتھ پھیلانے سے بچنے جو اس کو ممنوع چیزوں سے بچائے اور غفلت ترک کر کے اپنے سانسوں کو اللہ

[1] سورۃ الزمر، آیت ۳۶
[2] سورۃ فرقان، آیت ۶۳
[3] شیخ علی ہجویری کشف المحجوب صفحہ ۵۷

کے ساتھ شمار کرنے پر ہے۔"[1] اس عبارت میں بھی بنیادِ علم تصوف کے لئے شریعت اسلامیہ ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح شیخ ابو طالب محمد مکی (متوفی ٣٨٦ھ بغداد میں) تصوف کے اوراد کے سلسلہ میں اس آیت کریمہ کا تذکرہ فرمایا ہے کہ "اتل ما اوحی الیك من الكتاب واقم الصلوٰة ان الصلوٰة تنهى عن الفحشاء والمنكر ولذكر الله اكبر۔"[2] یعنی جو کتاب تمہاری طرف وحی کی گئی اس کی تلاوت کرو اور نماز قائم کرو' بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سب سے بڑا کام ہے۔[3] اس عبارت سے بھی تصوف کی اصل قرآن اور نماز ہی معلوم ہوتی ہے۔ اس بات کو شیخ عبدالرحمٰن چشتی نے صوفیہ کے سلسلے میں لکھا ہے کہ: "سالک کو صدق دل سے جاننا چاہئے کہ صوفیہ کرام کی متابعت صورتاً اور معناً عین متابعت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے"۔[4] اس عبارت میں تصوف کا مرکز اللہ کے رسول کو قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح شیخ اکبر محی الدین ابن العربی (پیدائش ٥٦٠ھ / ١١٦٥ء) کو دیکھا جائے تو وہ لکھتے ہیں کہ "علم قرانی اصل علم ہے اور یہ اتصال علم کا متواتر راستہ ہے اور

---

[1] امام ابوالقاسم عبدالکریم قشیری۔ رسالہ قشیریہ' اردو ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسین' ادارہ تحقیقات اسلامی' اسلام آباد' ١٩٨٨ء صفحہ ٧٠٦ X کشف المحجوب شیخ علی ہجویری کی کتاب تصوف پر زبان فارسی میں تحریر کی گئی۔ علم تصوف میں بلند مقام رکھتی ہے۔ پانچویں صدی ہجری میں تحریر کی گئی۔ X رسالہ قشیریہ' امام القاسم عبدالکریم قشیری کی تصنیف ہے جو آپ نے ٤٣٨ھ میں تحریر کی۔ تصوف کی کتب میں اہم مقام رکھتی ہے۔ تصوف کی بنیادی کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔

[2] سورۂ عنکبوت آیت نمبر ٤٥

[3] شیخ ابو طالب محمد مکی۔ قوت القلوب' اردو ترجمہ محمد منظور الوحیدی' شیخ غلام علی اینڈ سنز' لاہور' ١٩٨٨ء' صفحہ ٩٩

[4] عبدالرحمٰن چشتی۔ مراۃ الاسرار' اردو ترجمہ کپتان واحد بخش سیال' بزم اتحاد المسلمین' لاہور' ١٤١٢ھ' صفحہ ٤٣

سوائے علوم پر قطعیت کے علم کا کوئی مقصد نہیں تو یہ یقیناً ہمارے اس علم پر حد ہے جس میں شک درایت ہے جبکہ قرآن عزیز یقیناً ہمارے نزدیک تواتر سے ثابت ہے۔"[1] بالا مذکورہ عبارت سے بحسن و خوبی یہ بات سامنے آتی ہے کہ صوفیہ کرام کے سر خیل تصوف کی اصل اسلام ہی کو قرار دیتے ہیں۔ اس بات کو مزید تقویت دینے کے لئے ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی کے ایک تحقیقی مضمون میں یہ بات موجود ہے کہ اسلامی تصوف کی بنیادیں قرآن کی تعلیمات' احادیث نبوی' صحابہ کرام کی پاکیزہ زندگی' تابعین کی سیرتِ پاک پر استوار ہیں۔[2] یہ قول کافی و شافی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت مطہرہ سے سچے صوفی کبھی باہر نہیں نکلے اور نہ ہی انہوں نے ترک دنیا' ترک اسباب، رہبانیت، بے عملی، سستی اور کاہلی کی تلقین کی بلکہ تصوف کے تمام مسائل کا تعلق اسلام سے ہے۔ سب کا ماخذ قرآن و حدیث کی تعلیمات ہیں سب کا علمی و عملی ثبوت و وجود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ میں پایا جاتا ہے۔ تصوف کی اصل کے بعد علم تصوف کو دیکھنا چاہئے۔

علم تصوف

علم تصوف دراصل وہ علم ہے جس میں حقائق ذات و صفات رب العالمین کی نسبت بحث کی جاتی ہے اور اس میں ان اعمال و اشغال کا ذکر ہوتا ہے جس سے تزکیہ باطن ہو جو وصولی الی اللہ کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس طرح بھی تعریف کی جاسکتی ہے کہ تصوف کا علم ایک ایسا طریق قرآن و حدیث ہے جو افراط و تفریط کے درمیان واقع ہے جسکو صراطِ مستقیم

---

[1] شیخ اکبر محی الدین ابن العربی' فتوحات مکیہ' اردو ترجمہ صائم چشتی' علی برادران تاجرانِ کتب' فیصل آباد' ١٩٨٦ء' جلد اول

[2] پروفیسر حامد خان حامد، تذکرہ حضرت سخی سرور، محکمہ اوقاف پنجاب لاہور، ١٩٧٥ء ص ٢٥

کہا جاسکتا ہے اور اس پر چلنے سے انسان اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔ شیخ ذکریا انصاری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں تصوف وہ علم ہے جس سے ابدی سعادت کے حصول کی غرض سے تزکیہ نفس، تصفیہ اخلاق اور تعمیر ظاہر و باطن کا طریقہ معلوم کیا جاتا ہے۔[1]

اس علم کا موضوع ذات و صفات باری تعالیٰ ہے اور اس کی غرض و غایت اللہ تعالیٰ کی پہچان ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق فرمائی ہے۔ اب دیکھنا ہو گا کہ تصوف کی ابتدا کب ہوئی۔

تصوف کی ابتداء

اس بات کو دیکھنے کے لئے کہ تصوف کی ابتداء کب ہوئی تمام صوفیاء کرام قران و حدیث کو بنیاد بناتے ہیں۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تصوف کی ابتداء دورِ رسالت سے ہو چکی تھی۔ لیکن اس وقت تصوف کی علم یا مدرسہ کے نام سے الگ اور علیحدہ کوئی چیز نہ تھی۔ شیخ عبدالقادر عیسیٰ نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین کے زمانے میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قرب اتصال کے سبب دعوت تصوف کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اس متبرک دور میں لوگ متقی، پرہیزگار، اہل مجاہدہ اور طبعاً عبادات کی طرف متوجہ تھے۔[2] یقیناً صحابہ کرام اللہ کے رسولؐ سے براہِ راست علم و فضل حاصل کر رہے تھے اور عمل کرنے میں جلدی سے کام لینے والے تھے اور عمل میں سبقت لے جانے کی سعی کرتے تھے۔ اس وجہ سے علم تصوف کی ان لوگوں کو اس وقت ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ وہ لوگ تصوف کے مقاصد کو تو پہلے سے حاصل کر چکے تھے۔ اس بات کو امام ابو القاسم

[1] محمد طاہر القادری۔ حقیقت تصوف، ادارہ منہاج القرآن، لاہور، ۱۹۹۰ء، صفحہ ۱۵۸

[2] شیخ عبدالقادر عیسیٰ۔ تصوف کے حقائق، اردو ترجمہ مفتی محمد یوسف بندھالوی، علمی کتاب گھر، اردو بازار، کراچی، ۱۹۹۳ء ص ۲۱

قشیری نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں کے بزرگوں نے اپنے زمانے میں رسول اللہ کی صحبت کے سوا اسم کو یا اور کسی نام کو اپنے لئے پسند نہیں کیا۔

ان کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی اور فضیلت نہ ہو سکتی تھی۔ چنانچہ ان کو صحابہ کہا گیا۔"[1] اس طرح صحابہ کرام کے ساتھ رہنے والے لوگ تابعین اور تابعین کے ساتھ رہنے والے لوگ کو تبع تابعین کہا گیا۔ یہ لوگ اس نام کو اپنے لئے شرف والا سمجھتے تھے۔ تبع تابعین کے بعد کا دور اختلاف کا دور ہے۔ اس اختلاف کے دور میں اپنے لئے علیحدہ علیحدہ نام اور مراتب پیدا کئے گئے۔ اس وقت جو لوگ دینی رغبت اور دینی اُمور میں لگاؤ رکھتے تھے وہ لوگ زاہد و عابد کہلائے۔ اس وقت بدعتوں کا کثرت سے ظہور ہونے لگا۔ ابو القاسم قشیری اس موقع کے لئے فرماتے ہیں کہ ہر فرقہ زاہد بن بیٹھا۔ اس وقت اہل سنت میں سے ان خاص لوگوں نے جنہوں نے اپنے نفوس کو اللہ کے لئے وقف کر دیا اور اپنے دلوں کو غفلت کے طاری ہونے سے محفوظ رکھا اپنے لئے ایک الگ نام "تصوف" رکھا۔[2] معلوم ہوتا ہے کہ تبع تابعین کے دور کے بعد اللہ کی طرف رجوع کرنے والے لوگوں نے اپنے لئے ایک مخصوص لفظ وضع کیا جسکو تصوف کا نام دیا گیا۔ یعنی تصوف کا لفظ دوسری صدی ہجری میں ایجاد ہوا۔ اس لفظ کے متعلق امام ابو القاسم قشیری نے فرمایا ہے کہ تصوف کا نام ان بزرگوں کے لئے دوسری صدی ہجری سے پہلے مشہور ہو چکا تھا۔[3]

[1] امام ابو القاسم عبدالکریم قشیری۔ رسالہ قشیریہ، اردو ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسین، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔ ۱۹۸۸ء صفحہ ۱۲۱

[2] امام ابو القاسم عبدالکریم قشیری۔ رسالہ قشیریہ، اردو ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسین، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔ ۱۹۸۸ء صفحہ ۱۲۱

[3] ایضاً ص ۱۲۲ ☆ شیخ ابو ہاشم نے دوصدی ہجری کے شروع میں رملہ شام میں تصوف کا پہلا مدرسہ قائم کیا۔

امام ابوالقاسم قشیری کے قول کے بعد ڈاکٹر ابوسعید نورالدین کا یہ قول کوئی حقیقت نہیں رکھتا جس میں ڈاکٹر ابوسعید نورالدین نے کہا ہے کہ "تیسری صدی ہجری مطابق نویں صدی عیسوی کے آغاز سے تصوف نے علمی اعتبار سے باقاعدہ شکل اختیار نہیں کی تھی۔"[1] لفظ تصوف تو دوسری صدی ہجری میں شہرت حاصل کر چکا تھا اب دیکھنا ہوگا کہ علمی اعتبار سے تصوف نے کب ابتداء کی اور کون سا مدرسہ قائم ہوا اور وہ کون پہلا فرد تھا۔

تصوف کا پہلا مدرسہ

اسلام کے شروع میں ہی عبادت وریاضت اور زہدو تقویٰ اصحاب میں موجود تھا۔ اسی کو ہی تصوف کا بعد میں نام دیا گیا ہے۔ آگے چل کر دوسری صدی ہجری میں متقی و پرہیزگار لوگوں کو اہل تصوف (صوفی) کا نام دیا گیا ہے اور یہ ایک نظریہ کے طور پر سامنے آیا۔ مذکورہ ہجری میں تو کسی مدرسہ کا نام نہیں ملتا لیکن تیسری صدی ہجری میں مدرسہ کا علم ہوتا ہے۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا میں تحریر ہے کہ "وہ شخص جس نے علمی طور پر سب سے پہلے تصوف کی تعلیم دینے کا انتظام کیا تھا وہ حضرت ابو ہاشم رحمۃ اللہ علیہ (۱۵۰ھ) اور حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۴۵ھ) ہیں۔"[2] اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ علم تصوف پہلے سے اس وقت لوگوں میں روشناس تھا لیکن اس کو علمی طور پر جانا نہیں جاتا تھا۔ سب سے پہلے شخص حضرت ابو ہاشم

۱۔ پروفیسر حامد خاں حامد، تذکرہ حضرت سخی سرور، محکمہ اوقاف، پنجاب لاہور، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۲۵

☆ ڈاکٹر ابوسعید نورالدین محقق ہیں اور ان کا تحقیقی مقالہ "اسلامی تصوف اور اقبال" موجود ہے۔

۲۔ سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شہکار بک فونڈیشن کراچی، ۱۹۸۹ء، ص ۵۰۵

☆ ذوالنون مصری۔ آپ کا نام ثوبان بن ابراہیم تھا۔ استاد حضرت مالک تھے اور آپ کے پیر کا نام شیخ اسرافیل ہے۔ وفات ۲۴۵ھ میں مصر میں ہوئی۔

کوفی اور حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ نے اس علم کو لوگوں تک پھیلانے اور پہنچانے کے لئے باقاعدہ مدرسہ قائم فرمایا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ علمی طور پر دوسری اور تیسری صدی ہجری میں تصوف کی بنیاد پڑ چکی تھی تاکہ دین اسلام کی ترویج واشاعت علم تصوف کے طور پر لوگوں تک پہنچے۔ ان بزرگوں کی یہ پہلی کوشش تھی۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں باقاعدہ مجلس منعقد ہوتی تھی اور موضوعات پر بات کی جاتی تھی۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے اس سلسلہ میں تحریر کیا ہے کہ ایک شخص ایک دن حضرت ذوالنون مصری کی مجلس میں بیٹھا تھا۔ دوسرے احباب بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ بات جمادات کی اطاعت گزاری کے موضوع پر شروع ہوئی۔ حضرت ذوالنون نے مجلس میں پڑی ہوئی لکڑی کی تختی کی طرف نگاہ ڈالی اور فرمایا "ان جمادات کی اطاعت گزاری کا یہ عالم ہے۔"[1] اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ علمی نوعیت کی محافل جو تصوف کے سلسلہ میں تھی حضرت ذوالنون کے ہاں منعقد ہوتی تھیں۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں انسان کے علاوہ جمادات بھی سرگرداں ہوتے ہیں۔ ان کی کیفیت انسان سے مختلف ہے۔ آپ کی محفل

۱۔ مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، اردو ترجمہ، پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور، ۱۹۹۰ء، صفحہ ۵۱

☆ غلام سرور سہروردی مولف خزینۃ الاصفیاء سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ تھے، سلسلہ نسب چند واسطوں سے شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی سے ملتا ہے۔ خزینۃ الاصفیاء تصوف کی تاریخ کی بنیادی کتاب ہے۔

☆ لاہور پاکستان کا مشہور شہر ہے۔ قدیم روایت ملتی ہے کہ رام چندر جی اور ان کی بیوی سیتا نے بیٹے کا نام "لا یا لو" رکھا تھا اس نے راوی دریا کے کنارے شہر بنایا اس کا نام لہور، لوہارو، لوور، مختلف ناموں سے اب لاہور مشہور ہے۔ مسلمان حکمران محمود غزنوی نے ۹۱۲ھ میں لاہور اور شمالی ہند کے بعض علاقوں کو فتح کیا۔

میں کافی تعداد میں لوگ شرکت کرتے تھے۔ اس مدرسہ کی تصوف پر تعلیمات مکمل تصوف کے سلسلہ میں تھیں۔ اگر اسلام میں پہلا مدرسہ دار ارقم اور مسجد نبوی کے صفہ کے مقام کو قرار دیا جائے تو یہ عین حقیقت ہے۔ ان مدرسوں میں تقویٰ و پرہیزگاری اور صبر و شکر کا درس ملتا ہے لیکن خالصتاً تصوف کی تعلیمات جو انسان کے تزکیہ نفس کا ایک پہلو ہے صرف اس خاص پہلو کو اُجاگر کرنے کے لئے پہلا مدرسہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے ہی قائم فرمایا تھا تصوف کا پہلا مدرسہ معلوم ہونے کی بحث کے بعد تصوف کے لفظی معنی پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

تصوف کے لفظی معنی

تصوف کا مادہ اور اس کی تعریف سے بحث کرتے ہوئے اس کی ضرورت کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ تصوف کو دو معنی میں متصور کیا گیا ہے۔ ایک صفت سے مشتق ہونا اور دوسرا صفا سے۔ ان دونوں معنوں میں انسانی پاکیزگی سے ہی بحث ہے۔ شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق مقتضائے لغت کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ پہلے لغت کو دیکھنا چاہئے۔ المنجد نے لفظ تصوف کے معنی صوفی ہونا، صوفیوں جیسے اخلاق اختیار کرنے کے بیان کئے ہیں اور اگر صوف سے لیا جائے تو اس کے معنی اون اور اون کے کپڑے پہننے والے ہوں گے۔[1] ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھے اخلاق سے متصف لوگوں کو اور پشمینہ یا اون پہننے والوں کو صوفی کہا جاتا تھا۔ امام راغب اصفہانی نے اس کو الصفاء سے بیان کیا ہے جس کے معنی کسی چیز کا ہر قسم کی آمیزش سے پاک و صاف ہونا کے ہیں۔[2] اسلامی انسائیکلو پیڈیا میں تحریر ہے کہ لغوی طور پر یہ لفظ بعض کے نزدیک صوف سے نکلا ہے جسکے

١. مفتی محمد شفیع، المنجد عربی اردو، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۷۵ء صفحہ ۵۸۲
٢. امام راغب اصفہانی، مفردات القرآن، اردو ترجمہ محمد عبدہ، اہل حدیث اکیڈمی لاہور، ۱۹۷۱ء، صفحہ ۵۸۷

معنی اُون کے ہیں یعنی اون پہننے والے یا گدڑی پوش صوفی کہلائے اور ان کا فکر تصوف ٹھہرا اور بعض نے اسے صفہ سے مشتق ٹھہرایا ہے کیونکہ اصحاب صفہ نے اپنی زندگیاں خدمتِ دین کے لئے وقف کر رکھی تھیں۔ بعض اس کو صفا سے مشتق قرار دیتے ہیں اور بعض کے خیال میں یہ یونانی لفظ سوف سے نکلا ہے جس کے معنی حکمت کے ہیں۔[1] شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ کلمہ باب تفاعل سے ہے جس کا خلاصہ ہے کہ یہ تکلف فعل کا متقاضی ہو اور یہ اصل کی فرع ہے۔ لغوی حکم اور ظاہری معنی میں اس لفظ کی تعریف کا فرق موجود ہے۔ "الصفا والایة ولها آیة ورواية والتصوف حکایة للصفا بلاشکایة."[2] صفا ولایت کی منزل ہے اور اسکی نشانیاں ہیں اور تصوف صفا کی ایسی حکایت و تعبیر ہے جس میں شکوہ و شکایت نہ ہو۔ شیخ علی ہجویری کی لفظ تصوف کی تعریف زندگی تمام دنیا کی خرابیوں سے پاک ہو کر محض رجوع الی اللہ کا نام تصوف ٹھہرتا ہے اور اسکے معنی پشمینہ کے حوالے سے مفتی احمد یار رقم الطراز ہیں کہ صوف جس کے معنی اون یا پشمینہ کے ہیں۔ پچھلے صوفیاء کرام کمبل اونی اور سادہ کپڑے استعمال کرتے تھے۔[3]

☆ حضرت سفیان ثوری (تابعی) وہ پہلے بزرگ تھے جنہوں نے شیخ ابو الہاشم کو صوفی کے لقب سے پکارا۔ شیخ ابو ہاشم نے رملہ ملک شام میں باقاعدہ روحانی تربیت کے لئے پہلی خانقاہ بنائی۔ حوالہ محمد طاہر القادری۔ حقیقت تصوف، ادارہ منہاج القرآن، لاہور ۱۹۹۰ء صفحہ ۱۸۵۔ اس عبادت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ذوالنون مصری سے پہلے دو ہجری صدی کے درمیان میں شیخ ابو ہاشم نے تصوف کا پہلا مدرسہ بنایا تھا۔ اس بزرگ کو لفظ صوفی سے سب سے پہلے پکارا گیا۔

١. سید قاسم محمود 'اسلامی انسائیکلو پیڈیا' شہکار بک فونڈیشن، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۵۰۲
٢. شیخ علی ہجویری۔ کشف المحجوب اردو ترجمہ غلام محی الدین نعیمی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی ۱۹۸۳ء، صفحہ ۶۳، کشف المحجوب فارسی، طبع نوائے وقت لاہور ۱۹۶۸ء، ص ۳۵
٣. مفتی احمد یار، تفسیر نعیمی، جلد اول؛ مکتبہ اسلامیہ گجرات؛ ۱۳۷۸ھ؛ صفحہ ۷۵۶

معلوم ہوتا ہے تزکیہ نفس کے لئے ادنی لباس اور کمبل استعمال کرنا اہل تصوف کا وطیرہ تھا اور صفا کے لفظ سے بھی پاکیزگی کے معنی مراد ہیں۔ یعنی دنیا کی کدورت سے انسان کا دل پاک ہو جائے تو صفا کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ شیخ علی ہجویری تحریر کرتے ہیں کہ "لیس الصفا من صفات البشر لان البشر مدر والمدر لایخلوا من الکدرہ۔"[1] یعنی انسان کی بنیادی ساخت میں صفت پاکیزگی نہیں ہے اس لئے کہ بشر تو ایک مٹی کا تودہ ہے اور مٹی کا تودہ کدورتوں سے خالی نہیں ہوتا۔ صفا اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کی صفت ہے۔ اس طرح صفا معنی لئے جانے کے متعلق ابو القاسم قشیری تحریر کرتے ہیں کہ دلوں کو غفلت سے محفوظ رکھنا معنی تصوف ہے[2] اور اسکو صفہ سے مشتق ٹھہرایا جائے تو اسکے معنی صف کے لئے جائیں اور اہل صفہ و معززین' نفوسِ قدسیہ جو مسجد نبوی میں صفہ کے مقام پر عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے اور صف باندھ کر اللہ کے حضور سر بسجود ہوتے تھے۔ اس طرح بندہ مسلسل عبادت و ریاضت کے ذریعے اپنے دل کو صاف بنالیتا ہے تو وہ تصوف کا عامل ہو جاتا ہے۔ دل کی پاکیزگی سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ تمام اعمال کا دارومدار دل کی پاکیزگی پر ہے۔ تصوف دل کی پاکیزگی کا دوسرا نام ہے۔ اس پاکیزگی کو حدیث کی روشنی میں دیکھا جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا الاوان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسدالجسد کله' الا وھی القلب۔[3] کہ خبردار بے شک (انسانی) جسم کے اندر ایک ایسا (گوشت) کا

[1] شیخ علی ہجویری۔ کشف المحجوب اردو ترجمہ مفتی معین الدین نعیمی؛ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی' ۱۹۸۳ء، صفحہ ۶۱

[2] امام ابوالقاسم قشیری۔ رسالہ قشیریہ' اردو ترجمہ' ادارہ تحقیقات اسلامی' اسلام آباد' ۱۹۸۸ء' صفحہ ۱۲۲

[3] امام محمد بن اسماعیل بخاری' بخاری' جلد اول اردو ترجمہ مولانا وحید الزمان' مکتبہ رحمانیہ' لاہور' ۱۹۸۵ء' صفحہ ۱۲۹

ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو تو سارا جسم ٹھیک ہوتا ہے اور جب اس میں بگاڑ پیدا ہو تو تمام جسم فاسد ہو جاتا ہے۔ خبردار وہ دل ہے۔ علماء اپنے طور پر تمام تر کوشش فرماتے ہیں جس سے ظاہری و خارجی عنصر کی اصلاح ہو جائے لیکن اصفیا کی تمام تر کاوش قلب و روح کی تطہیر ہے وہ اس کو قربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اسی وجہ سے دل کو ماسوائے اللہ تعالیٰ کے پاک رکھنے کی تلقین کرتے ہیں اور محبوبِ حقیقی کے سوا کسی کا اپنے دل میں گزر نہیں ہونے دیتے۔ تصوف کے معنی کے سلسلہ میں سید قدرت نقوی یونانی حکماء کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ تصوف اصل میں سین سے تھا اور اس کا مادہ سوف تھا جس کے معنی یونانی زبان میں حکمت کے ہیں۔ دوسری صدی ہجری میں جب یونانی کتابوں کا ترجمہ ہوا تو یہ لفظ عربی زبان میں آیا[1] اس طرح کی باتیں ابو ریحان البیرونی کی کتاب الہند کے حوالے سے تحریر کی گئی ہیں۔ جیسا کہ مولوی محمد احسان الدین نے تحریر کیا ہے کہ تصوف کا لفظ دراصل حرف س سے تھا اور اس کا مادہ سوف سے تھا جس کے معنی بزبان یونانی حکمت کے ہیں لیکن دوسری صدی ہجری میں جبکہ یونانی زبان کا ترجمہ عربی میں ہوا تو لوگوں نے اس فرقے کو سوفی کہنا شروع کیا اور حرف س کو ص سے بدل کر صوفی کر دیا۔[2] اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تصوف' سوف سے نہیں بلکہ اس کا مادہ صوف سے ہے جو کہ یونانی لفظ ہے۔ تصوف عربی زبان کا لفظ نہیں ہے اور اس کے معنی پاکیزگی و صفائی کے بجائے دانائی و حکمت کے ہیں۔ اس کا جائزہ لیا جائے تو شیخ علی ہجویری نے ایک حدیث بیان کی ہے۔ حدیث:

[1] سید قدرت نقوی۔ لسانی مقالات؛ جلد اول؛ مقتدرہ قومی زبان' اسلام آباد' ۱۹۸۸ء' صفحہ ۸۱

[2] مولوی محمد احسان الدین۔ الاحسان؛ محمد علی مفید عام پریس پاٹا نالہ؛ لکھنؤ بھارت: ۱۹۱۲ء؛ صفحہ ۳

"من سمع صوت اهل التصوف فلا یومن علی دعائهم کتب عنداللہ من الغافلین۔"[1] (ترجمہ) جو صوفیاء کی آواز سنے اور ان کی دعا پر آمین نہ کہے تو وہ اللہ کے نزدیک غافلوں میں شمار ہو گا۔ اس حدیث میں لفظ تصوف "ص" سے تحریر ہے اور اس کے معنی شیخ علی ہجویری نے "پشمینہ کے کپڑے پہننے والے 'صحاب صفہ کی نیابت' صفا والے اور ہر حالت میں ظاہر و باطن کی صفائی محمودہ و پسندیدہ ہے' کے بیان کئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تصوف کسی دوسری زبان سے نہیں لیا گیا بلکہ یہ شروع سے عربی کا لفظ ہے اس لئے صوفی کی معرفت و علم کا تعلق بھی یونانی فلسفے سے نہیں ہے بلکہ صوفی 'لفظاً و معناً یونانی نہیں بلکہ صوف بہ معنی "اون" سے مشتق ہے اور اس کے عقائد اسلام سے منسوب و متعلق ہیں۔ البتہ بعد میں اسلامی تصوف کا دیگر اقوام کے خیالات سے متاثر ہونا مستبعد نہیں ہے۔[2] ادارہ معارف اسلامیہ کی تحقیق کی رو سے تصوف کا مادہ ص۔و۔ف کے باب تفعل سے مصدر ہے جس کے معنی ہیں اپنے آپ کو صوفیانہ زندگی کے لئے وقف کرنا۔ یہ کلمہ لفظ صوفی سے براہِ راست وضع کیا گیا ہے جس طرح تنصر براہِ راست نصرانی سے وضع کیا گیا ہے لیکن یہ لفظ ص۔و۔ف کے مادہ سے براہِ راست وضع کیا گیا ہے۔ تو ابتداء میں اس کے معنی صحف یعنی اونی کپڑے

---

[1] شیخ علی ہجویری۔ کشف المحجوب اردو ترجمہ ؛ مفتی غلام معین الدین ؛ مدینہ پبلشنگ کمپنی ؛ کراچی ۱۹۸۳ء ؛ صفحہ ۵۷

[2] سید قدرت نقوی۔ لسانی مقالات ، جلد ، اول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء 'صفحہ ۹۶

☆ تصوف کے سب معنی کا خلاصہ یہ ہے کہ تزکیہ نفس و تصفیہ قلب کا نام ہے اور احسان کا نام تصوف ؛ شاہ ولی اللہ کے مطابق تصوف عربی کا لفظ ہے ؛ اور اس علم کا نام ہے جو آدمی کو زہد کی تعلیم دیتا ہے ؛ حوالہ۔ عبد الصمد صارم۔ تاریخ تصوف۔ ادارہ علمیہ نئی انار کلی لاہور ۱۹۶۹ء صفحہ ۷

پہنتا ہوں گے۔ بہر کیف لسانی اعتبار سے لفظ صوفی صوف "اون یا پشم" کا اسم منسوب ہے۔ بہت سی احادیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اون کے کپڑے پہنے اور آپ کا انتقال اونی کپڑے میں ہوا۔[1] اس بحث کے اختتام پر کہ تصوف کی اصل کے متعلق تمام اقوال میں سے لغت' عقل اور منطق کی رو سے یہ قول صحیح ہے کہ تصوف عربی زبان کا لفظ ہے اور صوف سے مشتق ہے۔ ان سب معنی میں ایک بات موجود ہے وہ یہ کہ تصوف بغیر کسی لالچ اور خوف کے اللہ تعالیٰ سے محبت و دوستی اور تعلق باللہ کا نام ہے۔ اس قول کی رو سے تصوف کے اصطلاحی معنی کو دیکھا جائے۔

تصوف کے اصطلاحی معنی

تصوف کی اصلاحی تعریف میں سب سے پہلے حضرت شہاب الدین سہروردی کو دیکھا جانا ضروری ہے کہ وہ تصوف سے کیا مراد لیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں "معلوم ہونا چاہئے کہ تصوف غیر فقیر ہے اور زہد بھی غیر فقیر ہے اور تصوف غیر زہد ہے۔ پس تصوف ایک ایسا اسم ہوا جو جامع ہے۔ معنی فقر اور معنی زہد کو مع دوسرے اوصاف و اضافات کے کہ ان اوصاف و اوضافات کے بغیر انسان صوفی نہیں ہو سکتا خواہ وہ فقیر اور زاہد کیوں نہ ہو۔"[2] اس کے علاوہ شیخ علی ہجویری نے تصوف کی تعریف میں فرمایا کہ "الصفا ولایة ولها آیة و روایة والتصوف حکایة للصفا بلاشکایة۔"[3] (ترجمہ) صفا ولایت کی منزل ہے اور اس کی نشانیاں ہیں اور

---

[1] دائرہ معارف اسلامیہ ؛ دانش گاہ پنجاب لاہور ؛ جلد ۶ ؛ طبع اول ؛ ۱۳۸۱ھ ؛ مطابق ۱۹۶۲ء ؛ صفحہ ۴۲۸۔ یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی لاہور نے انسائیکلوپیڈیا کی صورت میں شائع کی ہے اور اسکی تحقیق سالہا سال پر محیط ہے اور مزید کام جاری ہے۔

[2] شیخ شہاب الدین عمر سہروردی۔ عوارف المعارف ؛ اردو ترجمہ شمس بریلوی ؛ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ؛ ۱۹۸۹ء ؛ صفحہ ۱۹۵

[3] شیخ علی ہجویری۔ کشف المحجوب اردو ترجمہ مفتی معین الدین نعیمی ؛ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۹۸۳ء ۶۳

تصوف صفا کی ایسی حکایت و تعبیر ہے جس میں شکوہ و شکایت نہ ہو۔ اس کے علاوہ حضرت جنید بغدادی نے فرمایا "تصوف یہ ہے کہ حق تعالیٰ تجھے تری ذات سے فنا کردے اور اپنی ذات کے ساتھ زندہ رکھے۔"[1] اس کے علاوہ حضرت عمر بن عثمان مکی فرماتے ہیں کہ "تصوف یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اس حالت میں رہے جو اس کے لئے وقت کے مطابق بہتر ہو۔"[2] اس کے علاوہ حضرت سمنون نے فرمایا تصوف یہ ہے کہ "تو کسی چیز کا مالک نہ بنے اور نہ کوئی چیز تمہاری مالک بنے۔"[3] اس کے علاوہ حضرت رویم نے فرمایا کہ نفس کو اللہ کے ساتھ چھوڑ دینا کہ جیسا چاہے کرے۔"[4] اسکے علاوہ شیخ معروف کرخی نے فرمایا کہ تصوف حقائق پر عمل کرنے اور لوگوں کی چیزوں سے ناامیدی کا نام ہے۔"[4] اس کے علاوہ حضرت کتانی کا قول ہے کہ "تصوف اخلاقِ حسنہ کا نام ہے۔"[5] اس کے علاوہ حضرت ابو علی رودباری کا قول ہے کہ "محبوب کے در پر ڈیرے ڈال دینے کا نام ہے۔"[5] اس کے علاوہ شیخ محمد بن علی قصاب نے فرمایا "تصوف وہ کریمانہ اخلاق ہیں جو کریم زمانہ میں کریم آدمی سے کریم لوگوں کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے ہیں۔"[4] بہر کیف تصوف نام ہے صفائی باطن مع پابندی شرع کا۔"[6] دراصل تزکیہ کے لفظی معنی پاک و صاف کرنا، نکھارنا، میل کچیل دور کرنا کے ہیں اور قرآن نے بھی تزکیہ لفظ کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے کہ نفسِ انسانی کو ہر قسم کی نجاستوں اور

---

[1] امام ابو القاسم قشیری۔ رسالہ قشیریہ اردو ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسین، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء، صفحہ ۵۱، ۵۱۱، ۵۱۲

[2] ایضاً ص ۵۱۰

[3] ایضاً صفحہ ۵۱، ۵۱۱، ۵۱۲

[4] ایضاً ص ۵۱۱

[5] ایضاً ص ۵۱۲

[6] عبد الباری، تجدید تصوف و سلوک، مطبوعہ نامی پریس، لکھنؤ، ۱۹۴۹ء، صفحہ ۱۵

آلودگیوں سے نکھار کر صاف ستھرا کیا جائے یعنی اس آئینہ کے زنگ کو دور کر کے اس میں صیقل اور جِلا پیدا کر دی جائے۔[1] پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے کہا ہے کہ "تصوف نام ہی ہے نقش غیر کو لوحِ دل سے مٹا دینے کا۔"[2] شاہ احمد رضا خان نے تحریر فرمایا ہے کہ "شریعت ہی وہ راہ ہے جس کا منتہا اللہ ہے اور جس سے وصولی الی اللہ ہے۔ اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا اللہ کی راہ سے دور پڑے گا۔ اہل تصوف وہ ہے کہ اپنی خواہشات کو شریعت کے تابع کرے۔"[3] چشتی صاحب کی رائے میں یہ ہے کہ "اللہ کے سوا دل پر کوئی اور نقش نہیں ہونا چاہئے۔" اور شاہ احمد رضا خان تصوف کو شریعت پر چلنے کا نام دیتے ہیں اور اس سے انتہا کو پہنچنا واصل الی اللہ ہونا قرار دیتے ہیں۔ شیخ ابن عجیبہ نے فرمایا "تصوف اس علم کو کہتے ہیں جس سے حضرت باری تعالیٰ میں حضوری کے لئے سلوک کی کیفیت کا پتا چلے اور جس سے باطن کو رذیلہ خصلتوں سے پاک کرنے اور اسے اچھے اخلاق اور عمدہ خصلتوں سے مزین کرنے کا پتہ چلے۔ تصوف کا ابتدائی مرحلہ علم ہے درمیانی مرحلہ عمل اور آخری مرحلہ میں اللہ کی طرف سے انوار و کمالات اور فیوضات کی بخشش ہے۔ شیخ ذروق نے فرمایا تصوف کی تقریباً دو ہزار مختلف تشریحات کی گئی ہیں۔ ان تمام کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوف اللہ کی طرف صدقِ توجہ کا نام ہے۔"[4] تصوف کے متعلق سید محمد ریاض الدین سہروردی نے تحریر کیا ہے

---

[1] مولانا سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، جلد اول، نیشنل بک فونڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۶۲ء، ص ۵

[2] پروفیسر یوسف سلیم چشتی، اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۸۳ء، صفحہ ۵۲

[3] شاہ احمد رضا خاں۔ دس عقیدے یعنی رسالہ مبارکہ نافعہ، فرید بک اسٹال، اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۱ء، صفحہ ۸۲

[4] شیخ عبد القادر عیسیٰ۔ تصوف کے حقائق، احمد حسن قادری، فیڈرل بی ایریا، کراچی، ۱۹۹۳ء، صفحہ ۱۹-۲۰

کہ جو مجاہدہ نفس میں زیادہ تیز ہوگا اور عبادت وریاضت کے ذریعہ سے جس کا نفس الائش دنیا سے جتنا صاف ہوگا اتنا ہی اسے کائنات کے مادی حالات بذریعہ کشف معلوم ہوں گے۔"[1] یعنی دنیا کی برائیوں سے بچ کر اپنے باطن کی صفائی کرنے سے حالات کا منکشف ہونا تصوف ہے جبکہ عبدالباری نے تحریر کیا ہے کہ باطن کو رذائل سے خالی کرنے اور فضائل سے آراستہ کرنے کا، جس میں توجہ الی اللہ پیدا ہو جائے، عام اس لئے کہ وہ کسی عمل شرعی سے ہو[2] تصوف کے سلسلہ میں جی این جلبانی نے لکھا ہے کہ "مذہبی طور پر انسان اللہ تعالیٰ سے عبادت وریاضت کے ذریعہ تعلق پیدا کرے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے رابطہ ہو اس کو طریقت و معرفت کا نام دیا گیا ہے اور پیغمبرؐ نے اس کو احسان کا نام دیا ہے کہ عبادت اس طرح کی جائے کہ انسان اللہ کو دیکھ رہا ہو ورنہ یہ تصور قائم ہو کہ اللہ تعالیٰ بندے کو دیکھ رہا ہے۔ یہ ہی تصوف ہے۔"[3] ان تمام تصوف کی تعریفوں میں اس بات کو ظاہر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا اور اس کو پاکیزگی و صفائی کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے اور وہ پاکیزگی دل کی صفائی ہے اور اس کو مختلف نام دیئے گئے ہیں لیکن سب کا مقصد ایک ہے کہ دنیاوی برائی سے کنارہ کیا جائے اور دین اسلام پر کاربند ہو کر دل کو دنیا کی خواہشات اور بری باتوں سے پاک کر دیا جائے اور اس طرح اللہ تعالیٰ سے رابطہ و تعلق پیدا کیا جائے۔ اس کے علاوہ حضرت ابو حفص فرماتے ہیں کہ تصوف کلیۃ آداب ہیں کہ ہر وقت کا ایک ادب ہے اور

---

[1] سید محمد ریاض الدین سہروردی۔ علم الدنیٰ، محمد عنایت قادری، لیدرورکس کراچی، سن ندارد، صفحہ ۱۳۲

[2] عبدالباری۔ تجدید تصوف وسلوک، مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ، بھارت، ۱۹۴۹ء صفحہ ۱۷

[3] جی این جلبانی۔ ٹیچنگ شاہ ولی اللہ، پہلا ایڈیشن، کشمیری بازار، لاہور، ۱۹۶۷، صفحہ ۱۹

ہر حال کے لئے ایک ادب ہے اور ہر مقام کے لئے ایک ادب ہے اور جس شخص نے آداب اوقات کو اپنے ذمہ لے لیا تو وہ مردوں کے مرتبہ کو پہنچ گیا اور جس نے ان آداب کو ضائع کر دیا تو وہ اس راہ سے بعید ہے کہ قرب کا گمان رکھے اور وہ قبول کے درجے سے مردود ہے۔[1] اس کے علاوہ شیخ ابو محمد جریدی نے فرمایا کہ ہر اعلیٰ خلق میں داخل ہو جانا اور ہر خلق رذیلہ سے نکل آنا تصوف ہے[2] اس کے علاوہ شیخ شہاب الدین سہروردی نے فرمایا "فقر کی انتہا اس کے شرف کے ساتھ تصوف کی ابتدا ہے۔"[3] اس کے علاوہ حضرت ابن جلالی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "التصوف حقيقة لارسم[4] (ترجمہ) تصوف سراپا حقیقت ہے جس میں رسم و مجاز کا دخل نہیں ہے کیونکہ معاملات وافعال میں رسم و مجاز کا دخل ہے اور اس کی حقیقت حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اس کے علاوہ حضرت ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "التصوف شرك لانه ميانة القلب عن روية الغير ولاغير."[5] (ترجمہ) تصوف میں شرک ہے اس لئے کہ دل کو غیر کی رویت سے بچانا حالانکہ غیر کا وجود ہی نہیں۔ اس کے علاوہ حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "التصوف صفاء السر من كدورة المخالفة."[6] (ترجمہ) دل کو مخالفت کی کدورت سے پاک وصاف رکھنے کا

---

[1] شیخ شہاب الدین عمر سہروردی۔ عوارف المعارف، اردو ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۹۵۔۱۹۶

[2] ایضاً ۱۹۵

[3] ایضاً ۱۹۴

[4] شیخ علی ہجویری، کشف المحجوب، ترجمہ اردو مفتی غلام محی الدین نعیمی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۳ء، صفحہ ۶۵ تا ۷۰، کشف المحجوب فارسی، صفحہ ۳۷

[5] ایضاً صفحہ ۶۶۔ مزید کشف المحجوب، فارسی۔ ص ۳۸

[6] ایضاً صفحہ ۶۷۔ مزید ایضاً صفحہ ۳۸

نام تصوف ہے۔ اس کے علاوہ حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "التصوف ترك كل حظ للنفس."[1] (ترجمہ) تصوف تمام نفسانی لذات حظوظ سے دست کشی کا نام ہے۔ اس کے علاوہ حضرت علی بن پندار صیرفی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "التصوف اسقاط الروية للحق ظاهراً و باطناً."[2] (ترجمہ) تصوف یہ ہے کہ انسان اپنے ظاہر و باطن میں حق کی خاطر خود کو نہ دیکھے۔ اس کے علاوہ حضرت محمد عمر بن مقری فرماتے ہیں کہ "التصوف مقامة الاحوال مع الحق"[3] حق تعالیٰ کے ساتھ احوال کی استقامت کا نام ہے۔ اس کے علاوہ "جبکہ اس عمل کو حسن نیت اور حسن اخلاص کے کمال سے آراستہ کر کے اتباع شریعت کو درجۂ احسان پر فائز کرنے کی سعی و تدبر کا نام تصوف ہے۔"[4] شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "التصوف الصدق مع الحق و حسن الخلق مع الخلق."[5] (ترجمہ) تصوف حق کے ساتھ سچائی ہے اور مخلوق کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا۔ اس کے علاوہ حضرت ردیم فرماتے ہیں کہ تصوف تین خصلتوں پر مبنی ہے۔ (۱) فقر اور محتاجگی کو اختیار کرنا۔ (۲) بذل وایثار ہونا۔ (۳) مشغولیت اور اختیار کو چھوڑ دینا۔"[6] مذکورہ بالا تمام اقوال

---

[1] ایضاً۔ ۶۵، شرح رسالہ قشیریہ۔ سید محمد حسنی گیسودراز بندہ نواز دکن حیدر آباد ۱۳۶۱ھ ص۔ ۱۴۹

[2] ایضاً۔ ۶۹

[3] شیخ علی ہجویری، کشف المحجوب، ترجمہ اردو مفتی غلام محی الدین نعیمی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۳ء، صفحہ ۶۵ تا ۷۰، کشف المحجوب فارسی، صفحہ ۴

[4] محمد طاہر القادری۔ حقیقت تصوف، ادارہ منہاج القرآن، ماڈل ٹاؤن، لاہور، ۱۹۹۰ء۔ ص ۵۱۔ ۱۶۱

[5] محمد طاہر القادری، حقیقت تصوف، ادارہ منہاج القرآن، ماڈل ٹاؤن، لاہور، ۱۹۹۰ء۔ ص ۱۵۹

[6] شیخ شہاب الدین عمر سہروردی، عوارف المعارف، اردو ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۹۴

سے معلوم ہوتا ہے کہ تصوف تزکیہ نفس اور تزکیہ باطن ہے اور تزکیہ کے ذریعہ انسان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں متوجہ ہوتا ہے اور اس انسان کو اللہ تعالیٰ کی پہچان عطا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہونا ہی تصوف ہے۔ تصوف کی اس اصطلاحی تعریف کے بعد لفظ صوفی کے متعلق دیکھا جائے گا کہ لفظ صوفی کے علماء و حکماء نے کیا معنی بیان کئے ہیں۔

لفظ صوفی کی تعریف

مسلمان جب شریعت میں حدِ کمال کو پہنچ جاتا ہے تو وہ منزل تصوف پر فائز ہو جاتا ہے اور جن افراد پر لفظ تصوف کا اطلاق ہوتا ہے وہ صوفی کہلاتے ہیں۔ اب دیکھنا ہوگا کہ لفظ صوفی کی کیا تعریف کی گئی ہے۔ صوفی کا لفظی معنی الصوفیۃ سے کیا جائے تو معنی عبادت گزاروں کی جماعت اور الصوفی اس کا واحد ہے۔ اس مقام پر المنجد میں بتایا گیا ہے کہ صوفی وہ ہے جو مسلمانوں کے نزدیک خود کو فنا کر کے اللہ تعالیٰ سے متعلق رہے جس میں اعلیٰ درجے کا خلوص اور حقائق کے ادراک کی استعداد ہو۔"[1] المفردات القرآن نے صوفی کے معنی تحریر کئے ہیں۔ لفظ صوفی بھی صوف کی طرف منسوب ہے کیونکہ یہ لوگ اون کا لباس پہنا کرتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ صوفۃ کی طرف منسوب ہے جس کے معنی خدام کعبہ کے ہیں۔ صوفی لوگ بھی چونکہ ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے تھے اس لئے ان کو صوفی کہہ دیا گیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ صوفی صوفان کی طرف منسوب ہے جس کے معنی نورو ئیدہ گھاس کے ہیں اور صوفی لوگ بھی چونکہ زہد سے کام لیتے ہیں اور معمولی سی غذا کھاتے تھے جو عدم کفایت ہیں۔ صوفان گھاس کی مثل ہوتی ہے[2] امام قشیری نے تحریر کیا ہے کہ ایک آدمی کے لئے کہا جاتا ہے رجل

---

[1] المنجد عربی / اردو، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۷۵، ص ۵۸۲

[2] امام راغب اصفہانی، مفردات القرآن، ترجمہ مولانا محمد عبدہ، اہل حدیث اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۱ء، صفحہ ۶۰۱

صوفی اور جماعت کے لئے صوفیہ اور اس شخص کو جو اپنے آپ کو اس جماعت کے ساتھ ملانا چاہتا ہے اسے متصوف کہا جاتا ہے صوفی نہیں کہا جاتا اور جماعت کے لئے متصوفہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ صوفی کا لفظ مسجد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صفہ کی طرف منسوب ہے تو یہ درست نہیں کیونکہ صفہ کا اسم نسبت صفی آتا ہے صوفی نہیں آتا۔ یہ لوگ صف اول میں ہیں تو یہ معنی تو درست ہیں مگر لغوی طور پر صف کا نسبت صفی آتا ہے صوفی نہیں آتا۔ خود ہی مزید فرماتے ہیں کہ مزید بر آں یہ لوگ اس صوفی کے نام سے اس قدر مشہور ہو چکے ہیں کہ ان کے تعین کرنے میں نہ قیاس کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ اشتقاق کی۔[۱] شیخ علی ہجویری لفظ صوفی کے معنی کے متعلق فرماتے ہیں کہ باعتبار لغت اس کے معنی مشتقات کسی چیز کے ساتھ صحیح نہیں بنتے کیونکہ اس لفظ کے یہ معنی لغوی تعریف سے بہت بلند وارفع ہیں۔ اس معنی کی کوئی جنس نہیں ہے جس سے اس کو ماخوذ قرار دیا جائے اس لئے کہ جس چیز کا کسی چیز سے ماخوذ مشتق ہونا جنسیت کا متقاضی ہوتا ہے اور جس میں کدورت ہو وہ صاف وشفاف کی ضد ہوتی ہے اور کسی چیز کو ضد سے مشتق نہیں کرتے لہٰذا عرفاء کے نزدیک یہ معنی اظہر من الشمس ہیں اس کے لئے نہ کسی تعبیر کی ضرورت ہے نہ کسی اشارہ کی۔ "لان الصوفی ممنوع عن العبارۃ والاشارۃ."[۲] اس لئے کہ صوفی کے معنی کے لئے عبارت واشارہ کی ممانعت ہے۔ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی فرماتے ہیں صوفی صوف سے مشتق ہے۔ اگر باعتبار اشتقاق دیکھا جائے تو یہی لفظ موزوں اور مناسب ہے کہ جب کوئی پشمین (صوف) کا

---

[۱] امام ابو القاسم قشیری۔ رسالہ قشیریہ، اردو ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسین، ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء، صفحہ ۵۰۹

[۲] شیخ علی ہجویری، کشف المحجوب، ترجمہ اردو مفتی غلام محی الدین نعیمی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۳ء، صفحہ ۶۲

لباس پہنتا ہے تو عرب کہتے تصوف یعنی پشمینہ کا لباس پہنے ہوئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ان صوفیاء کو کسی باطنی صفت کے ساتھ موصوف کرنا دشوار تھا۔ ان کو ان کے ظاہری لباس سے منسوب کر کے صوفی کہا جانے لگا کہ اس لفظ سے اس کو موصوف اور منسوب کرنے میں ان کے اوصاف کی وضاحت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ پشمین لباس پہننا ان کے اسلاف صوفیاء کرام کا ہمیشہ سے شعار رہا ہے۔ ☆ محض لباس کی مناسبت سے ان کا نام صوفی رکھ دیا۔"[۱] آپ مزید فرماتے ہیں کہ اپنے باطنی اسرار پیش کرنے کے باعث صف اول میں ہیں اور بعض نے کہا کہ یہ اسم دراصل صفوی تھا جو اپنے ثقل کے باعث صوفی بن گیا۔ بعض نے کہا کہ صوفیہ نام صفہ کی نسبت سے رکھا گیا۔ اگرچہ صفہ سے صوفی کا مشتق ہونا اشتقاق لغوی کے قاعدے کے اعتبار سے درست نہیں ہے لیکن معنی کے لحاظ سے صحیح ہے کہ صوفیہ کا حال اصحابہ صفہ کے حال سے بالکل مشابہ رہا ہے۔ مزید آپ فرماتے ہیں کہ لفظ صوفہ سے صوفی اسی طرح ہے جس طرح کوفہ سے کوفی۔ یہ توجیہہ بعض اہل علم نے پیش کی ہے اور کہتے ہیں کہ لفظی اشتقاق کے اعتبار سے یہ درست ہے اور یہ حقیقت

☆ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ میری ان ستر اصحابہ سے ملاقات ہوئی جنہوں نے جنگ بدر میں شرکت کی اور انکا لباس پشمینہ کا تھا۔ حوالہ۔ امام ابو بکر بن ابو اسحاق تعرف۔ ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسین، المعارف گنج بخش روڈ، لاہور ۱۳۹۱ھ صفحہ ۳۹۔ نیز تعداد اک سبعین بدریا کان لباس ھم الصوف فخر الحسن خواجہ محمد فخر الحسن مترجم شاہ حسین گردیزی دار العلوم مہریہ گلشن اقبال، کراچی ۱۹۹۴ء، صفحہ ۶۸ نے بھی نقل کیا ہے۔

[۱] شیخ شہاب الدین عمر سہروردی۔ عوارف المعارف، ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۲۰۰۔۲۰۱

ہے کہ ہمیشہ سے زاہد، عابد اور متقی لوگوں کا لباس اسی صوف کا رہا ہے۔[1] اس معنی کی تائید میں سید قدرت نقوی نے تحریر کیا ہے کہ علماء مشرق و مغرب میں زیادہ تر صوف بہ معنی اون سے صوفی بہ معنی پشمینہ پوش بنائے جانے کے قائل ہیں اور ازروئے اصول اشتقاق یہی درست بھی ہے کیونکہ اس کے ساتھ یائے نسبتی کا الحاق قاعدے کے عین مطابق ہے۔[2] پشمینہ معنی کی تائید میں یہ معنی بھی ہے کہ مادہ صفا کے باب مفاعلۃ کا ماضی مجہول بمعنی صاف کیا گیا ہے۔ صافی سے صوفی بر وزن قوبل مجہول قابل۔ بہت ابتدائی زمانے تقریباً آٹھویں صدی عیسوی سے یہ ماضی مجہول لفظ صوفی (زاہد پشمینہ پوش) کے ساتھ بطور توریہ استعمال ہوتا رہا ہے۔"[3] صحیح یہی ہے کہ ابتدا زمانہ دو صدی ہجری میں جو لوگ عبادت و ریاضت میں مشغول ہوئے اور انہوں نے ذاتِ باری تعالیٰ سے تعلق پیدا کیا اور دنیا کی کدورت سے بچ گئے اس وقت وہ لوگ زیادہ تر پشمینہ پہنتے تھے یعنی اون کا لباس زیب تن کرتے تھے اور وہ معمولی قیمت کا ہوتا تھا۔ ان لوگوں کو ابتدا صوفی کہا گیا ہے اور صوفی کا معنی صوف پہننے والا ہی صحیح ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک نے حضرت حسن بصری سے سوال کیا کہ صوفی کون ہے تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ صوفی وہ ہے جس کے چہرے پر حیا، آنکھ میں گریہ، دل میں پاکیزگی، زبان پر تعریف الٰہی، ہاتھ میں بخشش، وعدہ میں وفا اور بات میں شفا ہو۔[4]

---

[1] ایضاً صفحہ ۲۰۲

[2] سید قدرت نقوی، لسانی مقالات، حصہ اول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء، ص ۸۷

☆ سید قدرت نقوی کراچی شہر میں لسانیات میں محقق ہیں۔ لسانی مقالات کتاب ۱۹۸۶ء تحریر کی جو لسانی تحقیق سے متعلق ہے۔

[3] دائرہ معارف اسلامیہ، جلد چار، دانش گاہ، پنجاب، صفحہ ۴۱۸۔۴۱۹

[4] ابوالفیض سید قلندر علی سہروردی۔ انوارِ سہروردیہ، مرکزی مجلس سہروردیہ، قلعہ گوجر سنگھ، لاہور، سن ندارد، صفحہ ۲۱

سید محمد سلطان سہروردی نے صوفی کے متعلق کہا کہ (درویش) صوفی دراصل دنیا سے پرہیز کرنے کا ہی نام ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "حب الدنیا راس کل خطیة وفتنة وبلیة." (ترجمہ) دنیا کی محبت تمام خطاؤں اور فتنوں اور بلاؤں کی جڑ ہے۔[1] مذکورہ دونوں اقوال میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی نوید سنائی گئی ہے۔ شریعت اسلامیہ پر عمل سے حیا، گریہ، سخاوت، دل کی صفائی، یادِ الٰہی اور وعدہ ایفاء کرنا اور دنیا سے کنارہ کش ہو کر محبت الٰہی میں آنا ہی صوفی کے لئے ضروری ہے ورنہ ان باتوں کے علاوہ ہونے سے انسان صوفی نہ بن سکے گا۔ معنوی اعتبار سے شیخ علی ہجویری بمعروف داتا گنج بخش نے صوفی کے معنی میں اس طرح کلام فرمایا ہے کہ:

۱۔ صفاء۔ پاکیزگی
۲۔ اہل صفہ۔ مسجد نبوی میں عبادت گزار
۳۔ صف۔ صف اول میں نماز پڑھنے والے
۴۔ صوفہ۔ قدیم قبیلہ جو مکہ معظمہ میں خانۂ کعبہ کا خادم تھا۔
۵۔ صفوف القضاء۔ گدی پر جو بال ہوتے ہیں۔
۶۔ شیو صوفیاء۔ یونانی لفظ جس کے معنی حکمت الٰہی کے ہیں۔
۷۔ صوفانہ۔ ایک قسم کا پودا ہے۔
۸۔ صوف۔ بہ معنی پشمینہ یا اون کے ہیں۔[2]

مذکورہ الفاظ اور ان کے معنی کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ زمانہ اولیٰ کے صوفیاء کرام میں مذکورہ تمام باتیں موجود تھیں۔ وہ پاکیزگی

---

[1] سید محمد سلطان سہروردی۔ جدید تکیہ سہروردیہ، مرکزی انجمن و آستانہ عالیہ سہروردیہ حیدر آباد، سن ندارد، صفحہ ۳۵

[2] شیخ علی ہجویری بمعروف داتا گنج بخش۔ کشف المحجوب، ترجمہ مفتی غلام محی الدین نعیمی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۳ء، صفحہ ۵۷

سے متصف تھے' عبادت گزار تھے' صف اول میں نماز کا اہتمام کرنے والے تھے۔ مقدس مقام کی خدمت ضروری سمجھتے تھے' حکمت الٰہی سے سرشار تھے اور وہ لوگ اون کا لباس بھی زیب تن کرتے تھے۔ ان وجوہات کی بناء پر ان کو صوفی کہا گیا تھا۔

لفظ صوفی کے جملہ معنی کے بعد صوفی کی اصطلاحی تعریف کی طرف توجہ دی جاتی ہے۔

صوفی کی اصطلاحی تعریف

مقربین الٰہی' علماء تصوف نے صوفی کی اصطلاحی تعریف کی ہے۔ اس کو دیکھنے کے لئے ان کے ذیل میں اقوال دیئے جاتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ صوفی سے انہوں نے کس قسم کے آدمی کو مراد لیا ہے۔

امام قشیری نے حسین بن منصور کا قول نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ صوفی کی ذات یکتا ہوتی ہے۔ نہ کوئی اللہ کے سوا اس کو قبول کرتا ہے اور نہ یہ اللہ کے سوا کسی کو قبول کرتا ہے اور ابو حمزہ بغدادی فرماتے ہیں کہ سچے صوفی کی علامت یہ ہے کہ باوجود مالدار ہونے کے وہ فقیر بن جائے اور باوجود ذی عزت ہونے کے حقیر بن جائے اور باوجود شہرت کے اپنے آپ کو چھپائے اور جھوٹے صوفی کی علامت یہ ہے کہ وہ محتاجی کے بعد مالدار بنے' حقیر ہونے کے بعد عزت والا بنے اور گم نام ہونے کے بعد شہرت والا ہو اور شیخ صمدون قصار نے فرمایا کہ صوفیاء کی صحبت میں رہو کیونکہ ان کے نزدیک بری باتوں کا عذر پیش کرنے کے لئے کئی طریقے ہیں اور ان کے ہاں نیکی کی کوئی بڑی قدرو منزلت نہیں کہ اس کی وجہ سے وہ تمہاری تعظیم کریں اور حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ صوفی کی مثال زمین کی سی ہے کہ ہر بری چیز اس پر پھینکی جاتی ہے مگر اس میں سے ہر قسم کی خوبصورت چیز نکلتی ہے اور شیخ نوری فرماتے ہیں کہ صوفی کی تعریف یہ ہے کہ اسے محتاجی کے وقت سکون ہو اور

اگر کچھ پاس ہو اس کو ایثار کردے۔"[1] شیخ کتانی کا قول ہے کہ جس کے اخلاق تم سے بہتر ہوں گے وہ صوفی ہونے میں تم سے بہتر ہوگا۔[2] شیخ سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو اپنے خون کو رائیگاں سمجھے اور اپنی ملکیت کی چیزوں کو لوگوں کے لئے مباح سمجھے۔[3] شیخ ابو منصور فرماتے ہیں کہ صوفی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ کرنے والا ہوتا ہے اور مخلوق تو ساری اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔[4] شیخ شبلی فرماتے ہیں صوفی مخلوق سے کٹ کر حق تعالیٰ کے ساتھ متصل ہو گیا ہے نیز فرماتے ہیں صوفیاء حق تعالیٰ کی گود میں بچوں کی طرح ہیں کیونکہ حق تعالیٰ ان کی تربیت بچوں کی طرح کرتا ہے۔[5] شیخ رویم فرماتے ہیں جب تک صوفیاء (ایک دوسرے کو اس کے عیوب پر تنبیہ کر کے) آپس میں نفرت پیدا کرتے رہیں گے تو ٹھیک رہیں گے مگر جونہی انہوں نے آپس میں صلح کر لی (اور تنبیہ چھوڑ دی) تو ان میں کوئی بھلائی نہیں رہی گی [6] شیخ ابو تراب نخشی فرماتے ہیں صوفی کے دل کو کوئی چیز میلا نہیں کر سکتی مگر اس سے ہر چیز کو صفائی حاصل ہوتی ہے۔[7] بعض نے کہا ہے کہ صوفی کو طلب حق نہیں تھکاتی اور نہ ہی سبب اس سے بے چین کر سکتا ہے۔[8] شیخ نوری سے کسی نے صوفی کے متعلق پوچھا تو فرمایا صوفی وہ ہے جس نے سماع سنا اور ان ذرائع کو پسند کیا (جو اللہ تک لے جائیں) [9] شیخ ابو نصر السراج فرماتے ہیں میں نے حصری سے کہا کہ آپ کے نزدیک

---

۱ امام ابو القاسم قشیری: رسالہ قشیریہ' اردو ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسین' ادارۂ تحقیقات اسلامی' اسلام آباد' ۱۹۸۸ء' صفحہ ۵۱۰-۵۲۱

۲ ایضاً ۵۱۲

۳ ایضاً ۵۱۳ — ۴ ایضاً ۵۱۳

۵ ایضاً ۵۱۳ — ۶ ایضاً ۵۱۳

۷ ایضاً ۵۱۳ — ۸ ایضاً ۵۱۳

۹ ایضاً ۵۱۳

صوفی کون ہے؟ فرمایا جسے نہ زمین اٹھائے ہو اور نہ اس پر آسمان سایہ کئے ہو۔" (یعنی اس قدر محویت کا عالم ہو) [۱] بعض نے کہا جب صوفی کے سامنے دو حالتیں یا دو خلق آئیں اور دونوں اچھے ہوں تو وہ بہتر کو اختیار کرتا ہے۔ [۲] شیخ ابن جلا' نے فرمایا کسی علم میں اس کے معنی نہیں پائے جاتے مگر اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے صوفی ایسا فقیر ہوتا ہے جو کسی قسم کے اسباب پر اعتماد نہ کرتا ہو' مکانیت کی قید کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہے' حق سبحانہ و تعالیٰ اسے ہر مکان و ہر حالت کے علم سے غافل نہیں رہنے دیتا۔ اس لئے اس کو صوفی کہا جاتا ہے۔ [۳] شیخ ابوالحسن سیرانی فرماتے ہیں صوفی واردات کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور ان کے ساتھ نہیں۔" [۴] شیخ حصری فرماتے ہیں صوفی معدوم ہونے کے بعد وجود میں نہیں آتا اور وجود میں آنے کے بعد معدوم نہیں ہوتا۔ [۵] بعض نے کہا ہے کہ صوفی وہ ہے جو ان احوال کی وجہ سے جو حق تعالیٰ کی طرف سے اس پر ظاہر ہوں۔ اپنی ذات سے مستغنی اور بے خبر ہوتا ہے۔ نیز کہا جاتا ہے کہ صوفی اللہ تعالیٰ کی تدبیر و تصرف کے سامنے مقہور ہوتا ہے اور عبودیت کے تصرفات کی وجہ سے مستور ہوتا ہے۔ [۶] سائنس دان ڈاکٹر پروفیسر عبدالسلام نے کہا ہے کہ صوفی وہ ہے جس کو براہِ راست ذاتی تجربہ ہو۔ [۷] شیخ ابوبکر شبلی نے فرمایا۔ "الصوفی منقطع عن

---

[۱] امام ابوالقاسم قشیری۔ رسالہ قشیریہ 'اردو ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسین 'ادارۂ تحقیقات اسلامی' اسلام آباد' ۱۹۸۸ء 'صفحہ ۵۱۴

[۲] ایضاً صفحہ ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵

[۳] ایضاً صفحہ ۵۱۴

[۴] ایضاً صفحہ ۵۱۵

[۵] ایضاً صفحہ ۵۱۵

[۶] ایضاً صفحہ ۵۱۵

[۷] سید محمد قاسم 'سائنس میگزین 'شاہکار بک فونڈیشن، کراچی 'جنوری، ۱۹۹۴ء، نمبر ۴، ۱۰، صفحہ ۱۱۲

الخلق متصل بالحق." یعنی صوفی مخلوق سے قطع تعلق کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرتا ہے۔ نیز فرمایا۔ "الصوفی من لا یری فی الدارین مع اللہ غیر اللہ." [۱] یعنی صوفی اللہ تعالیٰ کے علاوہ دونوں جہانوں میں کسی اور کو نہیں دیکھتا صرف اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا (صوفی) بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اس طرح ہو کہ ظاہر اس کا اطاعت و عبادت میں مشغول رہے اور باطن میں اس کی محبت خداوندی موجزن ہوتی رہے۔ [۲] شیخ میاں شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا (صوفی) صحیح مرد میدان وہ ہے جو گھر میں دنیادار معلوم ہوتا ہو تو مسجد میں اہل دین کا سردار۔ دنیا کا ہر کام کرے مگر دین میں ہر وقت دھیان رکھے۔ [۳] شیخ شرف الدین یحییٰ منیری نے فرمایا صوفیوں کا اہم ترین وصف ان کا اخلاق اور نیک طبعی ہے۔ [۴] شیخ علی

---

[۱] عبدالرزاق نوفل، التصوف والطریق الیہ طبع اول، قاہرہ مصر' سن ندارد، صفحہ ۱۷

[۲] شیخ شرف الدین یحییٰ منیری۔ معدن المعانی اردو ترجمہ سید شاہ قسیم الدین احمد فردوسی 'بہار شریف ☆ نالندہ، بھارت، ۱۹۸۵ء، صفحہ ۳۸

☆ بہار بھارت کا شہر اور صوبہ ہے۔ مغرب میں اتر پردیش، مدھیا پردیش، شمال میں نیپال، مشرق میں بنگال و بنگلہ دیش اور جنوب میں اڑیسہ واقع ہے۔ اشوک سلطنت کا دارالحکومت رہا ہے۔ علاقے کو گلشن ہند کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ۵۸۹ھ / ۱۱۹۴ء میں اختیار الدین محمد کمانڈر قطب الدین ایبک نے بہار فتح کیا۔ اسلامی دور میں علمی مرکز تھا۔ شدت سے گرمی اور اعتدال سے جاڑا پڑتا ہے۔

[۳] میاں محمد سعید شاد۔ خطبات شیر ربانی ☆' علمی کتاب خانہ، لاہور، ۱۹۷۹ء / ۱۳۹۹ھ صفحہ ۳۱

☆ شیر محمد نقشبندی بزرگ، مزار شرقپور ضلع شیخوپورہ پاکستان میں۔ ان کے خطبات کے نام سے ان کے مرید میاں واحد بخش نے اکٹھے کیئے اور شائع کیے۔

[۴] پروفیسر شاہ سید عقیل احمد جمالی، مضمون روزنامہ جنگ، ۶ مارچ ۱۹۹۲ء، کراچی، اشاعت جمعہ۔

ہجویری فرماتے ہیں صوفی وہ ہے جو خود کو فنا کر کے حق کے ساتھ مل جائے اور خواہشات نفسانیہ کو مار کر حقیقت سے پیوستہ ہو جائے۔"[1] شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "الصوفی اذا نطق بان نطقه عن الحقائق وان سکت نطقت عنه الجوارح بقطع العلائق."[2] (ترجمہ) صوفی وہ ہے کہ جب بات کرے تو اس کا بیان اپنے حال کے حقائق کے اظہار میں ہو اور جب خاموش رہے تو اس کا معاملہ اور سلوک اس کے حال کو ظاہر کرے اور علائق سے کنارہ کشی اس کے حال پر ناطق ہو۔ شیخ ابوالحسن نوری فرماتے ہیں کہ "الصوفی الزی لایملك ولایملك."[3] یعنی صوفی وہ ہے جس کے قبضہ میں کچھ نہ ہو اور نہ خود کسی کے قبضہ میں ہو۔ شیخ ابو محمد مرتعش فرماتے ہیں کہ "الصوفی لایسبق همته، خطوته البته"[4] یعنی صوفی وہ ہے کہ اس کا باطن اس کے قدم کے ساتھ برابر ہو۔ شیخ ابو بکر بن اسحاق بخاری فرماتے ہیں کہ قال بشر ابن الحارث الصوفی من صفا قلبه الله.[5] (ترجمہ) بشر بن حارث کہتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جس کا قلب اللہ تعالیٰ کے لئے صاف ہو جائے۔ شیخ نورالدین عبدالرحمٰن جامی فرماتے ہیں کہ توحید بہ عرف صوفی صاحب سیر۔ تخلیص دل از توجہ اوست بغیر[6] یعنی صوفی کی اصطلاح میں توحید سے

---

[1] شیخ علی ہجویری معروف داتا گنج بخش۔ کشف المحجوب، ترجمہ مفتی غلام معین الدین نعیمی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی کراچی، ۱۹۸۳ء، صفحہ ۵۷

[2] ایضاً ص ۶۴

[3] ایضاً ص ۶۳، ۶۴، ۶۵۔ کشف المحجوب فارسی صفحہ ۳۷

[4] ایضا ۶۷ ۔ مزید کشف المحجوب فارسی صفحہ ۳۸

[5] محمد طاہر القادری، تصوف کی حقیقت، منہاج القرآن، ماڈل ٹاؤن، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۱۵۸ مزید امام ابو بکر، تصرف، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن۔ المعارف لاہور، ۱۳۹۱ھ صفحہ ۳۷

[6] نورالدین عبدالرحمٰن جامی۔ شرح لوائح جامی، اردو ترجمہ کپتان واحد بخش سیال، بزم اتحاد المسلمین لاہور، ۱۴۲۱ھ، صفحہ ۹۵

مراد دل کا پاک ہونا ہے۔ غیر کی طرف توجہ کرنے سے۔ شیخ احمد حضرویہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ (صوفی) کا مفہوم یہ ہے کہ خدا قلب سے محبوب رکھتے ہوئے زبان سے بھی یاد کرتا رہے اور خدا کے علاوہ ہر شئے کو ترک کر دے۔[1] حضرت شاہ ولی اللہ نے صوفیائے کرام جو اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرتے ہیں ان کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے ان صوفیاء کی اس طرح تعریف کی ہے کہ ان بزرگوں کی اصل غایت یہ تھی کہ ذاتِ الٰہی میں اپنے وجود کو گم کر کے اس مقام کی کیفیات سے لذت اندوز ہوں۔ حضرت ابو سعید خزار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا عارف (صوفی) وہی ہے جو خدا کے سوا ہر شئے سے اس طرح بے نیاز ہو جائے کہ تمام اشیاء اس کی محتاج نظر آئیں۔ فرمایا کہ قرب حقیقی وہ ہے کہ خدا کے علاوہ کسی شئے کا قلب میں تصور تک نہ آئے اور اگر کوئی شئے سامنے آجائے تو اس جانب توجہ بھی نہ ہو۔[2] شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صوفی میں لطیف و پاکیزہ چیزوں کے نام سے اس کی صفائی مراد ہے چونکہ صوفیاء کرام اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب و پاکیزہ بنا کر طبعی آفتوں سے نفرت کرتے ہیں اسی بناء پر انہیں صوفی کہا جاتا ہے۔[3] مذکورہ صوفی کی تمام تعریفوں کو ملاحظہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور اس رجوع میں اپنے

---

[1] شیخ فریدالدین عطار، تذکرۃ الاولیاء، ترجمہ مبارک علی قادری، شبیر برادرز لاہور، ۱۹۹۰ء، صفحہ ۱۷۳

☆ تذکرۃ الاولیاء شیخ فریدالدین عطار پیدائش ۵۱۳ھ ہے نام محمد لقب فریدالدین ہے یہ تصوف کی مشہور کتاب ہے اس کے علاوہ چالیس کتب آپ کی اور بھی ہیں۔

[2] شیخ فریدالدین عطار، تذکرۃ الاولیاء، ترجمہ مبارک علی قادری، شبیر برادرز لاہور، ۱۹۹۰ء، صفحہ ۲۱۶

[3] شیخ علی ہجویری۔ کشف المحجوب اردو ترجمہ مفتی معین الدین نعیمی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی ۱۹۸۳ء، صفحہ ۵۷

نفس کو پاکیزہ بنالیا اور تعلق باللہ قائم کیا اور اللہ تعالیٰ سے واصل ہو گئے اور اللہ کی ذات میں اپنے آپ کو فنا کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کی طرف توجہ نہیں کی۔ ان حضرات کے لئے لفظ صوفی مشہور ہو گیا اور یہی لوگ صوفیاء کہلائے ہیں۔ ابتدا ہی سے یہ تعلیمات و تحریک مسلمانوں میں پیدا ہو گئی تھی اور قرآن وحدیث پر مداومت اور اس کے عملی مظاہرہ سے اثرات کارونما ہونا ضروری تھا۔ ان کیفیات و تجربات سے صوفی متصف ہوا۔ یہ لفظ صوفی اور اس کے نظریات کلیۃً اسلامی ہیں۔ اس بات کی تائید پروفیسر ڈاکٹر نکلسن [1] بھی کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مفروضہ کہ اس سادہ شکل میں عقیدہ تصوف مستعار لیا گیا ہے۔ ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ ابتداء اسلام سے ہی یہ بات نظر آتی ہے کہ صوفیاء اسلام کے خصوصی نظریات کی تشکیل خود ان کے اذہان کے اندر تلاوت قرآن پاک اور حدیث شریف کی مداویت اور قرآن وحدیث میں تفکر اور تدبر کے نتیجہ کے طور پر اندر ہی اندر رونما ہوئی۔ [2] تصوف اور صوفی اصطلاحات مسلمانوں کی ایجاد ہیں۔ صوفی کی تعریف کے بعد اب دیکھا جائے کہ اسلام میں پہلا صوفی کے نام سے کون شخص مشہور ہوا تاکہ وہ پہلا صوفی قرار پائے۔

پہلا صوفی

اس بات کو دیکھنے کے لئے کہ پہلا صوفی کون تھا، سلسلہ سہروردیہ کی بنیادی تصوف کی کتاب عوارف المعارف کو دیکھا جائے تو اس کتاب کی اس

۱؎ نکلسن مشہور مستشرق عالم تھا۔ اسلام کے مختلف موضوعات کو تحقیقی انداز میں دیکھا اور اپنی رائے قائم کی۔ عربی و فارسی میں کمال رکھتا تھا۔ مثنوی مولانا روم کو انگریزی میں ترجمہ کیا۔ پیدائش ۱۸۶۸ء اور وفات ۱۹۴۵ء میں ہوئی۔ خصوصاً تصوف میں دسترس تھی۔

۲؎ دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، طبع اوّل، ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء صفحہ ۱۱۵

روایت کو ملاحظہ کریں کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک بار میں نے ایک صوفی کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا۔ میں نے اس کو کچھ دینا چاہا لیکن اس نے قبول نہیں کیا اور کہا کہ میرے پاس چار دمڑیاں (کوڑیاں) ہیں جو میرے لئے کافی ہیں [1] اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسن بصری کے دور میں لفظ صوفی کا استعمال تھا اور لفظ صوفی کے استعمال کے علاوہ معلوم ہوتا ہے کہ نیک اعمال کرنے والے کے لئے رائج تھا۔ یہ دور صحابہ کرام اور تابعین کا ہے۔ اس لئے کہ حضرت حسن بصری کی پیدائش حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت چودہ سال کی عمر میں ہوئے۔ [2] حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ ہشام بن عبد المالک کے دورِ حکومت میں ۱۱۰ھ کو ۸۹ سال کی عمر میں بصرہ میں انتقال فرمایا۔ حضرت حسن بصری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قناعت پسندی اس کا شیوہ تھا جو کچھ اس صوفی کے پاس تھا اس نے اس پر قناعت کی۔ اس روایت میں صوفی کا نام معلوم نہیں ہوتا۔ صوفی کے سلسلہ میں عبد الصمد صارم الازہری نے تحریر کیا ہے کہ قبل از اسلام ایک صوفی مکہ میں طوافِ کعبہ کے لئے آیا کرتا تھا اور انہوں نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ کتاب اخبار مکہ میں لکھا ہوا ہے کہ لفظ صوفی اسلام سے پہلے عرب میں رائج تھا۔ [3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ صوفی اسلام کی آمد سے پہلے بھی استعمال ہوتا تھا اور کعبہ میں صوفی نے طواف بھی کیا۔ اس روایت میں صوفی کا نام نہیں ہے اور وہ لوگ کس قسم کے خیالات اور عبادات

۱؎ مولانا محمد زکریا۔ تاریخ مشائخ چشت مکتبۃ الشیخ، بہادر آباد، کراچی، ۱۴۰۶ھ، صفحہ ۱۱۵

۲؎ خواجہ محمد فخر الحسن، فخر الحسن، مترجم شاہ حسین گردیزی، دار العلوم مہریہ، گلشن اقبال، کراچی، ۱۹۹۴ء صفحہ ۳۲

۳؎ عبد الصمد صارم الازہری۔ تاریخ تصوف، ادارہ علمیہ، نئی انار کلی، لاہور، سن ندارد، صفحہ ۸، کراچی یونیورسٹی لائبریری۔

رکھتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ دین حنیف پر ہوں اور تزکیہ نفس کی کوئی راہ ان کے سامنے آئی ہو۔ لیکن کتب تصوف میں اور دیگر کتب اسلامی اس بحث سے خاموش ہیں۔ حضرت ابو سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر ابو ہاشم صوفی نہ ہوتے تو میں ریاکاری کی باریک باتوں سے واقف نہ ہوتا۔ یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ لفظ قدیم زمانہ سے مشہور و معروف ہے۔[1] اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو ہاشم کو پہلے صوفی ہونے کا اعزاز حاصل ہے اور یہ تصوف کی باریک باتوں کو جاننے والے تھے۔ روایت سے حضرت ابو ہاشم کے علم و فضل اور تصوف کی باتوں کے نقاط شناس ہوں عیاں ہے اور اس بات کا علم بھی ہوتا ہے کہ لفظ صوفی کا استعمال حضرت ابو ہاشم کے دور سے پہلے استعمال ہو رہا تھا۔ اگر صوفیاء کرام کی صفات کو دیکھا جائے کہ وہ تزکیہ نفس کی منزل کو ملحوظ رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے واصل ہوتے ہیں اور ان کے تمام تجربات ذاتی نوعیت کے ہوتے ہیں تو ان تمام باتوں کو انبیاء کرام میں دیکھا جا سکتا ہے اور اس طرح تمام انبیاء کرام صوفی اور ان تمام میں پہلا صوفی اس دنیائے ارض پر حضرت آدم علیہ اسلام کی صورت میں آج سے ہزاروں برس پہلے پہلا صوفی موجود تھا۔ صوفی ہونے کو حضرت آدم علیہ السلام پہلا شرف بخشیں گے۔ اپنی ذات کے حوالے سے لیکن اس مقالہ میں صفاتی طور پر نہیں دیکھنا بلکہ اس بحث میں دیکھنا یہ ہے کہ پہلا صوفی جو اس نام سے موسوم کیا گیا اور اس کا تذکرہ کتب میں لفظ صوفی کے ساتھ محفوظ کیا گیا ہے وہ کون صوفی تھا۔ اس کو جاننے کے لئے تاریخ کو دیکھا جائے تو کتب تاریخ تصوف میں پہلے پہل دوسری صدی ہجری مطابق آٹھویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں لفظ صوفی جس آدمی پر استعمال ہوا اسکا علم ہوتا ہے، کیمسٹری کے ماہر جابر بن حیان اور ابو ہاشم کے نام سامنے آتے ہیں۔ شیخ

۱۔ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی، عوارف المعارف اردو ترجمہ، شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۲۰۴

عبدالقادر عیسیٰ نے تحریر کیا ہے کہ "سب سے پہلے جو صوفی کے نام سے موسوم ہوئے وہ صوفی ابو ہاشم تھے جن کا وصال ۱۵۰ھ میں ہوا۔"[1] دائرہ معارف اسلامیہ میں جو پہلے صوفی کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ ابو ہاشم بن شریک ہیں جن کا وصال ۱۳۰ھ میں ہوا اور جابر بن حیان ماہر علم کیمیا ہیں اور ان کی وفات ۱۶۰ھ میں ہوئی۔"[2] اسلامی انسائیکلوپیڈیا نے تحریر کیا ہے کہ یہ اصطلاح سب سے پہلے کوفہ میں آٹھویں صدی عیسوی کے اواخر میں جابر بن حیان اور ابو ہاشم مشہور صوفی کے لئے استعمال کی گئی[3] مذکورہ عبارات سے دو فرد لفظ صوفی سے یاد کئے گئے ہیں وہ جابر بن حیان اور ابو ہاشم ہیں۔

ابو ہاشم کی وفات شیخ عبدالقادر عیسیٰ کے مطابق ۱۵۰ھ میں ہوئی اور دائرۂ معارف اسلامیہ کے مطابق ۱۳۰ھ میں وفات ہوئی۔ یہ دونوں سن ہجری ۱۶۰ھ سے پہلے ہیں۔ کیونکہ ۱۶۰ھ میں جابر بن حیان کا وصال ہوا تو اس اعتبار سے شیخ ابو ہاشم صوفی کے نام سے سب سے پہلے صوفی ملقب ہوئے۔ شیخ ابو ہاشم کے شیخ ابو سفیان ثوری (متوفی ۱۶۱ھ / ۷۷۸ء) ہمعصر ہیں۔ انہوں نے ہی ان کو لفظ صوفی سے یاد کیا اور اس کو عوارف المعارف نے نقل کیا ہے۔ اس طرح جابر بن حیان اور ابو ہاشم دونوں ہمعصر اور کوفے شہر کے رہنے والے بھی تھے۔ تاریخ میں پہلا صوفی کون تھا اس بحث کے بعد ایک شبہ کا ازالہ ضروری ہے۔ لہٰذا اس کو تاریخ و علمی انداز سے دیکھا جائے۔

ایک شبہ کا ازالہ

تصوف کے اس باب میں اسلام کے علاوہ غیر اسلامی مذاہب کا تذکرہ

۱۔ شیخ عبدالقادر عیسیٰ۔ تصوف کے حقائق، اصل نام "حقائق عن تصوف" اردو ترجمہ مفتی سید محمد یوسف ہندیالوی، علمی کتاب گھر، کراچی، ۱۹۹۳ء، صفحہ ۲۴
۲۔ دائرہ معارف اسلامیہ، جلد چہارم، دانش گاہ پنجاب لاہور، ۱۹۶۲ء، صفحہ ۴۹۹
۳۔ سید قاسم محمود اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی ۱۹۸۴ء، ص ۹۹۸

مختصر تصوف کے حوالے سے کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہے تاکہ لفظ تصوف اور صوفی کے متعلق بات وضاحت سے سامنے آئے۔ اسلام سے پہلے یونانی علوم کا بڑا شہرہ تھا۔ جب یونانی کتب کا ترجمہ عربی زبان میں خلیفہ ہارون رشید نے کرایا تو اس وقت یونانی لفظ سوفو (Sophos) بہ معنی ماہر' دانشور اور عقلمند عربی زبان میں آیا ہوگا یا ترجمہ کرتے وقت فلسفہ سوفیا (Philos So-phia) یا فیلسوف (Philos Sophos) کیا اور سوفسط (Sophist) الفاظ لئے ہوں گے یا انگریزی میں تصوف کو مسٹیزم (Mysticism) کہتے ہیں جو یونانی سے لاطینی کے ذریعے انگریزی تک آیا ہے اور لاطینی میسٹی کز (Mysticus) کی اصل یونانی مسٹے (Mustes) ہے اور یہ لفظ یونانی مائن (Muein) سے ماخوذ ہے۔ اس لفظ کے معنی لئے جاتے ہیں کہ انسان آنکھ اور ہونٹ بند کر کے بیٹھ جائے۔ یہ ایک مراقبے کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے تصوف مراد لے لیا گیا ہے یا فارسی زبان میں سوفی اور سوف کے معنی دانائی کے لئے جاتے ہیں۔ یہ لفظ فارسی میں یونانی سے لیا گیا ہے یا تصوف عیسائی راہبوں سے لیا گیا لفظ ہے کیونکہ وہ دنیا سے کنارہ کش ہو کر راہبانہ زندگی گزارتے تھے یا صوفیانہ زندگی کا تصوف ہندوستانی جوگیوں سے مستعار مسلمانوں نے لیا ہے اور اس کو ویدک تصوف سے ماخوذ تصور کیا جائے۔ ان باتوں کو جاننے کے لئے مندرجہ ذیل بحث کو دیکھا جائے۔

تصوف کا لفظ یونانی کتب کے ترجمے کرنے سے عربی میں آیا ہے تو یونانی زبان کو عربی میں منتقل کرنے کا زمانہ خلیفہ ہارون رشید کا ہے اور ہارون رشید کا دور خلافت ۱۷۰ھ سے ۱۹۳ھ تک کا ہے اس دور میں اس نے دنیا بھر کی کتابیں اور علمی نسخے منگوا کر بغداد میں جمع کئے۔ ان کتب کو جمع کرنے میں دنیا کے ہر گوشے سے اس نے کتب منگوائیں اور بلند ترین علماء اور مترجم بلائے اور ان کو بھاری تنخواہ اور انعام و اکرام دے کر کام لیا تاکہ وہ روزگار سے مطمئن ہو کر علم کی خدمت کریں۔[1] اس دور میں یونانی کتب کو عربی زبان

میں منتقل کیا گیا ہے اور خیال کیا جا سکتا ہے کہ یونانی زبان سے تراجم کے وقت لفظ تصوف عربی زبان میں منتقل ہوا ہوگا جبکہ حدیث میں یہ لفظ اس طرح بیان ہوا ہے کہ "**من سمع صوت اهل التصوف فلا يومن على دعاء هم كتب عندالله من الغافلين.**"[2] جو صوفیاء کی آواز سنے اور ان کی دعا پر آمین نہ کہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غافلوں میں شمار ہوگا۔ اس حدیث کو دیکھا جائے تو لفظ تصوف عربی زبان میں دورِ رسالت میں موجود تھا اور دورِ رسالت کا زمانہ یقینی طور پر ہارون رشید کے زمانہ سے ایک سو اسی سال قبل کا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ تصوف تراجم کے دوران یونانی زبان سے نہیں لیا گیا بلکہ عربی زبان میں یونانی تراجم کے زمانہ سے ایک سو اسی سال پہلے لفظ تصوف موجود تھا اور یونانی زبان کے ترجمے میں سوف "س" سے ہے جبکہ تصوف عربی میں صوف "ص" سے ہے اور اس کو کبھی صاد سے بدلا نہیں گیا اور سوفو سے بھی ماخذ نہیں ہو سکتا۔[3] اس کے کیونکہ ماہر' دانشور اور عقلمند معنی اور پاک' صاف اور ستھرا معنی میں بڑا فرق ہے اور فلسفہ سے فلسفی بنے گا اور سوف سے سوفی بنے گا نہ کہ فیلسوف اور سوفسط سے صوفی بنے گا۔ یونانی الفاظ اور اصطلاحات سے لفظ تصوف اور صوفی ثابت نہیں کیا جا سکتا اور انگریزی زبان میں لفظ مسٹیزم لاطینی زبان سے آیا ہے اور لاطینی کا لفظ مسٹی یونانی زبان سے لیا گیا ہے اور یونانی زبان کا اصل لفظ مائن ہے اس کے آنکھ اور ہونٹ بند کرنا یہ ایک مراقبہ کی شکل ہے اس کو اگر صوفیاء کی طرف منسوب کر دیا جائے تو اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صوفیاء مراقبہ

---

1. مس امتیاز پراچہ، تاریخ اسلام، طاہر سنز، کراچی، ۱۹۸۲ء، صفحہ ۴۰۴
2. حضرت داتا گنج بخش۔ کشف المحجوب، ترجمہ مفتی غلام معین الدین نعیمی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۳ء، صفحہ ۵۷
3. سید قدرت نقوی۔ لسانی مقالات، حصہ اول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء، صفحہ ۸۵

کرتے ہیں لیکن اس سے لفظ تصوف کو یونانی لفظ ثابت نہیں کیا جاسکتا اور فارسی زبان میں سوفی اور سوف کے الفاظ کے معنی دانائی لئے جاتے ہیں۔

انگریزی زبان میں لفظ مسٹک (Mystic) کے معنی صوفی اور مجذوب کے لئے جاتے ہیں اور فارسی زبان میں اس لفظ کو مست کہتے ہیں جو حواس کو قابو میں نہ رکھے اس کو مست کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں معنی یعنی دانائی اور مجذوبیت اصطلاحی لحاظ سے بحث میں لائے جاسکتے ہیں لیکن اس سے بھی لفظ تصوف اور صوفی کو غیر عربی لفظ ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ ایک واقعہ دیا جاتا ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ کے پاس بنی عذرہ کا ایک نوجوان آیا اور اس نے ابن ام الحکیم عامل کی شکایت کی کہ اس نے اس پر ظلم کیا ہے کہ میں نے اپنے چچازاد سے شادی کی اور کسی بات پر اختلاف کی وجہ سے عامل کے پاس گیا۔ اس نے صلح کرانے کے بجائے اس کا حسن و جمال دیکھ کر اس کے والدین کو لالچ دے کر خود شادی کرلی۔ اس واقعہ کو سن کر حضرت امیر معاویہ بہت غصے ہوئے اور ایک خط لکھا جو عتاب پر مشتمل تھا، اسمیں مندرجہ ذیل شعر تھا۔

"قد کنت تشبہ صوفیاء لہ کتب
من الفرائض او آیات فرقان." [1]

اس عبارت میں جو شعر بیان ہوا ہے اس میں لفظ صوفیاء موجود ہے۔ اس شعر کا ترجمہ ہے: حالانکہ تو ایسے صوفیء سے مشابہت رکھتا تھا جو فرائض اور احکامِ دین کی کتابوں کا مالک ہے۔ اس شعر میں لفظ صوفیاء سے پتہ چلتا ہے کہ دورِ اصحاب میں لفظ صوفیاء استعمال ہوتا تھا اور حضرت امیر معاویہ نے اس لفظ صوفیاء کو استعمال کیا۔ اس عبارت کے علاوہ قبل اَز اسلام ایک صوفی مکہ معظمہ میں خانہ کعبہ کے طواف کے لئے آیا کرتا تھا اور اسلام سے پہلے لفظ صوفی عرب میں رائج تھا۔ [2] اس عبارت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ لفظ

[1] پروفیسر حامد خان حامد' حضرت سخی سرور' محکمہ اوقاف، پنجاب لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۱۷
[2] محمد سعید۔ تصوف، طارق بن زیاد کالج، کراچی، ۱۹۹۴ء، صفحہ ۲۳

صوفی قبل از اسلام رائج تھا اور مکہ معظمہ میں خانہ کعبہ کے طواف کے لئے وہ آدمی جو صوفی کہلاتا تھا وہ آیا کرتا تھا۔ اس سے اس بات کو بھی سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ صوفی کا لفظ نیک اور منزہ لوگوں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ کیونکہ خانہ کعبہ کا طواف ہمیشہ نیک لوگ ہی کرتے آئے ہیں۔ اس کے علاوہ پہلا صوفی ابوہاشم کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور ان کا وصال کوفہ کے اندر ۱۳۰ھ میں ہوا۔[1] اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ دوسری صدی ہجری کے ابتداء میں لفظ صوفی اسلامی اصطلاحات میں آچکا تھا اور لفظ تصوف کے لئے بھی تاریخ میں ملتا ہے کہ اہلسنت میں سے ان خاص لوگوں نے جنہوں نے اپنے نفوس کو اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کردیا تھا اور اپنے دلوں کو غفلت کے طاری ہونے سے محفوظ رکھا اپنے لئے ایک الگ نام "تصوف" رکھ لیا۔ ان بزرگوں کے لئے یہ نام دوسری ہجری سے پہلے مشہور ہو چکا تھا۔[2] اس سے تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ دوسری صدی میں یہ لفظ تصوف موجود تھا اور اس کی شہرت بھی ہو گئی تھی۔ خلیفہ ہارون رشید نے دوسری صدی ہجری کے آخر میں یونانی سے عربی میں تراجم کرائے تھے۔ اگر یونانی سے لفظ تصوف اور صوفی عربی زبان میں آیا ہوا ہوتا تو اس کی شہرت تیسری صدی ہجری میں ہونا چاہئے تھی جبکہ لفظ صوفی اور تصوف پہلی صدی ہجری میں ملتا ہے اور اس کی شہرت دوسری صدی ہجری میں ہوئی ہے۔ دوسری طرف دیکھا جائے تو عربی زبان کی رو سے اس نام کی اصل کی شہادت نہ قیاس سے ملتی ہے نہ اشتقاق سے ملتی ہے۔ واضح اَمر تو یہی ہے کہ یہ نام لقب کی طرح ہے۔ ابتدائی یورپی محققین نے تصوف کا سرچشمہ غیر اسلامی عناصر میں تلاش کرنے کی

[1] شیخ عبدالقادر عیسیٰ۔ تصوف کے حقائق، اصل نام "حقائق عن تصوف" اردو ترجمہ مفتی سید محمد یوسف بندیالوی، علمی کتاب گھر، کراچی، ۱۹۹۳ء، صفحہ ۲۴
[2] امام ابوالقاسم قشیری۔ رسالہ قشیریہ 'اردو ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسین' ادارہ تحقیقات اسلامی 'اسلام آباد' ۱۹۸۸ء 'صفحہ ۱۲۲

کوشش کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ یہ عقیدہ شامی راہبانیت سے ماخوذ ہے (مرکس Merx محقق کا یہی خیال تھا) یا یونانی فلسفہ اشراق سے یا پھر اسے ایران کی زرتشتی مذہب یا ہندوستان کے ویدانت کے فلسفہ سے لیا گیا ہے۔
دراصل تصوف کو مسلمانوں نے کسی مذہب سے یا کسی علاقہ سے حاصل نہیں کیا بلکہ تصوف مسلمانوں کے اندر ابتداء سے موجود تھا لیکن دورِ رسالت میں صحابی اور دورِ صحابی میں تابعی اچھے الفاظ تھے۔ اس سے بہتر مسلمانوں کے لئے کوئی اور لفظ نہ تھا۔ اس دور کے بعد غلط لوگوں نے دین میں دخل اندازی کی اور عبادت و ریاضت اور تزکیہ نفس سے دور ہوئے تو اس زمانہ میں زہاد اور عباد نیک لوگوں کو صوفی کہا گیا ہے۔ اس سے اتفاق کیا جانا چاہئے کہ بقول نکلسن (مستشرق) کی تحقیق کی رو سے یہ مفروضہ کہ اس سادہ شکل میں عقیدہ تصوف مستعار لیا گیا ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ ابتدائے اسلام ہی سے یہ بات نظر آتی ہے کہ صوفیائے اسلام کے خصوصی نظریات کی تشکیل خود ان کے اذہان کے اندر تلاوتِ قرآن مجید و حدیث شریف کی مداومت اور قرآن و حدیث میں تفکر اور تدبر کے نتیجے کے طور پر اندر ہی اندر رونما ہوئی۔[1]

مذکورہ بالا بحث سے چند باتیں سامنے آئی ہیں:

۱۔ تصوف اور صوفی عرب سرزمین کے اور عربی زبان کے الفاظ ہیں۔ یعنی باہر سے کسی اور زبان سے ان الفاظ کو نہیں لیا گیا۔ ☆

۲۔ لفظ تصوف اور صوفی پہلی صدی ہجری میں موجود تھا اور اس کی شہرت دوسری صدی ہجری میں ہوئی۔

۱۔ ڈاکٹر محمد شفیع دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۶، دانشگاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۶۲ء ص ۴۲۷

☆ قبل از اسلام ایک صوفی مکہ میں طواف کعبہ کیلئے آیا کرتا تھا۔ اور لفظ صوفی عرب میں اسلام سے پہلے رائج تھا۔ جو خدا کی یاد میں مشغول رہے اور غفلت سے اپنے قلب کی حفاظت کرتے اس کا نام صوفی رکھا گیا۔ یہ امر قبل دوسال ہجری کے واقع ہوا۔ حوالہ عبد الصمد صارم، تاریخ تصوف ادارہ علیہ نمبر ۵، رضی روڈ، نئی انار کلی لاہور، ۱۹۶۹ء۔

۳۔ صوفیائے کرام کے خصوصی نظریات کی تشکیل خود ان کے اندر تلاوت قرآن پاک اور حدیث شریف کی مداومت کی وجہ سے اور تدبر و تفکر کی بناء پر اندر ہی اندر رونما ہوئی ہے۔ ان صوفیاء کرام نے عیسائیت، زرتشت یا ہندوستانی ویدانت سے تصوف کو نہیں لیا۔

۴۔ چھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں زیادہ تر سلاسل لے کر بزرگ ہند کی سرزمین کو مشرف کرتے ہیں اور ان کا ویدانت سے واسطہ پڑتا ہے اور انہوں نے سنیاسی، جوگی اور پروہتوں کو ہند میں دیکھا ہے جبکہ چھ سو سال پہلے عرب میں لفظ تصوف اور صوفی موجود تھا اور ان کے حالات و ریاضیات اسلام کے مطابق تھے۔

۵۔ یونان ہند، ایران اور مختلف اطراف میں آنکھیں اور ہونٹ بند کرنا لوگوں کا طریقہ ہے۔ اس طرح مسلمان صوفیاء کا طریقہ مراقبہ ہے۔ اس میں مماثلت ضرور پائی جاتی ہے لیکن یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ مسلمان صوفیاء نے کسی غیر مذہب یا کسی علاقہ سے اس طریقہ کو حاصل کیا ہے۔ یہ طریقہ بھی مسلمان صوفیوں کا اپنا ہے۔

۶۔ مسلمان صوفیاء نے ہمیشہ اس بات کا درس دیا کہ کتاب و سنت کو مضبوطی سے تھامے رہو اور عقائد حقہ کو اپناؤ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تصوف و صوفی اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے۔ کسی اور مذہب سے استعار نہیں لیا گیا اور ان کی تعلیمات درست ہیں کہیں غلط بات کوئی ملتی ہے تو وہ ان کی کتاب میں کسی نے تحریف کی ہے یا ان کی طرف منسوب کر دی گئی ہے۔ بہر صورت اسلامی تصوف کی اپنی اساس خود دینِ اسلام میں ہی موجود تھی اور دیگر مذاہب کے افکار نے اس پر اپنا اثر بہت شاذ ہی چھوڑا ہے۔[1]

۱۔ قاضی قیصر الاسلام، فلسفے کے بنیادی مسائل، نیشنل بک فونڈیشن، کراچی، ۱۹۷۶ء صفحہ ۴۱۷

فقہائے کرام نے تصوف کے متعلق اپنی آراء کا اظہار کیا ہے ان کی آراء اور ان کے اقوال کی روشنی میں ملاحظہ کریں۔

فقہائے کرام کی آراء

تصوف کو مستند بزرگوں نے جو سمجھا اور تصوف کے متعلق جو اعلان کیا ان میں امام اعظم ابو حنیفہ کے بارے میں بیان ہے کہ آپ شریعت وطریقت دونوں کا فیض دیا کرتے تھے اور میدانِ طریقت کے شہسوار تھے اور امام مالک فرماتے ہیں جس نے تصوف بغیر فقہ حاصل کیا وہ فاسق ہو جاتا ہے اور جس نے فقہ بغیر تصوف کے حاصل کیا وہ زندیق بن جاتا ہے۔ تصوف وفقہ کا جامع صاحبِ حقیقت ہے اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ مجھے دنیا میں تین باتیں پسند ہیں: (۱) دنیاوی تکلفات کو چھوڑنا۔ (۲) مخلوق کے ساتھ نرمی سے اجتماعی زندگی بسر کرنا۔ (۳) اہل تصوف کے طریقے کی پیروی کرنا[۱] اور امام احمد بن حنبل پہلے تو اپنے صاحبزادے کو صوفیاء سے بچنے کے لئے کہتے تھے اور جب ابو حمزہ بغدادی صوفی کی صحبت اختیار کی تو اپنے صاحبزادے سے کہا:

> صوفیاء کی مجلس وصحبت کو لازم پکڑو کہ یہ علم، مراقبہ، زہد، خشیت اور بلند ہمتی میں ہم سے زیادہ ہیں۔

اور یہ بھی فرمایا کہ:

> صوفیاء سے افضل کوئی جماعت میرے علم میں نہیں ہے۔ کسی نے کہا کہ وہ سماع اور وجد کرتے ہیں تو کہا کہ صوفیاء کو چھوڑ دو اور انہیں کچھ دیر اللہ کیساتھ راحت وآرام حاصل کرنے دو۔[۲]

ان مذکورہ بالا عبارات سے یہی چیز ثابت ہوتی ہے کہ تصوف اسلام سے ہی ماخوذ ہے اور ابتداء سے ہی اس کو پسند کیا گیا ہے۔

تصوف کے اس پہلے باب کے بعد اب دوسرے باب کو ملاحظہ کرنا چاہئے جس میں سلسلۂ سہروردیہ کے پس منظر کو بیان کیا جائے گا۔

---

[۱] سید قدرت نقوی' لسانی مقالات' حصہ اول مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء ص ۹۶

[۲] شیخ عبدالقادر عیسیٰ' تصوف کے حقائق' ترجمہ مفتی محمد یوسف سندیالوی' احمد حسن قادری' فیڈرل بی ایریا' کراچی' ۱۹۹۳ء' صفحہ ۳۴۳_۳۴۴

دوسرا باب

سلسلہ سہروردیہ کا پس منظر

تمہید

اسلامی تصوف کی ابتدا اور تعریف اور صوفی کی تعریف اور پہلا صوفی کے بعد زیرِ نظر باب میں سلسلۂ سہروردیہ کا پس منظر بیان کیا جائیگا اور اس باب میں ابتدا اور شہر سہرورد' شجرہ' مشہور سلسلہ کے بزرگ اور ان کی تعلیمات کا تذکرہ کیا جائیگا۔

ابتدا

سلسلۂ سہروردیہ کی ابتدا چھٹی صدی ہجری میں ہوئی تھی اور سلسلہ سہروردیہ بھی سلسلۂ چشتیہ کی طرح بہت پرانا ہے اور ٹھوس تبلیغی کاموں میں تو شاید اس کا پلہ چشتیہ سے بھاری ہے۔[۱] شیخ وجیہہ الدین سہروردی کے نامور خلیفہ شیخ ضیاء الدین ابو نجیب عبدالقاہر سہروردی سے سلسلۂ سہروردیہ کی ابتدا ہوئی اور اس سلسلہ کی بنیاد عراق کے مشہور شہر بغداد میں رکھی گئی اور شیخ ابو نجیب سہروردی کی ولادت ۴۹۰ھ قصبہ سہرورد میں اور وفات ۵۶۳ھ بغداد میں ہوئی۔[۲] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھٹی صدی ہجری یعنی نو سو سال پہلے سلسلہ سہروردیہ کی ابتدا کی گئی۔ اب اس سلسلہ کے بانی کو دیکھا جائے۔

بانی

سہروردیہ تصوف کا وہ سلسلہ جو شیخ شہاب الدین عمر سہروردی (متوفی ۶۳۲ھ ۱۲۳۴ء) سے منسوب ہے[۳] اس عبارت میں سلسلہ سہروردیہ

---

[۱] شیخ محمد اکرام' آبِ کوثر' ادارہ ثقافت اسلامیہ' کلب روڈ' لاہور۔ ۱۹۹۲ء' ص ۲۵۲

[۲] شیخ عبدالرحمن چشتی۔ مراۃ الاسرار' اردو ترجمہ کپتان واحد بخش سیال' بزم اتحاد المسلمین' لاہور۔ ۱۳۱۲ھ' صفحہ ۵۳۹

[۳] علامہ سرور لاہوری' خزینۃ الاصفیاء' مکتبہ نبویہ لاہور' ۱۹۹۰ء ص ۲۳ ترجمہ اقبال احمد فاروقی

کے بانی شہاب الدین عمر سہروردی قرار دیئے گئے ہیں۔ جبکہ سہروردی سلسلہ کے بانی ابو نجیب سہروردی تھے اور ان کے بھتیجے اور خلیفہ اکبر یعنی شیخ شہاب الدین عمر سہروردی اس سلسلہ کے بانی ثانی تھے [1] مذکورہ عبارت صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ شیخ ابو نجیب سہروردی سلسلہ میں اول ہیں اور انہوں نے سلسلہ کو قائم کیا لیکن اس سلسلہ کو چار سو پھیلانے اور فروغ دینے میں شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی کاوش اور سعادت ہے اور انہوں نے مشہور اپنی کتاب عوارف المعارف تحریر کی ہے اور اس کتاب میں اپنے مرشد شیخ ابوالنجیب کا جابجا تذکرہ کیا ہے اور یہ کتاب سلسلہ کے بانی ثانی ہونے کا بیّن ثبوت ہے لیکن سہروردیہ سلسلہ کے بانی اول شیخ ابوالنجیب سہروردی (متوفی ۵۶۳ھ) تھے [2] اور آپ کے بھتیجے شیخ شہاب الدین عمر سہروردی نے سلسلہ کی ترویج و اشاعت میں بڑی محنت کی۔ آپ کے خلفا جو ہند میں تشریف فرما ہوئے شیخ نوح بھکری، شیخ شہاب المعروف بہ شیخ جگجوت، شیخ مجد الدین حاجی، شیخ قاضی حمید الدین ناگوری، شیخ سخی سرور، شیخ ضیاء الدین رومی، شیخ نورالدین مبارک غزنوی، شیخ سید جلال الدین تبریزی اور شیخ بہاؤالدین ذکریا تھے۔ ہند میں سہروردیہ سلسلہ کو شیخ بہاؤالدین ذکریا سہروردی نے فروغ دینے اور خانقاہیں قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ہند میں اس سلسلہ کے بانی اشاعت و ترویج کے لحاظ سے شیخ بہاؤالدین ذکریا کو قرار دیا جاتا ہے۔ [3] ہند میں تو شیخ بہاؤالدین ذکریا کا بڑے بزرگ کی حیثیت سے نام آتا ہے اور شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کا نام سلسلہ کو فروغ دینے

---

[1] پروفیسر حامد علی خان۔ تذکرہ حضرت سخی سرور، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور۔ ۱۹۷۵ء، صفحہ ۶۶

[2] ایضاً۔ صفحہ ۶۶

[3] مولانا حامد علی خان، اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۸۰۴

میں ملتا ہے لیکن اس سلسلہ کے بانی اول کے متعلق کہ اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا حضرت شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی (متوفی ۵۶۳ھ)، حضرت شیخ الشیوخ کے چچا اور مرشد تھے۔ مکتب سہروردیہ کی داغ بیل بھی انہوں نے ڈالی اور پھر اس سلسلہ عالیہ کو حضرت شیخ الشیوخ کی سعی و کوشش سے فروغ نصیب ہوا۔ آج تک کسی نے شیخ ابوالنجیب اور شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی میں فرق روا نہیں رکھا اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔[1] اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بانی اول شیخ ابوالنجیب سہروردی تھے۔ اب دیکھا جائے کہ سہرورد کیا ہے اور کہاں واقع ہے۔

سہرورد

سہرورد کے نام سے سہروردیہ سلسلہ کی بنیاد پڑی اور اس نام سے مشہور ہوگیا۔ دراصل سہرورد ایک قصبہ تھا جو عراق و عجم کے اندر واقع تھا۔ سہرورد، چشت کی طرح ایک مقام کا نام ہے جو عراق + و عجم کے اندر ہمدان وزنجان کے درمیان واقع ہے۔

حضرت شہاب الدین ابو حفص عمر اور ان کے پیر شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبدالقاہر اور ان کے پیر شیخ وجیہ الدین سہرورد کے رہنے والے تھے۔ اسلئے ان کو سہروردی کہتے ہیں۔ [2] عراق کی بجائے ایران کا تذکرہ بھی ملتا ہے

---

[1] مولانا انور احمد خان فریدی، تذکرہ شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی، قصر الادب رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۵۷ء صفحہ ۵۱

+ عراق ایک ملک ہے جو ملک ترکی، ایران، سعودی عرب، کویت اور شام کے درمیان واقع ہے۔

[2] سید مصباح الدین عبدالرحمٰن۔ بزم صوفیہ، علامہ ابوالبرکات اکیڈمی، لاہور، لاہور، ۱۹۸۸ء، صفحہ ۸۹

ہے یعنی سہرورد شمالی و غربی ایران + کا مشہور مقام ہے جسے شیخ شہاب الدین عمر (متوفی ۶۳۲ھ)، شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبد القاہر (متوفی ۵۶۳ھ) اور شیخ شہاب الدین یحییٰ المعروف شیخ الاشراق و شیخِ مقتول (متوفی ۵۸۶ھ / ۱۱۹۱ء) کی وجہ سے دائمی شہرت حاصل ہوئی۔ یہ قصبہ سلطانیہ کے مغرب میں زنجان و ہمدان کی شاہراہ پر ہے۔ اول الذکر کے جنوب میں واقع ہے۔ تاتاریوں کی یلغار میں برباد ہوا۔ تاہم حمد اللہ مستو کے عہد (۱۴ ویں صدی) تک اسے کچھ حیثیت حاصل رہی۔ اب ناپید ہے۔[1] اور سہرورد ایران میں جبال کے قریب ایک مقام ہے۔[2] اور زنجان کے مضافات میں قصبہ سہرورد موجود تھا۔[3] سہرورد ایک قصبہ تھا جو اب دنیا میں موجود نہیں ہے۔ حالات کی ستم ظریفی سے اب یہ اپنا جسم ختم کر چکا ہے۔ مذکورہ مشائخ کی وجہ سے قصبہ سہرورد کو شہرت حاصل ہوئی اور ان کی مناسبت سے اطرافِ عالم میں سلسلہ سہروردیہ کا نام مشہور ہوا اور صحیح یہ ہے کہ اب سہرورد قصبہ کا مقام ایران ملک میں ہے۔ راقم جولائی ۱۹۹۳ء کو خود ایران ملک گیا تھا اور بہ نفسِ نفیس دیکھا اب قصبہ موجود نہیں ہے۔

سہروردیہ کی وجہ تسمیہ بیان کرنے کے بعد سہروردیہ سلسلہ کے شجرہ کو دیکھا جائے کہ شجرہ نامہ کس کے ساتھ ملتا ہے۔

+ایران ایک ملک ہے جو پاکستان کے ساتھ شمال مغرب میں واقع ہے۔ عراق و ایران دونوں مسلم ملک ہیں۔ عراق کی آبادی ۱۹۸۴ء کی مردم شماری کے مطابق ایک کروڑ پچاس لاکھ ہے۔

[1] مولانا حامد علی خان، اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۸۰۳

[2] سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شہباز بک فاؤنڈیشن، کراچی ۱۹۸۹ء ص ۹۲۵

[3] شیخ شہاب الدین عمر سہروردی۔ عوارف المعارف، اردو ترجمہ، شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۰۳

شجرہ نامہ

سہروردیہ سلسلہ کا شجرہ نامہ جو حضرت علی سے شروع ہو کر شیخ بہاؤالدین ذکریا پر ختم ہوتا ہے اس کو مندرجہ ذیل ملاحظہ کریں۔

نمبر شمار	بزرگ کا نام	سال وفات	مقام وفات	ملک
۱	خلیفۃ الرسول ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ	رمضان المبارک ۴۰ھ	نجف اشرف	عراق
۲	حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ	ربیع الاول ۱۱۰ھ	بقیع مدینہ منورہ	سعودی عرب
۳	حضرت خواجہ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ	ربیع الثانی ۱۵۶ھ	بصرہ	عراق
۴	حضرت خواجہ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ	ربیع الثانی ۱۶۵ھ	بغداد	عراق
۵	حضرت ابو محفوظ معروف کرخی اللہ	محرم ۲۰۰ھ	بغداد	عراق
۶	حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ	رمضان ۲۵۳ھ	بغداد	عراق
۷	حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ	رجب ۲۹۷ھ	بغداد	عراق
۸	حضرت ممشاد دینوری رحمۃ اللہ	محرم ۲۹۹ھ	بغداد	عراق
۹	حضرت احمد اسود دینوری رحمۃ اللہ	ذی الحجہ ۳۴۰ھ	سمرقند	روس
۱۰	حضرت ابو محمد عمویہ رحمۃ اللہ	رجب ۳۷۳ھ	سمرقند	روس
۱۱	حضرت قاضی وجیہ الدین رحمۃ اللہ	۴۶۲ھ	بغداد	عراق
۱۲	حضرت ضیاء الدین ابو النجیب	۵۶۳ھ	بغداد	عراق
۱۳	حضرت شہاب الدین عمر سہروردی	یکم محرم ۶۳۲ھ	بغداد	عراق
۱۴	حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی	۶۶۵ھ	ملتان	پاکستان

ان تمام شہادتوں میں سب سے معتبر اور وقیع تر آپ کا شجرہ مبارکہ یا کرسی نامہ ہے اور اس میں کوئی آج تک تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔[1] مذکورہ بالا شجرہ نامہ کو پروفیسر حامد خان حامد نے تحریر کیا ہے اور حضرت سخی سرور کو

---

[1] شیخ شہاب الدین عمر سہروردی۔ عوارف المعارف، مقدمہ، اردو ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۰۴۔۱۰۵

حضرت شہاب الدین کے بعد تحریر کیا ہے۔[1] جو حضرت بہاؤالدین ذکریا کے پیر بھائی اور حضرت شہاب الدین عمر سہروردی کے خلیفہ تھے۔ بعض اوقات مغالطہ ہوتا ہے کہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کا نسب نامہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا تھا۔ دراصل جب شجرہ نامہ یا کرسی نامہ کہا جاتا ہے تو اس وقت شجرہ نامہ یا کرسی نامہ سے روحانی سلسلہ اور بیعت مراد ہوتی ہے لیکن نسب نامہ سے خونی رشتہ، نسل در نسل مراد ہوتی ہے۔ عموماً اس بات کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا جس کی بناء پر خدشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کا روحانی سلسلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے اور نسلی رشتہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی آپکی اولاد میں سے تھے[2] سہروردیہ شجرہ نامہ کے بعد اس سلسلہ کی اہم اور نامور شخصیات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اہم شخصیات

سہروردیہ سلسلہ کی اہم شخصیات ان کے نام و نسب، دینی و روحانی کاوش اور علم و فضل کے حوالے سے جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس زیر نظر باب میں دنیائے معرفت میں سلسلۂ سہروردیہ کی نامور شخصیات کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

---

[1] پروفیسر حامد خان حامد۔ تذکرہ حضرت سخی سرور، محکمہ اوقاف، پنجاب، لاہور، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۵۶

[2] شیخ شہاب الدین عمر سہروردی، عوارف المعارف، مقدمہ، اردو ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۰۳

۱۔ شیخ ابوالنجیب سہروردی

آپ کا نام عبدالقاہر ہے۔ ضیاء الدین اور ابوالنجیب آپ کا لقب ہے۔ مملکت ایران کا ایک سہرورد قصبہ ہے آپ اس قصبہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خونی رشتہ نسل در نسل چل کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے اور درمیان میں بارہ واسطے ہیں[1] آپ نے دو عظیم شخصیات سے روحانی فیض و برکات حاصل کئے تھے ان میں ایک حضرت شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۵۷۰ھ) ہیں اور دوسرے حضرت شیخ وجیہہ الدین ہیں جو رشتہ میں آپ کے چچا ہوتے ہیں اور بیعت و خلافت اپنے چچا شیخ وجیہہ الدین سے حاصل کی۔ یہ دونوں بزرگ قصبہ سہرورد کے رہنے والے تھے آپ کو شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبت بابرکت کی باریابی رہی ہے۔ آپ علوم ظاہری اور باطنی میں کامل تھے۔ آپ کے اساتذہ کرام میں شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت امام بیہقی، حضرت ابوالقاسم قشیری، حضرت قطب بغدادی، حضرت اسعد میہنی اور حضرت احمد غزالی تھے[2] آپ بغداد میں علوم کی ترویج و اشاعت کے لئے کام انجام دیتے رہے اور ایک وقت آیا کہ درس و تدریس کا سلسلہ ترک فرمادیا اور مجاہدات کرنا شروع فرمائے اور فقراء کے پاس جانا اور ان کی محافل میں بیٹھنا شروع کر دیا، اور اس کے بعد آپ کا فیض عوام، علماء اور حکماء سب کے لئے برابر تھا۔ بعض مقتدر افراد یہاں تک کہ خلیفہ وقت تک آپ کے معتقد تھے۔[3] جب آپ دارِ فانی سے رخصت ہوئے اس وقت آپ کی عمر ۷۳ برس تھی اور وفات کا سن ۵۶۳ھ

---

[1] شہزادہ داراشکوہ قادری۔ سفینۃ الاولیاء، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۶ء، صفحہ ۱۳۹

[2] سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شاہکار بک فونڈیشن، کراچی، ۱۹۸۹ء، ص ۹۶۵

[3] ایضاً

ہے۔ آپ کا مزار مقدس بغداد میں واقع ہے۔ اس کے بعد اس سلسلہ کے صاحب عوارف المعارف شیخ شہاب الدین عمر سہروردی جو آپ کے خلیفہ تھے ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۲- شیخ شہاب الدین عمر سہروردی

آپ کا نام شہاب الدین تھا۔ قصبہ سہرورد کے رہنے والے تھے۔ آپ اوائل ماہ شعبان ۵۳۹ھ چھٹی صدی ہجری میں دارِ فانی میں جلوہ گر ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب ۱۳ واسطوں سے خلیفہ الرسول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس طرح ملتا ہے کہ شیخ شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبد البکری المعروف بہ شیخ عمویہ ابن سعد بن حسین بن قاسم بن سعد بن نصر بن عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ یہ نسب نامہ حضرت ابو النجیب سہروردی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور طبقاتِ شافعیہ کے مصنف امام سبکی نے بھی اسی نسب نامہ کو ترجیح دی ہے اور اس حوالے سے یہی درست ہے۔ [1] امام سبکی شافعی مذہب کے پیروکار اور شہاب الدین عمر سہروردی بھی شافعی اور دونوں بزرگ ہمعصر ہیں۔ آپ کے استادوں میں شیخ ابو النجیب سہروردی اور شیخ عبدالقادر جیلانی ہیں۔ ان دونوں بزرگوں سے روحانیت کی تعلیم بھی حاصل کی۔ شیخ عبدالقادر جیلانی قادریہ سلسلہ کے بانی اور ابو النجیب سہروردی سلسلہ کے بانی اور ان کے فاضل خلیفہ سرخیل سلسلہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی اور خواجہ معین الدین چشتی سرخیل سلسلہ چشتیہ ایک وقت میں بغداد کے اندر ایک خانقاہ میں موجود رہے ہیں۔ [2] ملاقات

[1] شیخ شہاب الدین عمر سہروردی 'عوارف المعارف 'مقدمہ 'اردو ترجمہ شمس بریلوی' مدینہ پبلیشنگ کمپنی 'کراچی '۱۹۸۹ء 'صفحہ ۱۰۳

[2] حاجی رومی۔ رسالہ رومی 'حبیب المطابع، الہ آباد، بھارت، سن ندارد، صفحہ ۲۹

آپس میں روحانی محافل اور محبت میں پیش پیش تھے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کا ان دونوں راہ سلوک کا ابتدائی دور تھا اور بغداد میں (شیخ عبدالقادر) کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے ہیں۔ [1] شیخ شہاب الدین عمر سہروردی نے عبادت و ریاضت میں اعلیٰ مقام پیدا فرمایا اور آپ کعبۃ اللہ کی زیارت کی سعادت کے لئے کئی مرتبہ تشریف لے گئے اور حج فرمایا۔ شریعت مطاہرہ کا ہر وقت خیال رکھتے تھے بلکہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سب سے زیادہ راسخ الاعتقاد صوفیوں کے نمائندے تسلیم کئے جاتے ہیں [2] آپ کے شجرہ مبارکہ کے متعلق شاہ ولی اللہ نے تحریر کیا ہے کہ شہاب الدین سہروردی نے تلقین پائی اپنے چچا ابو النجیب سہروردی سے۔ انہوں نے شیخ احمد غزالی سے انہوں نے ابوبکر نساج سے انہوں نے شیخ ابو القاسم گوگانی سے انہوں نے شیخ ابو عثمان مغربی سے انہوں نے ابو علیر ودباری سے۔ انہوں نے ابو القاسم جنید بغدادی سے۔ نفحات میں فرغانی سے نقل ہے کہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے نسبت خرقہ ابو القاسم جنید بغدادی تک ہے آگے نہیں کی اور جنید سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک صحبت سے نسبت دی ہے۔ خرقہ سے نہیں دی مگر شیخ مجد الدین بغدادی نے کتاب تحفۃ البررہ میں لکھا ہے کہ نسبت خرقہ متصل ہے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک' حدیث درست متصل مفیض سے انتہا میں کہتا ہوں حق وہی ہے جو سہروردی (مجد الدین) نے کہا ہے [3] تذکرہ حضرت سخی سرور میں پروفیسر حامد خان حامد نے اور مقدمہ عوارف المعارف میں شمس بریلوی نے شیخ

[1] عبدالرحمٰن شوق۔ سوانح عمری خواجہ معین الدین چشتی' ملک دین محمد اینڈ سنز' لاہور' سن ندارد' صفحہ ۱۴

[2] سید قاسم محمود' اسلامی انسائیکلو پیڈیا' شہکار بک فاؤنڈیشن' کراچی ۱۹۸۹ء' ص ۹۶۵

[3] شاہ ولی اللہ۔ انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ۔ آرمی برقی پریس' دہلی' سن ندارد' صفحہ ۱۰۲

شہاب الدین سہروردی کے شجرہ مبارکہ کے متعلق تحریر کیا ہے کہ آپ کا شجرہ مبارکہ تیرہ واسطوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے[1] اس وقت کے شیوخ کی رائے شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے متعلق بہترین تھی۔ جیسا کہ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اے عمر! (شہاب الدین) تم عراق کے آخری مشہور انسان ہو[2] اس کے علاوہ حضرت رکن الدین علاء الدین ہمدانی فرماتے ہیں کہ احباب نے شیخ سعد محمد بن حمویہ سے پوچھا آپ نے شیخ عبدالقادر جیلانی کو کیسا پایا؟ فرمایا۔ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر جس کا کوئی کنارا نہیں۔ پھر کہا شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردی) سے متعلق کیا رائے ہے۔ فرمایا۔ متابعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا نور سہروردی کی پیشانی پر چمک رہا ہے[3] آپ نے روحانی تعلیم و تربیت حضرت ابوالنجیب سہروردی سے حاصل کی تھی اور آپ حضرت ابوالنجیب سہروردی سے بیعت تھے اور خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔[4] آپ کی کئی تصانیف ہیں جن میں پہلے عوارف المعارف اور النصائح الایمانیہ و کشف القصائح الیونانیہ زیادہ مشہور ہیں۔ ان کتابوں کا موضوع زیادہ تر علم اخلاق اور عملی تصوف ہے۔ آپ نے ۹۳ سال کی طویل عمر پائی۔ عباسی خلیفہ امیر المسلمین المستنصر باللہ کا عہدِ خلافت تھا۔ جب آپ بغداد میں ۶۳۲ھ / ۱۲۳۴ء کو دارِ فانی سے دارِ جاودانی میں منتقل ہو گئے۔ آپ کے

---

[1] پروفیسر حامد خان حامد۔ تذکرہ حضرت سخی سرور' محکمہ اوقاف پنجاب' لاہور ۱۹۷۵ء' صفحہ ۵۶

[2] شہاب الدین سہروردی۔ عوارف المعارف' مقدمہ' اردو' ترجمہ شمس بریلوی' مدینہ پبلیشنگ کمپنی' کراچی ۱۹۸۹ء' صفحہ ۱۰۴

[3] ایضاً۔ صفحہ ۱۰۵

[4] پروفیسر حامد خان حامد' تذکرہ حضرت سخی سرور' محکمہ اوقات پنجاب' لاہور' ۱۹۷۵ء' ص ۸۶

خصائص اور عادات و اطوار کے متعلق تذکرہ کرنا بھی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ آپ قرآن حکیم سے بڑا شغف رکھتے اور قرآن حکیم تواتر سے پڑھتے تھے۔ اس وقت صوفیا کرام میں سے بعض سماع بھی سماعت کرتے تھے لیکن آپ کو سماع سے کوئی دلچسپی نہ تھی جیسا کہ خواجہ نظام الدین اولیاء نے بیان کیا ہے کہ "سخن در استغراق شغل شیخ شہاب الدین افتاد فرمود کہ وقتی شیخ اوحد کرمانی بر شیخ شہاب الدین آمد۔ شیخ مصلائے خود بہ پیچیدہ و زیر زانو نہاد و ایں معنی نزدیک مشائخ غایت تعظیم داشتہ باشد۔ الغرض چوں شب در آمد شیخ اوحد سماع طلبید۔ شیخ شہاب الدین قوالاں را طلب فرمود و مقام سماع مرتب کرد۔ و خود بگوشہ رفت و بطاعت و ذکر مشغول گشت۔ شیخ اوحد آنہا کہ اہل سماع بودند بسماع مشغول شدند۔ چوں بامداد شد خادم خانقاہ بخدمت شیخ شہاب الدین امد و گفت کہ شب را سماع بود۔ ہر آئینہ آں جماعت را نہاری باید۔ شیخ فرمود۔ شب را سماع بود؟ خادم کہ گفت بود شیخ گفت من خبر ندارم۔ (ترجمہ) شیخ شہاب الدین کے نفل کے استغراق کی بات کی ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ شیخ اوحد کرمانی شیخ شہاب الدین کے پاس گئے۔ شیخ نے اپنا مصلیٰ لپیٹا اور اپنے گھٹنے کے نیچے رکھ لیا اور یہ بات مشائخ کے نزدیک بہت تعظیم کی ہوتی ہے۔ الغرض جب رات ہوئی شیخ اوحد نے سماع کی فرمائش کی۔ شیخ شہاب الدین نے قوالوں کو بلایا اور سماع کی جگہ آراستہ کی اور خود ایک کونے میں چلے گئے اور طاعت و ذکر میں مشغول ہو گئے۔ شیخ اوحد اور وہ لوگ جو اہل سماع تھے' سماع میں مشغول ہو گئے۔ جب صبح ہوئی تو خانقاہ کا خادم شیخ شہاب الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ رات کو سماع تھا لہٰذا اس جماعت کے لئے ناشتہ ہونا چاہئے۔ شیخ نے دریافت کیا کہ رات کو سماع تھا خادم نے عرض کیا جی ہاں رات کو سماع تھا۔ شیخ نے فرمایا کہ مجھے خبر نہیں ہوئی۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو سماع کی طرف کوئی رغبت نہ تھی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن حکیم کی زیادہ تلاوت کرتے تھے اور قرآن و ذکر میں محو

استغراق کی کیفیت میں رہتے تھے۔ محویت کی وجہ سے آپ کو ارد گرد کی خبر نہ رہتی تھی لیکن یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ آپ بزرگوں کا احترام کرتے ان کی فرمائش کو پورا کرتے تھے۔ آپ کو قوالی کی طرف رغبت نہ تھی اس کے باوجود احترام بزرگ میں قوالی کا اہتمام فرمایا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قوالی کی طرف رغبت نہ تھی لیکن مباح جانتے تھے۔ آپ کے متعلق یہ جملہ مشہور ہے کہ بر ہمتی در بغر ممکن است شہاب الدین۔[1] دادہ اند الاذوق سماع (ترجمہ) یعنی شیخ شہاب الدین کو اللہ تعالیٰ نے ہر ممکن نعمت عطا فرمائی لیکن سماع کا ذوق نہیں رکھتے تھے۔[2]

شیخ شہاب الدین عمر سہروردی اپنے مرشد شیخ ابوالنجیب سہروردی کی وفات کے بعد بغداد شہر میں مسند ارشاد پر متمکن ہوئے اور اس وقت آپ کی خدمت میں لاکھوں بندگانِ خدا حاضر ہونا شروع ہوئے جن کو آپ تبلیغ و ارشادات سے نوازتے اور آپ اپنے زمانہ کی بڑی مؤثر شخصیت تھے۔ اور اپنے شاگردوں کو عالم اسلام کے دور دراز علاقوں میں بھیجا۔ جہاں خلائق کی راہنمائی کا کام ہوتا رہا۔ اس سلسلہ کے جلیل القدر بزرگوں نے خراساں (بغداد) سے نکل کر مصر، افریقہ، پاک و ہند میں اپنی خانقاہیں قائم کیں۔[3] شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلفا بڑے مشہور بھی ہوئے ان میں ایک شیخ نورالدین مبارک غزنوی تھے جنہوں نے دہلی، شمالی ہندوستان میں سلسلہ

1. خواجہ نظام الدین اولیا۔ فوائد الفواد، اردو ترجمہ خواجہ حسن نظامی ثانی، اردو اکادمی، دہلی، بھارت، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۹۸
2. پروفیسر حامد علی خان حامد۔ تذکرہ حضرت سخی سرور، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور ۱۹۷۵ء، صفحہ ۸۷
3. غلام سرور لاہوری۔ خزینۃ الاصفیاء، اردو ترجمہ، اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ، لاہور، ۱۹۹۰ء، صفحہ ۲۳۱

سہروردیہ کو بہت فروغ دیا۔ شیخ ضیاء الدین رومی اور شیخ محمد یحییٰ بھی مشہور ہوئے اور شیخ جلال الدین تبریزی نے سلسلہ کو بنگال میں پہنچایا اور شیخ سعدی شیرازی ایران میں رہے اور پاکستان ملتان میں بہاؤالدین ذکریا اور ڈیرہ غازی خان میں حضرت سخی سرور تشریف لائے اور سندھ میں بھکر کے مقام پر شیخ نوح بھکری پہنچے اور شیخ نجیب الدین برغش نے عجم میں سلسلہ کی بڑی اشاعت کی اور ہند کی سرزمین بہار میں شیخ شہاب بمعروف جگجوت نے سلسلہ کو پہنچایا۔ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی خوبیوں میں ایک یہ تھی کہ آپ مخلوق کے عیب کی طرف کبھی توجہ نہیں فرماتے تھے اور دل کھول کر سخاوت فرماتے تھے۔[1] آپ کے مریدین میں ایک صاحب شہرت شیخ سخی سرور تھے جو ہند ملتان میں تشریف فرما ہوئے۔

حضرت سخی سرور

گو کہ حضرت سخی سرور کا تذکرہ سلسلہ چشت، سلسلہ قادریہ اور سلسلہ سہروردیہ میں ملتا ہے جب حضرت بہاؤالدین ذکریا بغداد تشریف لے گئے تو ان سے پہلے حضرت سخی سرور حضرت شہاب الدین عمر سہروردی سے ملاقات و شرف بیعت کر چکے تھے اور انہوں نے روحانیت کے طور پر خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا۔[2] آپ کا نام سید احمد سلطان اور والد بزرگوار کا نام سید زین العابدین اور محترمہ والدہ کا نام عائشہ تھا۔ آپ کی پیدائش ملتان شہر کے ایک قصبہ شاہ کوٹ میں مطابق ۵۲۱ھ / ۱۱۲۷ء میں ہوئی۔ آپ بڑے

1. شیخ عبدالرحمٰن چشتی۔ مراۃ الاسرار، اردو ترجمہ کپتان واحد بخش سیال، بزم اتحاد المسلمین، لاہور ۱۴۱۲ء، صفحہ ۶۲۳
2. پروفیسر حامد علی خان حامد۔ تذکرہ سخی سرور، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۸۷

دریادل تھے جو کچھ آپ کے پاس آتا وہ راہِ خدا میں لٹا دیتے تھے یہاں تک کہ شادی میں جو جہیز آپ کو ملا وہ بھی آپ نے محتاجوں میں تقسیم کر دیا۔[1] اسی وجہ سے آپ سخی سرور کے نام سے مشہور ہوئے ہیں۔ اس لقب کی ایک دوسری وجہ تسمیہ یہ بھی ہے کہ آپ بڑے پایہ کے بزرگ تھے جو کوئی آپ کے پاس مراد لے کر آتا آپ کے پاس سے نامراد نہیں لوٹتا تھا۔ آپ کے فیوض و برکات اس قدر عام تھے کہ ہر شخص خواہ وہ کسی مذہب کا ہو ان سے بہرہ ور ہو سکتا تھا[2] آپ نے ابتدائی ظاہری تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی تھی اور تعلیم کو مزید حاصل کرنے کے لئے آپ لاہور تشریف لے گئے اور مولانا محمد اسحٰق لاہوری سے علوم ظاہری کی تکمیل کی۔ روحانیت کی تعلیم اپنے والد بزرگوار کے علاوہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے حاصل کی[3] جب آپ بغداد سے واپس تشریف لائے تو آپ کے عقد میں حاکم ملتان نے اپنی صاحبزادی دے دی جس کی وجہ سے حاسد اپنے حسد میں زیادہ تیز ہو گئے تھے۔ اس کے نتیجہ میں آپ کو آپ کے بھائی، بیٹے اور اہلیہ کو شہید کر دیا گیا۔ آپ کی شہادت شیخ محمد اکرام کے مطابق ۵۷۷ھ/۱۱۸۱ء[4] ہے جبکہ پروفیسر حامد خان حامد نے ۵۷۰ھ/۱۱۷۴ء یا ۵۷۷ھ ۱۱۸۱ء میں آپ کی شہادت تحریر کی ہے[5] اور

[1] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تذکرہ حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی، قصر الادب رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۵۷ء، صفحہ ۴۵

[2] پروفیسر حامد علی خان۔ تذکرہ حضرت سخی سرور، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور، ۱۹۷۵ء صفحہ ۱۱۱

[3] شیخ محمد اکرام۔ آبِ کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۸۲

[4] ایضاً صفحہ ۸۳

[5] پروفیسر حامد علی خان، تذکرہ حضرت سخی سرور، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور، ۱۹۷۵ء صفحہ ۱۰۱

مفتی غلام سرور لاہوری نے آپ کی شہادت کا سن ۵۷۷ھ/۱۱۸۱ء تحریر کیا ہے[1] سن شہادت میں اختلاف ہے۔ ان کتب میں تاریخی لحاظ سے بہتر اور سخی سرور کے قریب کتاب خزینۃ الاصفیا ہے اس بنیاد پر آپ کی شہادت کا سن ۵۷۷ھ/۱۱۸۱ء زیادہ صحیح ہے۔ وہاں کے مقامی لوگوں میں حضرت سخی سرور کا تذکرہ عام ہے اور مختلف روایات سے آپ کے متعلق ہر دور میں واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ اسی شہادت پر آپ زندہ ہیں ورنہ صوفی تذکرہ نگاروں نے آپ سے بڑی بے اعتنائی برتی ہے۔ آپ بڑے صاحب سطوت بزرگ تھے۔ مسلمانوں کے علاوہ ہندو بھی کثیر تعداد میں آپ کے عقیدت مند تھے۔ آپ کے ہندو معتقدوں کو سلطانی کہا جاتا ہے[2] آپ خانوادہ سادات سے ہیں اسی بناء پر آپ کا نسب نامہ چند واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے[3] اور وہ اس طرح ہے "سید احمد بن سید زین العابدین بن سید عمر بن سید عبداللطیف بن سید بہاؤالدین بن سید غیاث الدین بن سید بہاؤ الدین بن سید صلاح الدین بن سید زین العابدین بن سید عیسیٰ بن سید صالح بن سید عبدالغنی بن سید جلیل بن سید خیر الدین بن سید ضیاء الدین بن سید داؤد بن سید عبدالجلیل بن سید رومی بن سید اسماعیل بن سید امام جعفر صادق بن سید امام محمد باقر بن سید امام زین العابدین بن سید امام حسین بن سید علی کرم اللہ وجہہ اور اس طرح یہ بزرگ حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے بیعت ہونے کی بناء پر شجرۂ مبارکہ سے بھی ان کا سلسلہ سہروردیہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے اور وہ اس طرح ہے کہ حضرت سخی سرور سے حضرت

[1] مفتی غلام سرور لاہوری۔ خزینۃ الاصفیاء، مکتبہ نبویہ، لاہور، ۱۹۹۰ء، صفحہ ۱۹۳

[2] پروفیسر حامد علی خان۔ تذکرہ حضرت سخی سرور، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور، ۱۹۷۵ء صفحہ ۱۰۱

[3] علامہ عالم فقری، تذکرہ اولیاءِ پاکستان، جلد اول، شبیر برادرز، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۱۲۷

فقری

شہاب الدین سہروردی سے حضرت ابوالنجیب سہروردی سے حضرت وجیہہ الدین سہروردی سے حضرت احمد غزالی سے حضرت اسود احمد دینوری سے حضرت ممشاد دینوری سے حضرت مہبیرۃ البصر سے حضرت حذیفہ مرغشی سے حضرت ابراہیم بن ادھم سے حضرت فضیل بن عیاض سے حضرت عبدالواحد سے حضرت خواجہ حسن بصری سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [1] آپ کی ذات ہر فرد کے لئے نفع بخش تھی۔ ذکر واذکار میں بڑی محویت رہتی تھی۔ ڈیرہ غازی خان کے کوہِ سلیمان میں عبادت وریاضت میں مصروف رہتے تھے اور شہادت سے پہلے بھی نماز سے فارغ ہوئے تھے۔ ڈیرہ غازی خان میں بستی سخی سرور میں آپ کا مزار ہے۔ [2] راقم نے جولائی ۱۹۹۱ء میں حاضری دی۔ ڈیرہ غازی خان کے علاوہ ملتان کے مشرقی جانب مشہور مقام اوچ بھی سلسلہ سہروردیہ کا مرکز رہا ہے اس شہر میں حضرت مخدوم سید جلال الدین سرخ بخاری قیام فرما تھے اور آپ نے اس شہر میں بخاریاں محلے کی بنیاد رکھی تاکہ دین اسلام کی ترویج واشاعت کی جائے۔

حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری

آپ کی ولادت بخارا شہر ملک روس میں ۵۵۷ھ کو ہوئی۔ آپ کا نام سید جلال الدین تھا اور آپ کا لقب جلال سرخ تھا۔ جلال سرخ کی وجہ تسمیہ کچھ اس طرح ہے کہ آپ دورانِ سیاحت مشہد سے ہوتے ہوئے اصفہان تشریف فرما ہوئے وہاں لوگوں میں بڑا اشتیاق تھا کہ وہ آپ کی زیارت کریں اور جوق درجوق کثیر تعداد میں لوگ آپ کے پاس پہنچے۔ پورے علاقے میں مشہور ہو گیا تھا کہ ایک بزرگ سید آئے ہیں۔ اس علاقے کا اس وقت اسماعیل

[1] علامہ عالم فخری' تذکرہ اولیاء پاکستان' جلد اول' شیر برادرز' لاہور' ۱۹۸۷ء' ص ۱۲۹
[2] ایضاً صفحہ ۱۳۱

بادشاہ تھا۔ یہ اطلاع اس کو سمنان میں پہنچی اس سلطان نے آپ کو اپنے دربار میں بلایا۔ جب آپ تشریف لائے تو سلطان نے حضرت جلال الدین بخاری سے سید ہونے کی شہادت طلب کی۔ سید جلال الدین نے فرمایا یہ "بخارا" یعنی تنور آگ سے سرخ کیا جائے۔ جب بخارا سرخ ہو گیا تو آگ نکال لی گئی اور آپ تنور کے اندر تشریف لے جا کر اس میں بیٹھ گئے اور باحکم خدا آگ کی حرارت ٹھنڈی ہو گئی اور آپ کا ایک بال بھی بیکانہ ہوا۔ اس وقت سے آپ کو مخلوق خدا بخاری سرخ کہنے لگی اور سرخ آپ کے نام کا حصہ بن گیا[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی تحریر کیا ہے کہ آپ کو سید جلال الدین سرخ کہا جاتا ہے [2] آپ کے والد کا نام سید ابوالمؤید علی تھا اور آپ کی والدہ بادشاہ زادی تھیں اور بڑی شان وشوکت کی مالک تھیں۔ عالم فقری نے تحریر کیا ہے کہ آپ کی والدہ سلطان محمود بادشاہ توران (ایران) کی صاحبزادی تھی [3] مخدوم جہانیاں جہاں گشت مشہور بزرگ کے دادا تھے جو بخارا سے بھکر شہر سندھ میں تشریف لائے اور رشتہ داروں کے خلفشار اور کینہ پروروں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے بھکر سے ملتان تشریف لے گئے۔ ملتان میں شیخ بہاؤالدین ذکریا کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور خرقہ خلافت عطا ہوا اور مرشد نے سید جلال الدین سرخ بخاری کو اوچ جانے کی اجازت دی [4] اس مقام پر تبلیغ دین کی ضرورت کی وجہ سے یہ مقام بڑی اہمیت کا حامل تھا۔

[1] حاجی رومی۔ رسالہ رومی' حبیب المتابع' الہ آباد بھارت' سن ندارد' صفحہ ۲۹
[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی' اخبار الاخیار' مترجم مولانا محمد فاضل' مدینہ پبلیشنگ کمپنی' کراچی' سن ندارد صفحہ ۱۳۷
[3] عالم فقری۔ اولیاء اللہ' شبیر برادرز' لاہور' ۱۹۹۰ء' صفحہ ۲۴۴
[4] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تذکرہ حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی' قصر الادب' رائٹر کالونی' ملتان' ۱۹۵۷ء' صفحہ ۴۵

صوبے دار اسی مقام پر مقیم تھے۔ ان وجوہات کی بناء پر آپ اوچ تشریف لے گئے۔ مولانا نور احمد خان فریدی نے تحریر کیا ہے کہ سید جلال الدین بخاری حضرت زکریا ملتانی کے خلیفہ تھے۔ انہوں نے خطۂ اوچ میں سکونت اختیار کی اور متاہل ہوئے۔ ان کے تین لڑکے پیدا ہوئے ایک سید اکبر کبیر، دوسرے سید بہاؤالدین اور تیسرے سید محمد تھے۔ مزید تحریر کرتے ہیں کہ یہ حضرت کی وہ اولاد ہے جو بی بی فاطمہ اور بی بی زہرا کے بطن عفت سے تولد ہوئی تھی لیکن دو صاحبزادے سید علی اور سید جعفر شاہ بخارا کی صاحبزادی سے بخارا میں ہی پیدا ہو چکے تھے اور یہ دونوں صاحبزادے حضرت کے ساتھ ملتان تک آئے کافی عرصہ آپ کے ہاں مقیم رہے پھر واپس بخارا چلے گئے۔[1] آپ کا نسب نامہ چند واسطوں سے حضرت امام علی نقی سے جاملتا ہے اور وہ اس طرح ہے کہ سید جلال الدین سرخ بخاری بن سید ابوالموید بن سید جعفر بن سید محمد بن سید محمود بن سید احمد بن سید عبداللہ بن سید علی اصغر بن سید جعفر خانو بن امام علی نقی۔ آپ جب اوچ پہنچ کر قیام پذیر ہوئے وہ ۶۶۵ھ/ ۱۲۶۷ء تھا۔ اس شہر کا نام دیوگڑھ تھا اور یہاں کا راجہ دیو سنگھ تھا۔ وہ حضرت کے رعب سے بھاگ گیا تھا اور اس مقام کا نام اوچ ہو گیا۔ اوچ ایک قدیم تاریخی شہر ہے جہاں سکندر اعظم کے قدم پہنچے ہیں[2] غزنوی دور سے لے کر ناصرالدین قباچہ کے عہد ۶۰۷ھ/ ۱۲۱۰ء اس شہر کو بہت ترقی ہوئی[3] اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان حکمران ناصرالدین قباچہ

۱۔ مولانا نور احمد خان فریدی۔ تذکرہ حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۵۷ء، صفحہ ۱۸۴

۲۔ پروفیسر محمد ایوب قادری۔ تذکرہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، سعید ایچ کمپنی کراچی، ۱۹۷۵ء صفحہ ۵۲

۳۔ ایضا

تھا۔ وہ ملتان میں اپنا اقتدار رکھتا تھا اور اوچ بھی ملتان سے کچھ فاصلے پر تھا۔ قباچہ کے بعد سلطان شمس الدین التمش کی حکومت ان علاقوں پر تھی اس وجہ سے کسی راجہ کا اس علاقہ پر قابض ہونا قرین قیاس نہیں ہے۔ پروفیسر محمد ایوب قادری نے تحریر کیا ہے کہ کسی راجہ کا یہاں قابض ہونا بھی تاریخی حقائق کے خلاف ہے۔[1] یہ ہو سکتا ہے کہ اوچ کے علاقے پر مسلمان حکمران نے کسی ہندو راجہ کا تقرر کیا ہو۔ یہ شہر بہاولپور ضلع سے جنوب مغرب کی طرف اڑتیس میل کے فاصلے پر دریا پنجند کے سنگم پر آباد پاکستان میں واقع ہے۔ سید قاسم محمود کے مطابق اس شہر کا نام اونچے مقام پر ہونے کی وجہ سے اوچ رکھا گیا ہے[2] یہی موزوں معلوم ہوتا ہے۔ اوچ میں آپ نے محلہ بخاریاں کی بنیاد رکھنے کے علاوہ علم و فضل کی ترویج و اشاعت کے لئے مؤثر کوششیں فرمائیں۔ یہاں کے باشندے زیادہ تر ہندو تھے آپ کی سعی سے وہ اسلام کی طرف راغب ہوئے۔ مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے تحریر کیا ہے کہ متعدد افراد آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور حق تعالیٰ نے آپ پر خیر و برکت کے دروازے کھول دیئے۔ آپ کا مزار اوچ ہی میں ہے[3] آپ کی تبلیغی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے عالم فقری نے تفصیل فراہم کی ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں کہ اس بزرگ نے اوچ میں وارد ہونے کے بعد اقوام چدہر، ڈہر، سیال اور وارم میں اصلاح و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا اور ان کی کاوش سے مذکورہ قبائل مسلمان ہوئے۔ اس علاقہ کا ایک راجہ گھلو آپ کے

۱۔ پروفیسر محمد ایوب قادری۔ تذکرہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، سعید ایچ کمپنی کراچی، ۱۹۷۵ء صفحہ ۵۷

۲۔ سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی ۱۹۸۹ء، ص ۱۰۶

۳۔ مولانا عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، سن ندارد، صفحہ ۱۳۷

ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ آپ کو کھیل کود سے تعلق نہ تھا۔ آپ تعلیم کی طرف زیادہ رغبت رکھتے تھے۔ آپ کی پیدائش ۵۵۷ھ میں اور وفات ۶۵۲ھ میں ہوئی[۱]۔ مذکورہ تاریخ وفات شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تحریر کی ہے جبکہ مولانا نور احمد خان فریدی اور شیخ محمد اکرام نے ۶۹۰ھ/۱۲۹۱ء سن وفات تحریر کیا ہے[۲]۔ اس سے بیالیس سال کا فرق سامنے آتا ہے اور یہ اختلاف ہے۔ آپ کی سن وفات کو دیکھنے کیلئے پروفیسر محمد ایوب قادری کی تحقیق کو ملاحظہ کریں۔ آپ نے لکھا ہے کہ حضرت جلال سرخ اپنے مرشد شیخ الاسلام بہاؤالدین ذکریا ملتانی کے انتقال کے بعد کچھ دنوں اور ملتان میں رہے اور پھر اپنے مرشد زادے شیخ صدرالدین عارف (متوفی ۷۰۹ھ/۱۳۰۹ء) کی اجازت سے اوچ میں سکونت پذیر ہوئے اور حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی کا وصال ۶۶۵ھ/۱۲۶۷ء میں ہوا[۳]۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ جلال الدین سرخ بخاری اوچ میں آنا جانا حضرت بہاؤالدین ذکریا کے عہد میں رکھتے تھے اور مستقل سکونت آپ کے انتقال کے بعد اختیار کی۔ جو سن شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تحریر کیا ہے وہ سید جلال الدین سرخ بخاری کے وصال کا وہ محل نظر رکھنا مشکل ہے کیونکہ بہاؤالدین ذکریا کے سن وفات ۶۶۱ھ/۱۲۶۲ء کے بعد سید جلال الدین بقید حیات رہنے سے آپ کی وفات سن ۶۵۳ھ درست نہیں بلکہ صحیح سن وفات ۶۹۰ھ/۱۲۹۱ء ہے۔ اوچ علاقے کے یہ پہلے بزرگ تھے جو سہروردیہ

---

[۱] مولانا عبدالحق محدث دہلوی 'اخبار الاخیار' ترجمہ مولانا محمد فاضل 'مدینہ پبلشنگ کمپنی' کراچی' سن ندارد' صفحہ ۱۳۷ ☆آبِ کوثر نے تاریخ وفات ۱۲۹۱ء دی ہے اور تاریخ ملتان جلد اوّل میں ۶۹۰ھ تحریر کیا ہے۔

[۲] شیخ محمد اکرام۔ آبِ کوثر' ادارہ ثقافت اسلامیہ' لاہور' ۱۹۹۲ء' صفحہ ۲۷۷

[۳] پیر غلام دستگیر نامی۔ بزرگانِ لاہور' نوری بکڈپو' لاہور' ۱۹۶۶ء' صفحہ ۱۲۳

سلسلے کر اس علاقے میں تشریف فرما ہوئے۔ اس علاقے کے علاوہ لاہور کے علاقے کو دیکھیں تو وہاں جو پہلے بزرگ سہروردی جلوہ گر ہوئے وہ شیخ عبدالجلیل تھے۔ آپ قطب عالم چوہڑ شاہ بندگی کے لقب سے مشہور تھے۔

شیخ عبدالجلیل

آپ کا نسب نامہ چار واسطوں سے شیخ حمید الدین سلطان التارکین سے ملتا ہے۔ جو شیخ رکن عالم ملتانی کے خلیفہ تھے اور حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی سے فیضیاب تھے اور وہ اس طرح ہے۔ شیخ عبدالجلیل بن شیخ ابوالفتح بن شیخ عبدالعزیز بن شیخ عبدالجلیل بن شیخ شہاب الدین بن شیخ نورالدین بن حمید الدین سلطان التارکین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اجمعین[۱]

آپ کا سلسلہ ارادت اپنے والد بزرگوار ابوالفتح سے تھا جو سلسلۂ سہروردی کے بزرگ تھے۔ آپ نے قصبہ مبارک جو ضلع رحیم یار خان میں واقع ہے کو چھوڑا اور لاہور+ تشریف فرما ہوئے۔ راستے میں حضرت فریدالدین گنج شکر کے مزار پر بھی حاضری دی۔ روحانی فیوض وبرکات کے حصول کے بعد لاہور کی طرف گامزن ہوئے۔ لاہور پہنچنے کے بعد آپ کے ہاتھ پر کافی تعداد میں ہندو اسلام قبول کرتے ہیں۔ ان میں ایک رئیس جس کا نام راموں تھا اور وہ راجہ ہانڈو کا لڑکا تھا اس نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا اور آپ کا مرید ہوا تھا۔ اس طرح لاہور کے علاقے میں آپ نے اسلام کی تبلیغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ کی کرامات بھی مشہور ہیں۔ آپ صبح اور شام کتاب دلائل الاخیرات کا ورد فرماتے تھے اور جس پر آپ زیادہ مہربان

---

[۱] پیر غلام دستگیر نامی۔ بزرگانِ لاہور' نوری بکڈپو' لاہور' ۱۹۶۶ء' صفحہ ۱۲۳

+لاہور پاکستان کا مشہور شہر اور صوبائی دارالحکومت ہے۔ مسلمان حکمران محمود غزنوی نے ۴۱۲ھ میں لاہور اور شمالی ہند کے بعض علاقوں کو فتح کیا۔

ہوتے اسکو دلائل الخیرات زیادہ پڑھنے کیلئے حکم فرماتے۔ آپکی مجلس میں نامور اولیاء تشریف فرما ہوتے تھے مثلاً شیخ یونس، شیخ جلال، شیخ مولا خار، شیخ میٹھ، شیخ موسیٰ آہنگر، ملا قرآن، شیخ زین العابدین آپ کی خدمت میں حاضر رہتے تھی اور علمی محافل اور روحانی محافل کا انعقاد رہتا تھا۔ آپ کا سن وفات ۹۱۰ھ / ۱۵۰۴ء ہے۔ وقتِ غسل سلطان سکندر لودھی جو اس وقت لاہور میں تھا حاضر اور شریکِ غسل ہوا[1] اس بزرگ نے لاہور میں اشاعتِ دین کا فریضہ انجام دیا۔ اس طرح کشمیر میں سلسلہ سہروردیہ کے ایک بزرگ جو پہلے پہنچے وہ حضرت بلبل شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔

حضرت بلبل شاہ

کشمیر کا اس وقت حدود اربعہ موجودہ کشمیر کے رقبہ سے زیادہ تھا۔ ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر نے تحریر کیا ہے کہ اس زمانے کا کشمیر موجودہ وادی کے علاوہ سابق صوبہ سرحد اور متحدہ پنجاب کے بعض حصوں پر مشتمل تھا۔[2] کشمیر کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے شیخ عبدالرحمٰن چشتی تحریر کرتے ہیں کہ چونکہ میوہائے دل پسند اور گل ہائے رنگ برنگ سے آراستہ ہے اس لئے اسے کشمیر جنت نظیر کہا گیا ہے[3] کشمیر کا موجودہ رقبہ اور تقسیم کے متعلق سید قاسم محمود نے تحریر کیا ہے کہ رقبہ تقریباً ۸۴ ہزار مربع میل ہے۔ آبادی پچاس لاکھ سے زیادہ ہے۔ سرکاری نام جموں اور کشمیر ہے۔ اس وقت یہ دو حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک وہ حصہ جس پر بھارت کا قبضہ ہے مقبوضہ کشمیر

۱۔ پیر غلام دستگیر نامی۔ بزرگانِ لاہور 'نوری بکڈپو' لاہور '۱۹۶۶ء 'صفحہ ۱۲۳

۲۔ ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر۔ سید میر علی ہمدانی، گلشن پبلشرز، سری نگر کشمیر ۱۹۹۱ء ص ۱۲۳

۳۔ شیخ عبدالرحمٰن چشتی، مراۃ الاسرار ترجمہ کیپٹن واحد بخش سیال، بزمِ اتحاد المسلمین، لاہور، ۱۴۱۲ھ، صفحہ ۱۰۳۲

کہلاتا ہے اور اسی حصہ میں سرینگر اور جموں کے علاقے ہیں دوسرا حصہ آزاد کشمیر ہے جو ۱۹۴۸ء میں مجاہدین کشمیر نے ہندوستانی فوجوں سے آزاد کرالیا اور اس پر اپنی حکومت قائم کی[1] نیز یہ ریاست بھارت کے شمال مغرب اور پاکستان کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ شمال کی طرف ملک چین اور افغانستان ہے اور مشرق کی طرف تبت کی ریاست ہے۔ بعض حصوں میں سخت گرمی اور بعض حصوں میں سخت سردی پڑتی ہے اور میدان اور پہاڑی علاقے موجود ہیں۔ چاول اور گندم اور میوہ جات عام ہیں۔ دستکاری یہاں کی مشہور ہے۔ اس علاقے میں سہروردی سلسلہ کے پہلے بزرگ شیخ بلبل شاہ اور بلال شاہ بھی کہا جاتا ہے وہ پہنچے جن کا نام شرف الدین تھا اور حضرت شاہ نعمت اللہ فارسی کے مرید و خلیفہ تھے۔ جب آپ کشمیر تشریف لائے اس وقت بدھ مت کا پیروکار عالم راجہ رنچین دیو صاحبِ اقتدار تھا اور اپنے اعتقادات سے مطمئن نہ تھا۔ لوگوں سے نظریات دریافت کرتا رہتا تھا اور دینِ اسلام پر غور و فکر کرتا تھا۔ یہ زمانہ ۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء کا تھا۔ راجہ نے غور و فکر میں نیند نہ آنے کی وجہ سے فیصلہ کیا کہ صبح جو بزرگ نظر آئے اس کا دین قبول کرلیا جائے۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے تحریر کیا ہے کہ صبح کے وقت جس بزرگ پر اس کی نظر پڑی وہ حضرت بلبل شاہ تھے۔ ان کے ہاتھ پر راجہ نے اسلام قبول کیا اور اہل خانہ، امراء اور وزراء نے دعوت اسلام کو قبول کیا اور سب مسلمان ہوگئے[2] یہ پہلا کامیاب بزرگ تھا جس نے دین اسلام کو

۱۔ سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی ۱۹۸۹ء ص ۱۲۷۸
+ کشمیر۔ کش میر یا کشپ پیریتی یہ مواحد آدمی تھا اس کے نام سے کشمیر بنا اور مشہور ہوا۔ سہروردی سلسلہ کی ایک شاخ کبروی ہے اس کے بزرگ شیخ سید میر علی ہمدانی ۷۷۴ھ / ۱۳۷۲ئیں کشمیر دین اسلام کی تبلیغ کے لئے پہنچے آپ کے عقیدت مندوں کا کہنا ہے کہ میر علی ہمدانی کے نام سے کشمیر بنا ہے اور مشہور ہوا ہے۔

۲۔ غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۹۰ء صفحہ ۱۹۳

کشمیر میں پہنچایا اور سلسلہ سہروردی کو پہنچایا۔ اس راجہ کا نام آپ نے صدرالدین رکھا۔ کشمیر کا یہ پہلا مسلمان حکمران تھا۔ یہ بزرگ عبادت و ریاضت میں کمال رکھتے تھے۔ آپ فرماتے کہ میرے نزدیک سنت نبوی پر اقامت اور اطاعت ہزاروں سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ آپ کی وفات ۷۲۷ھ/۱۳۲۶ء کشمیر سرینگر میں ہوئی اور سلطان صدرالدین بھی ۷۲۷ھ/۱۳۲۶ء کو دنیا سے رخصت ہوئے۔ سرینگر کے محلے مہاراج گنج جو بازار ہے اور تجارتی مرکز ہے اس علاقے میں دریائے جہلم کے کنارے پر حضرت بلبل شاہ کا مزار ہے اور اس کے ساتھ ہی سلطان صدرالدین کا مزار ہے۔ عبدالمجید شاہ مکان ۱۰۷/اے، پیپلز ٹاؤن شاہ فیصل کالونی کراچی اور عمر ۶۸ سال ہے اور پی آئی اے سے ریٹائرڈ ہیں۔ یہ شہر سرینگر محلہ ڈلسن پار کے رہنے والے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ قبر چھوٹی سرخ اینٹ اور چونے کے پتھر سے بنی ہوئی خستہ حالت میں موجود ہے۔ اس وقت لوگوں کا اس مزار پر آنا اور جانا بہت کم ہے۔ آپ کے نام کی تختی مزار پر لگی ہوئی ہے، لنگر چلتا ہے اور مزار پر قرآن حکیم پڑھانے کا مدرسہ بھی موجود ہے۔

حضرت بلبل شاہ کشمیر میں پہنچے اور ان سے پہلے شاہ میر نامی سوات کا رہنے والا باشندہ مسلمان ۷۱۳ھ میں کشمیر میں پہنچ کر بادشاہ کی ملازمت اختیار کر چکا تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود معلوم ہوتا ہے کہ ہند کے تمام علاقوں کے بعد اس کشمیر کے علاقے میں مسلمان اور صوفیا کرام بہت بعد میں پہنچے ہیں۔ اس خطہ سے بہت پہلے دہلی میں بزرگ سہروردی سلسلہ کے تشریف فرما ہوئے ہیں۔ ان میں حضرت قاضی حمید الدین ناگوری سرفہرست ہیں۔

قاضی حمید الدین ناگوری

دہلی کے مشہور بزرگ ہیں۔ دہلی ملک بھارت کا مشہور شہر اور

دارالخلافہ کا نام ہے۔ دریائے جمنا کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ ۴۴۰ ہجری میں راجہ انگ پال ترنور نے اندریت کے نزدیک ڈلی شہر آباد کیا۔ اسی شہر کو آگے چل کر دہلی یا دلی کہا گیا ہے[1] دہلی ۶۰۸ھ/۱۲۱۱ء سے لے کر ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء تاحال کسی نہ کسی صورت میں دارالسلطنت رہا ہے۔ مسلمان بادشاہ معزالدین سام بمعروف شہاب الدین غوری (۶۰۲ھ) کے کماندار مسلمان قطب الدین ایبک نے دہلی کو فتح کیا تھا۔ اس شہر میں قاضی حمید الدین ناگوری سلسلہ سہروردیہ کو لے کر سلطان شمس الدین التمش (۶۳۳ھ/۱۲۳۶ء) کے دور میں دہلی تشریف لائے۔

ناگور: راجہ پتھورا نے اپنے ایک افسر کو گھوڑوں کو ٹھہرانے کے مقام تلاش کرنے کے لئے فریضہ سونپا۔ اس نے ناگور کی جگہ شہر بسایا اور اس کا نام "نوانگر" یعنی نیا شہر رکھا۔ سلطان شہاب الدین غوری (۶۰۲ھ) جب یہاں پہنچا اور راجہ پتھورا مارا گیا تو ان کی ترک فوجوں کے زمانہ میں یہ لفظ "ناگور" بن گیا[2] سلطان شہاب الدین غوری (۶۰۲ھ) کے ساتھ بخارا سے آپ کے والد ہندوستان تشریف لائے۔ آپ کے والد عالم فاضل تھے۔ سلطان نے آپ کے والد کو ناگور کا قاضی مقرر کیا اور والد کی وفات کے بعد آپ کو قاضی بنایا گیا اور تین سال تک آپ نے قاضی کے فرائض انجام دیئے اور پھر اس منصب کو چھوڑ کر بغداد تشریف لے گئے اور ایک سال حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی (۶۳۲ھ) کی خدمت میں رہے اور ان سے بیعت ہوئے اور خلافت عطا ہوئی۔[3] وہاں سے مدینہ منورہ تشریف لے

---

[1] سید قاسم محمود۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شہکار بک فونڈیشن، کراچی، ۱۹۸۷ء
[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، لاہور، سن ندارد، صفحہ ۵۹
[3] شیخ عبدالرحمن چشتی۔ مراۃالاسرار، ترجمہ کیپٹن واحد بخش سیال، بزم اتحاد المسلمین، لاہور، ۱۴۲۱ھ، صفحہ ۷۲۷

گئے۔ ایک سال وہاں قیام پذیر رہے اور وہاں سے مکہ معظمہ پہنچے اور ایک سال وہاں ٹھہرنے کے بعد ہندوستان واپس تشریف فرما ہوئے اور دہلی میں قیام کیا۔ اس وقت حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں موجود تھے۔ ان سے قیامِ بغداد ملاقات ہوئی تھی اور آپس میں بڑی محبت تھی۔ اس وجہ سے آخری وقت تک دہلی میں رہے۔ حضرت قطب الدین سے قریبی تعلق کی بنیاد پر خیال پیدا ہوتا ہے کہ آپ سلسلہ چشت سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ یقیناً آپ نے چشت سلسلہ سے روحانی فیض حاصل کیا ہے لیکن شیخ شہاب الدین عمر سہروردی (۶۳۲ھ) کے خلیفہ ہونے کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین سہروردی نے اپنے مکتوبات میں اس بات کو لکھا ہے کہ ہندوستان میں میرے خلفا میں سے قاضی حمیدالدین ناگوری بھی میرے ایک خلیفہ ہیں[1] آپ کا نام محمد تھا اور والد بزرگوار کا اسم گرامی عطاء اللہ محمود تھا۔ آپ نے تعلیم اپنے والد سے حاصل کی تھی۔ آپ کی طبیعت پر وجد و سماع غالب تھا۔ خصوصاً سماع کے آپ بڑے شائق تھے۔ سماع سے غزل و نعت اور قصائد مراد ہیں نہ کہ طبلہ اور سارنگی۔ اس وقت کے علماء کرام نے سلطان شمس الدین التمش کے سامنے شکایت کی۔ یہ شکایت کرنے والے علماء مفتی سعد الدین اور مفتی عماد تھے اور محضر منعقد کرنے کا بھی مطالبہ کیا تھا۔ قاضی حمیدالدین ناگوری نے التمش کو وہ محفل سماع یاد دلائی جس میں چالیس درویشوں کا اجتماع تھا اور مشائخ نے التمش کو سلطنت ہندوستان کی بشارت دی تھی۔[2] آپ کی ایک اور

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، لاہور، سن ندارد، صفحہ ۸۵

[2] شیخ نظام الدین اولیا۔ فوائد الفوائد، ترجمہ خواجہ حسن نظامی شامی، اردو اکیڈمی، دہلی، بھارت، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۸۶

سماعت سے متعلق بات جو دلچسپی میں مزید اضافہ کا باعث ہے وہ یہ کہ ایک بار دہلی میں خشک سالی کا دور تھا۔ اس وقت سلطان شمس الدین التمش نے حضرت حمید الدین ناگوری سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تاکہ بارش برسے۔ حضرت حمید الدین ناگوری نے اس وقت سماع منعقد کی اور بارانِ رحمت خوب برسی۔ اس محفل میں شیخ علی غازی، احمد نہروالی، بدرالدین سمرقندی، قطب الدین غزنوی، نظام الدین ابوالموید اور شیخ محمود موئنہ دوز جیسے بزرگ موجود تھے[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو سماع کا بہت شوق تھا۔ اس محفل میں بڑے بڑے بزرگ بھی شریک تھے۔ اس کی برکت سے نزولِ باران خوب ہوئی لیکن اس وقت کے علماء وہ سماع کو پسند نہ کرتے تھے۔ اور سماع کو روکنے کے لئے سعی کرتے تھے اس واقعہ سے اندازہ کریں حضرت رکن الدین سمرقندی وقت کے جید علما میں سے تھے ان کو معلوم ہوا سلطان شمس الدین التمش کے محل کے قریب ایک درویش کے مکان پر سماع میں حضرت حمید الدین ناگوری اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی موجود ہیں۔ اپنے ساتھ کچھ افراد کو لے کر اس گھر پر پہنچے اس کا پہلے سے حضرت حمید الدین ناگوری کو علم ہو گیا تھا انہوں نے صاحب خانہ سے فرمایا کہ تم چھت پر جاؤ۔ حضرت رکن الدین سمرقندی اجازت مانگیں گے تاکہ اجازت نہ ملے۔ اگر بغیر اجازت کے آگئے تو شریعت کے مطابق درست نہیں۔ مواخذہ کیا جائے گا۔ صاحب خانہ نے ایسا ہی کیا۔ مولانا رکن الدین سمرقندی آئے اجازت اندر آنے کی نہ ملی اور واپس تشریف لے گئے۔[2]

[1] شیخ نظام الدین اولیا۔ فوائد الفوائد، ترجمہ خواجہ حسن نظامی شامی، اردو اکیڈمی، دہلی، بھارت، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۱۳۹

[2] سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔ بزم صوفیہ، علامہ ابو البرکات اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۸ء، صفحہ ۸۶

آپ کسی قدغن کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ یہ بات بڑی عجیب ہے کہ حضرت حمید الدین ناگوری سہروردی ہوتے ہوئے محفل سماع منعقد کرتے تھے جبکہ سہروردیوں میں محفل سماع نہیں ہے۔ سماع کی مخالفت بھی نہیں کرتے اور سنتے بھی نہیں ہیں۔ حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی فرماتے ہیں کہ جس میں لہو ولعب ہو وہ سماع منکر ہے اور جو سماع شرائط و آداب کے ساتھ ہو وہ سماع مباح ہے[1] نیز مزید فرماتے ہیں کہ جو صوفیا گانا سنتے تھے میرے نزدیک اس سے اجتناب اور پرہیز بہتر ہے۔ سماع اس وقت قبول کیا جاسکتا ہے جب دل پاک ہو اور آنکھیں بند ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی اس شرط کو پورا کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی بددیانتی سے اور دلوں میں جو کچھ پوشیدہ اس سے آگاہ ہے یعنی دل پاک ہو اور آنکھ خیانت نہ کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے یہ پوشیدہ نہیں ہے[2] یعنی ان شرائط کے ساتھ کہ توجہ الیٰ اللہ ہو اور نفسانی خواہش ختم ہوں تو مضائقہ نہیں ہے۔ بہر صورت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی جو حضرت حمید الدین ناگوری کے مرشد ہیں ان کے عمل کو دیکھیں تو حضرت نظام الدین اولیا نے لکھا ہے کہ "ذکر شہاب الدین سہروردی افتاد کہ او سماع نشیدی۔ بر لفظ مبارک راند کہ شیخ نجم الدین کبریٰ گفتی کہ ہر نعمتی کہ در بشر ممکن است شیخ شہاب الدین را داند الاذوق سماع[3] یعنی حضرت شیخ شہاب الدین کا ذکر آیا کہ وہ سماع نہیں سنتے تھے زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ شیخ نجم الدین کبری فرماتے کہ ہر نعمت جو

۱۔ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی۔ عوارف المعارف، ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۳۲۲

۲۔ ایضاً صفحہ ۳۲۵

۳۔ شیخ نظام الدین اولیا۔ فوائد الفوائد، ترجمہ خواجہ حسن نظامی شامی، اردو اکیڈمی، دہلی، بھارت، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۹۶

آدمی میں ممکن ہے وہ شیخ شہاب الدین کو دی گئی سوائے ذوقِ سماع کے۔ یعنی سہروردی اپنے مرشد کی وجہ سے سماع نہیں سنتے کیونکہ ان کے مرشد نے سماع نہیں سنی۔ لیکن آپ کے ذوق سے سماع کی نفی نہیں ہوتی۔ حضرت حمید الدین ناگوری کو سماع کا شوق کیوں پیدا ہوا اس کی ایک وجہ آپ کی طبیعت کا اس طرف میلان ہے اور دوسرا حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے ساتھ رہے ہیں وہ سماع سنتے تھے اور سلسلہ چشتیہ کے مشہور بزرگ ہیں۔ ان کی محفل وصحبت نے آپ میں شوق سماع پیدا کیا ہے۔ حضرت حمید الدین ناگوری صاحب تصانیف بزرگ ہیں اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے تحریر کیا ہے کہ تصانیف میں سے "طوالع الشموس" آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء پر بحث کرتے ہوئے بڑی عجیب اور بہترین باتیں لکھی ہیں جو دل مومن پر اثر کرتی ہیں۔ آپ علوم شریعت اور طریقت کے حقائق پر مکمل دسترس رکھتے تھے[1] اس کے علاوہ آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف تھیں ایک رواحۃ الارواح اور حمیر دوامری لوائح ہے۔

آپ کا ایک لڑکا تھا جس کا نام ناصح الدین تھا اور آپ کی وفات ۶۴۳ھ میں سلطان علاؤالدین بن رکن الدین متوفی ۶۴۴ھ کے عہد میں دہلی میں واقع ہوئی۔ اور آپ کو وصیت کے مطابق حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے پاؤں کی طرف دفن کیا گیا۔ آپ نے لوگوں کو بہت کم مرید کیا ہے اور وہ تعداد میں صرف تین ہیں۔ ان تینوں میں شدت کے ساتھ لگاؤ تھا اور قبول کرنے کی روحانی استعداد موجود تھی۔ مرید ہونے کے بعد وہ بلند پایہ عارف اور کشف وکرامات ہوئے۔ اول شیخ احمد نہروالی، دوئم شیخ حسن رس تاب جن

۱۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلشنگ کمپنی، لاہور، سن ندارد، صفحہ ۸۵

کو بعض لوگ شاہی موئے تاب بھی کہتے ہیں اور تیسرے شیخ عین الدین قصاب تھے۔[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے آپ کی سن وفات ۶۲۵ھ تحریر کی ہے۔[2] جبکہ شیخ صباح الدین عبدالرحمٰن نے ۶۴۱ھ تحریر کیا ہے[3] اور شیخ عبدالرحمٰن چشتی نے سن وفات ۶۴۳ھ تحریر کیا ہے۔[4] معلوم ہوتا ہے کہ سن وفات میں اختلاف ہے۔ آپ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی وفات کے دس سال بعد فوت ہوئے ہیں اور خواجہ قطب الدین کی وفات کا سن ۶۳۳ھ ہے[5] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۶۳۳ھ کے دس سال بعد ۶۴۳ھ ہوتے ہیں۔ اس طرح شیخ عبدالرحمٰن چشتی نے سن وفات جو شیخ حمید الدین ناگوری کے متعلق ۶۴۳ھ لکھی ہے وہ صحیح ہے۔
اس کے علاوہ علاقہ بہار میں بھی سہروردی بزرگ دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے تشریف لے کر گئے ہیں۔ پہلے سہروردی بزرگ حضرت سید شہاب الدین بمعروف شیخ جگجوت بہار پہنچے ہیں۔

سید شہاب الدین بمعروف جگجوت

آپ کا اسم گرامی شہاب الدین ہے اور ہندی میں آپ کو جگجوت کے

۱۔ شیخ عبدالرحمٰن چشتی۔ مراۃ الاسرار، ترجمہ کیپٹن واحد بخش سیال، بزم اتحاد المسلمین، لاہور، ۱۴۲۱ھ، صفحہ ۷۲۹
۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلشنگ کمپنی، لاہور، سن ندارد، صفحہ ۸۵
۳۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔ بزم صوفیہ، علامہ ابو البرکات اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۸ء، صفحہ ۸۶
۴۔ شیخ عبدالرحمٰن چشتی۔ مراۃ الاسرار، ترجمہ کیپٹن واحد بخش سیال، بزم اتحاد المسلمین، لاہور، ۱۴۲۱ھ، صفحہ ۷۲۹
۵۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلشنگ کمپنی، لاہور، سن ندارد، صفحہ ۵۹

نام سے یاد کیا جاتا ہے اور بزرگ ہونے کی وجہ سے عوام الناس کو اسلام کی روشنی سے منور کیا اس روشنی کی وجہ سے آپ کو ہند میں جگجوت کے نام سے مشہور کیا گیا۔ آپ کے والد کا نام سلطان محمد تاج تھا۔ شیخ شہاب الدین جگجوت کی صاحبزادیوں کی تعداد چار تھی۔ ان میں ایک کا نام رضیہ تھا۔ یہ مخدوم احمد یحییٰ منیری سے منسوب تھیں۔ ان سے بہار کے مشہور بزرگ حضرت شرف الدین یحییٰ منیری بہاری متولد ہوئے۔ اسی بناء پر شیخ محمد اکرام نے تحریر کیا ہے کہ بہار کے مشہور صوفی شیخ شرف الدین یحییٰ منیری ان کے حقیقی نواسے تھے۔[1] یعنی شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے حضرت شہاب الدین جگجوت حقیقی نانا تھے۔ آپ بہت اوائل میں بہار تشریف فرما ہوئے تھے۔

بہار: بھارت کا ایک مشہور شہر اور اسی نام کا ایک صوبہ "بہار" ہے۔ اس کے مغرب میں اتر پردیش اور مدھیہ پردیش، شمال میں نیپال، مشرق میں بنگال اور بنگلہ دیش اور جنوب میں اڑیسہ واقع ہیں۔ بہار اشوک سلطنت کا مرکز تھا۔ عام طور پر اس کو گلشن ہند کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ عہد قدیم میں بہار بدھ مت کا گہوارہ تھا۔ ۵۸۹ھ / ۱۱۹۰ء میں اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی نے ہند کو فتح کیا۔ یہ قطب الدین ایبک کا کمانڈر تھا۔ اب آبادی تقریباً ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ یہ شہر اسلامی دور میں علمی اور ثقافتی لحاظ سے ایک مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس صوبہ میں شدت سے گرمی اور جاڑا اعتدال سے پڑتا ہے[2] شہر بہار اور شہر پٹنہ کے درمیان میں ایک قصبہ جٹھلی موجود ہے۔ اس قصبہ میں دریائے گنگا کے کنارے حضرت شہاب الدین

۱۔ شیخ محمد اکرم، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۵۷
۲۔ سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شہکار بک فونڈیشن، کراچی، ۱۹۸۷ء ص ۳۸۹

جگجوت کی قبر ہے۔ شہادت ہے جناب سید قیام الدین کی جن کی عمر ۵۲ سال اور مکان نمبر ۴۲۴۴‘ بلاک ۱۴ فیڈرل بی ایریا نصیر آباد کراچی اور بہار شہر میں ان کا پتہ خانقاہ سعیدیہ قادریہ محلہ مغل پورہ پٹنہ سٹی بھارت ہے۔ مئی ۱۹۸۹ء میں شیخ شہاب الدین جگجوت کی قبر ملاحظہ کی۔ کھلے آسمان کے نیچے چکنی مٹی سے بنے ہوئے چبوترے پر ایک فٹ اٹھی ہوئی قبر موجود ہے اور وہ بھی چکنی مٹی کی بنائی گئی ہے۔ جناب سید قیام الدین فردوسی اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں اور ان کا نسب نامہ راقم نے خود ملاحظہ کیا ہے اور ان سے طویل ملاقاتیں بھی رہی ہیں۔ شیخ شہاب الدین جگجوت مقامی فرد نہ تھے بلکہ ہندوستان کے باہر سے تشریف فرما ہوئے تھے۔ آپ ملک روس کے شہر کاشغر سے بغداد تشریف لے کر گئے اور وہاں شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے بیعت ہوئے اور خلافت حاصل کی جبکہ حکیم شاہ محمد شعیب پھلواری نے تحریر کیا ہے کہ ہندوستان میں آنے سے پہلے ایک مدت تک طلب حق کی غرض سے حضرت شیخ نجم الدین کبری کی خدمت میں حاضر رہے۔ بیعت کی اور تکمیل سلوک کے بعد اجازت خلافت سے فیضیاب ہوئے[1] یعنی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ شیخ نجم الدین کبری سے بیعت و خلافت حاصل کی تھی لیکن تاریخ سے اس کی شہادت نہیں ملتی اور نہ ہی جناب حکیم محمد شعیب پھلواری نے کسی کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ اس بات کو دیکھنے کے لئے آپ کس سلسلہ کے بزرگ ہیں تو عام مشہور یہی ہے کہ آپ سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ ہیں اور آپ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ ہند میں اپنے مرشد کی اجازت و حکم سے تشریف لائے۔ شیخ محمد اکرام کی تحقیق کے مطابق دیکھا جائے تو وہ لکھتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین عمر

[1] حکیم شاہ محمد شعیب پھلواری۔ اعیان وفن۔ مضمون تاریخ پھلواری، دار الاشاعت خانقاہ مجیدیہ، پھلوار شہر، پٹنہ، بھارت، ۱۹۴۷ء، صفحہ ۳۱۳

سہروردی کے ایک اور مرید شیخ شہاب معروف جگجوت تھے۔ وہ پورب چلے گئے اور پٹنہ (بہار) کے قریب قصبہ جٹھلی میں دفن ہوئے۔ بہار کے مشہور صوفی شیخ شریف الدین یحییٰ منیری ان کے حقیقی نواسے تھے[1] اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سہروردی بزرگ تھے نہ کہ کبروی اور یہی صحیح ہے۔ آپ خاندان سادات کے نور نظر تھے۔ آپ کا نسب نامہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے جاملتا ہے وہ اس طرح ہے کہ شیخ شہاب الدین جگجوت بن سلطان محمد تاج بن سلطان احمد بن سلطان ناصر الدین بن سلطان یوسف بن سلطان سید حسن بن سلطان سید قاسم بن سلطان سید موسیٰ بن سلطان سید حمزہ بن سلطان سید داؤد بن سلطان سید رکن الدین بن سید قطب الدین بن سید اسحاق بن سید اسماعیل بن سید امام جعفر صادق بن سید امام محمد باقر بن سید امام زین العابدین بن امام سید امام حسین علیہ السلام[2] اور آپ کا روحانی شجرہ حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے علاوہ آپ کی زوجہ محترمہ ملکہ بانو بھی حضرت شہاب الدین عمر سہروردی سے مرید تھیں۔ آپ ہند میں سلسلہ کے آغاز کرنے والے پہلے سہروردی بزرگ ہیں جیسا کہ سید شاہ محمد شمس الدین اپنے مضمون میں تحریر کرتے ہیں کہ آپ اور آپ کی زوجہ محترمہ ملکہ بانو شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی سے بیعت تھیں اور آپ کو خلافت بھی حضرت سہروردی سے ملی تھی۔ چنانچہ سلسلہ سہروردیہ کا آغاز بلاد ہند میں آپ ہی

[1] شیخ محمد اکرم، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۵۷
[2] حکیم شاہ محمد شعیب پھلواری۔ اعیان وفن۔ مضمون تاریخ پھلواری، دار الاشاعت خانقاہ مجیدیہ، پھلوار شہر، پٹنہ، بھارت، ۱۹۴۷ء، صفحہ ۳۱۳

سے ہوا تھا[1] آپ کی وفات کے متعلق اختلاف نہیں۔ آپ کی وفات حکیم شاہ محمد شعیب پھلواری[2]، سید شاہ محمد شمس الدین[3] اور شاہ مراد اللہ منیری[4] نے ۶۶۶ھ ہی تحریر کی ہے اور یہی صحیح ہے۔ آپ کی اولاد بلاد ہند میں جن علاقوں میں قیام پذیر ہوئی اور اب تک سلسلہ نسب باقی ہے ان کے متعلق سید شاہ محمد شعیب پھلواری نے تحریر کیا ہے کہ مخدوم شہاب الدین جگجوت قدس سرہ کا خاندان علمی و عرفانی حیثیت سے بہت ممتاز ہے۔ آپ کی اولاد صوبہ بہار اور ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں پھیلی ہوئی ہے[5] آپ کے متعلق تاریخ تصوف اور دیگر تاریخی کتب خاموش ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کے لوگوں اور محققین نے حضرت شیخ شہاب الدین معروف جگجوت کے متعلق کسر نفسی سے کام لیا ہے اور بڑی بے اعتنائی برتی ہے۔ اس وجہ سے آپ کے روحانی فیض کا سلسلہ اور علمی و دینی کاوشیں سامنے لانا بڑا مشکل اور دشوار کام ہے۔ بہر صورت سلسلہ سہروردیہ کے اوائل ہند میں آنے والے بزرگوں میں آپ سر فہرست سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ ہیں۔ اس بزرگ کے علاوہ ہند کی سرزمین بنگال کو دیکھیں تو اس

---

1. معین الحق۔ ماہنامہ بصائر، کراچی، جولائی و اکتوبر ۱۹۷۲ء، صفحہ ۸۔ مضمون سید شاہ محمد شمس الدین
2. حکیم شاہ محمد شعیب پھلواری۔ اعیان وفن۔ مضمون تاریخ پھلواری، دارالاشاعت خانقاہ مجیدیہ، پھلوار شہر، پٹنہ، بھارت، ۱۹۴۷ء، صفحہ ۳۱۳
3. معین الحق۔ ماہنامہ بصائر، کراچی، جولائی و اکتوبر ۱۹۷۲ء، صفحہ ۸۔ مضمون سید شاہ محمد شمس الدین
4. شاہ مراد اللہ منیری آثار منیر، مطبوعہ برقی پریس، پٹنہ، بھارت، ۱۹۴۸ء، ص ۱۰
5. حکیم شاہ محمد شعیب پھلواری۔ اعیان وفن۔ مضمون تاریخ پھلواری، دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ، پھلوار شہر، پٹنہ، بھارت، ۱۹۴۷ء، صفحہ ۳۱۳

سرزمین پر سلسلہ سہروردیہ کے پہلے بزرگ حضرت جلال الدین تبریزی ہیں۔

شیخ جلال الدین تبریزی

شیخ جلال الدین آپ کا اسم گرامی تھا اور آپ کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ آپ شیخ بدرالدین ابو سعید تبریزی کے مرید تھے۔ حضرت شیخ بدرالدین ابو سعید تبریزی کے انتقال کے بعد آپ تبریز سے بغداد تشریف لائے۔ تبریز ایران ملک کا مشہور شہر جس کی بنیاد ساسانی بادشاہ نے اور شریف کی مخالفت میں رکھی اور ایک روایت کے مطابق ہارون الرشید بادشاہ کی بیوی زبیدہ نے ۷۹۱ء میں تبریز کی بنیاد رکھی لیکن بلاذری اور ابن فقیہ کے نزدیک تبریز کی تعمیر جدید الرواد الازدی نے کرائی تھی[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کی بنیاد مسلم دور میں رکھی گئی اور اس کو باقی رکھنے والے بھی مسلمان ہی ہیں۔ اس شہر میں مسلسل زلزلے آتے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ شہر ۲۴۴ھ / ۸۵۸ء کو اور ۴۳۴ھ / ۱۰۴۲ء میں تباہ ہوا اور دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ اب تبریز کی آبادی ۱۹۷۴ء کے مطابق پانچ لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ اب یہ شہر قالین، خشک پھلوں، روئی اور چمڑے کی تجارت کی وجہ سے مشہور ہے[2] یہ شہر اب ایران میں روس کی ریاست آذربائجان اب آزاد کی سرحد کے قریب واقع ہے۔ اس شہر کے قریب میں ترکی ملک کی سرحد لگتی ہے۔ اس شہر میں حضرت جلال الدین تبریزی پیدا ہوئے اور اس شہر سے بغداد تشریف فرما ہوئے اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں سات سال رہے ہیں[3] آپ شیخ شہاب الدین سے بیعت ہوئے اور خرقہ خلافت عطا

---

1. سید قاسم محمود 'اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شہکار بک فونڈیشن، کراچی' ۱۹۸۷، ص '۴۷۰
2. ایضاً
3. حامد بن فضل اللہ جمالی 'سیر العارفین' ترجمہ محمد ایوب قادری 'اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۲۳۹

ہوئی۔ آپ ہر سال اپنے ثانی مرشد کے ہمراہ کعبہ تشریف لے جاتے، حج کرتے اور روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دیتے۔ حضرت شہاب الدین سہروردی سن رسیدہ ہو گئے تھے سفر کے دوران آپ خشک روٹی جو مسافر اپنے ساتھ رکھتے تھے وہ کھا نہیں سکتے تھے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کو تازہ کھانے کی اسی وجہ سے ضرورت رہتی تھی۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے شیخ جلال الدین تبریزی حاضر خدمت رہتے تھے اور انگیٹھی سر پر رکھتے اس طرح کہ سر کو آگ نقصان نہ پہنچائے اور شیخ کے ساتھ پیدل چلتے۔ ہر آدمی سمجھ سکتا ہے کہ آپ نے اپنے بزرگ کی کس طرح خدمت انجام دی ہے[1] حج سے واپس تشریف لائے تو ان دنوں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں شیخ بہاؤالدین ذکریا پہنچے اور حضرت جلال الدین تبریزی کے حضرت بہاؤالدین ذکریا سے تعلقات بہت اچھے اور انسیت کے ہو گئے تھے اور اپنے شیخ شہاب الدین سہروردی سے رخصت لے کر ان کے ساتھ ہندوستان کیلئے روانہ ہوئے۔ یہ دونوں بزرگ بغداد سے جب نیشاپور پہنچے[2] تو حضرت بہاؤالدین ذکریا نے مصلہ بچھایا اور عبادت میں مصروف ہو گئے۔ یہ آپ کی عادت تھی اور حضرت جلال الدین تبریزی کی عادت تھی کہ جس شہر میں جاتے وہاں کوئی بزرگ ہوتا تو اس کی زیارت کے لئے پہنچتے تھے۔ نیشاپور میں شیخ جلال الدین تبریزی کی شیخ فرید الدین عطار سے ملاقات ہوئی۔ جب واپس اپنی منزل پر پہنچے تو شیخ بہاؤالدین ذکریا نے دریافت کیا کہ شیخ فرید الدین عطار کو کیسا پایا؟

---

[1] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۲۳۹

[2] شیخ عبد الرحمٰن چشتی۔ مراۃ الاسرار، ترجمہ کپتان واحد بخش سیال، بزم اتحاد المسلمین، لاہور، ۱۴۱۲ھ، صفحہ ۷۲۳

اس کے جواب میں شیخ جلال الدین تبریزی نے کہا کہ بزرگ نے کہا کہ کہاں سے آئے ہو۔ میں نے کہا کہ بغداد سے۔ فرمایا وہاں مشغولانِ حق میں سے کون کون ہیں۔ میں نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس پر حضرت بہاؤالدین ذکریا نے کہا کہ آپ نے کیوں نہ کہا کہ شیخ شہاب الدین سہروردی ہیں۔ آپ نے کہا کہ مجھے شیخ فرید الدین عطار کی استغراق کی عظمت اس قدر چھا گئی کہ شیخ شہاب الدین سہروردی بالکل یاد نہ رہے[1] اس بات پر شیخ بہاؤالدین ذکریا، شیخ جلال الدین تبریزی سے ناراض ہو گئے اور حضرت جلال الدین تبریزی سیاحت کے لئے دوسرے شہروں کی طرف نکل گئے اور شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتان تشریف لے آئے۔ بغداد کے زمانے میں خواجہ بختیار کاکی سے بھی شیخ جلال الدین تبریزی کے بہترین تعلقات تھے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ خواجہ قطب الدین اور شیخ بہاؤالدین ذکریا سے آپ کے دوستانہ مراسم تھے[2] دوستانہ مراسم کی بناء پر شیخ جلال الدین تبریزی ہندوستان تشریف لائے آپ پہلے تو ملتان پہنچے اور کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد شیخ بہاؤالدین سے اجازت لے کر دہلی تشریف لے گئے۔ اس وقت سلطان شمس الدین التمش کا دور تھا اور دہلی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی موجود تھے۔ شیخ جلال الدین تبریزی دہلی میں وارد ہوئے۔ سلطان شمس الدین التمش کو خبر ہوئی شہر سے باہر آیا اور شیخ جلال الدین کو دیکھ کر گھوڑے سے اترا اور دوڑ کر ملاقات کی اور شیخ کو اپنے ساتھ لے کر چل دیا۔[3] سلطان

---

[1] شیخ عبد الرحمٰن چشتی۔ مراۃ الاسرار، ترجمہ کپتان واحد بخش سیال، بزم اتحاد المسلمین، لاہور، ۱۴۱۲ھ، صفحہ ۷۲۳

[2] شیخ عبد الحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلشنگ کمپنی، لاہور، سن ندارد، صفحہ ۱۰۲

[3] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۲۴۱

کے ساتھ وقت کے شیخ الاسلام نجم الدین صغری بھی تشریف لائے تھے۔ انہوں نے ان کا احترام کرتے ہوئے سلطان کو دیکھا تو حسد کی بناء پر شیخ جلال الدین پر تہمت لگوادی۔ اس تہمت کی حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے سلطان نے محضر طلب کیا۔ شیخ جلال الدین تبریزی کی ناراضگی شیخ بہاؤالدین ذکریا سے نیشاپور کے زمانے میں ہوئی تھی۔ اس کی بنا پر فیصلہ کے لئے شیخ الاسلام نجم الدین صغری نے شیخ بہاؤالدین ذکریا کا نام پیش کیا۔ جمعہ کے دن نمازِ جمعہ کے بعد مسجد میں سب اکٹھے ہوئے۔ حضرت بہاؤالدین ذکریا نے شیخ جلال الدین تبریزی کے آنے پر استقبال کیا۔ ان کی جوتی اٹھائی۔ سلطان نے اس احترام کی وجہ سے محضر ختم کرنے کے لئے کہا لیکن بہاؤالدین ذکریا نے جواب میں کہا کہ میرے لئے واجب ہے کہ اپنے مرشد کی خدمت کی وجہ سے جوتیوں کی خاک کا سرمہ بناؤں لیکن تعظیم سے ان کی مراد عیب پوشی نہیں ہے۔ مطربہ سے آپ نے حق بات کہنے کے لئے کہا تو مطربہ نے سازش کو بے نقاب کردیا۔ التمش نے صغری کو شیخ الاسلام کے عہدے سے معزول کردیا[1] اس واقعہ سے شیخ جلال الدین تبریزی بڑے دل برداشتہ ہوئے اور دہلی میں بہت تھوڑا وقت گزارنے کے بعد یہ کہتے کہ میں جب اس شہر میں آیا تھا تو اس وقت مکمل سونا تھا اور اب یہ حال کہ میں چاندی میں تبدیل ہوچکا ہوں[2] آپ دہلی سے بدایوں تشریف لے کر گئے وہاں

---

[1] پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ادارہ ادبیات' دہلی بھارت' ۱۹۸۱ء، صفحہ ۱۲۲

[2] شیخ نظام الدین اولیا۔ فوائد الفواد، ترجمہ کپتان واحد بخش سیال' بزم اتحاد المسلمین' لاہور، ۱۴۱۲ھ، صفحہ ۲۵ے

ایک ہندو کو مسلمان کیا اور اس کا نام علی رکھا[1] اس کا تقرر بدایوں میں کیا اور وہاں سے بنگال تشریف لے گئے۔ بنگال میں آپ اس وقت کے ایک مشہور مقام جس کو بندر دیو محل کہا جاتا تھا وہاں تشریف لے کر گئے۔ اس مقام پر بہت بڑا ایک بت خانہ تھا اور وہ بت خانہ ایک کافر نے کثیر رقم سے تعمیر کیا تھا۔ شیخ جلال الدین تبریزی نے اس بت خانہ کو توڑ دیا اور اس بت خانہ کو اپنا تکیہ بنایا اور آپ کے ہاتھ پر وہاں کثیر تعداد کافروں نے اسلام قبول کیا[2] اس بنا پر بہت لوگ آپ کے اردگرد جمع ہوئے اور مرید ہونے لگے۔ آپ نے اس مقام پر زیادہ وقت گزارا ہے۔ آپ نے وہاں اپنے روپے سے باغ خرید کر لنگر خانہ بنایا' خانقاہ تعمیر کرائی اور دین اسلام کی ترویج واشاعت کے لئے محنت شاقہ فرمائی۔ بنگال میں ان کے لنگر کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ حالانکہ آٹھ سو سال آپ کی وفات کو گزر چکے ہیں۔ آپ کی وفات کا ۶۲۳ھ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تحریر کیا ہے[3] جبکہ محمد ایوب قادری نے ۶۴۱ھ مطابق ۱۲۴۳ء وفات تحریر کیا ہے[4] اس میں ۱۰ سال کا فرق ہے۔ گوکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا زمانہ شیخ جلال الدین سے زیادہ قریب ہے لیکن تحقیق میں محمد ایوب قادری کی تحریر کردہ ۶۴۱ھ مطابق ۱۲۴۳ء سلطان ناصر الدین کے دور کو صحیح تسلیم کیا جائے گا کیونکہ شیخ محمد اکرام نے ۶۴۲ھ

---

[1] شیخ عبد الرحمٰن چشتی۔ مراۃ الاسرار، ترجمہ کپتان واحد بخش سیال، بزم اتحاد المسلمین، لاہور، ۱۴۱۲ھ، صفحہ ۲۵ے

[2] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۲۵۰

[3] شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلشنگ کمپنی، لاہور، سن ندارد، صفحہ ۱۰۱

[4] شیخ محمد اکرم۔ آب کوثر' ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۳۰۱

مطابق ۱۲۴۴ء سن وفات تحریر کیا ہے جو محمد ایوب قادری کے سن وفات کے تحریر کردہ کے بالکل قریب ہے۔ شیخ جلال الدین تبریزی بنگال میں ۱۱۹۵ء اور ۱۲۰۰ء کے درمیان کسی وقت پہنچے۔ جب وہاں لکشمن سین کا راج تھا اور مسلمانوں نے بنگال فتح نہیں کیا تھا[1] اس بات کو دیکھنے کے لئے کہ شیخ جلال الدین بنگال کب پہنچے تو اس وقت سلطان شمس الدین التمش کا دور تھا اور التمش کا دور ۱۲۱۰ء سے ۱۲۳۶ء تک کا ہے مطابق ۶۰۷ھ سے ۶۳۳ھ تک ہے[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ محمد اکرام سے سہو ہوا ہے جو انہوں نے ۱۱۹۵ء سے ۱۲۰۰ء کے درمیان کا دور تحریر کیا ہے کیونکہ سلطان شمس الدین التمش کا وہ دور نہیں ہے چونکہ شیخ دہلی میں التمش کے دور میں آئے تھوڑا عرصہ ٹھہرے اور بنگال تشریف لے گئے۔ سلطان التمش ۶۱۵ھ سے ۶۲۵ھ کے درمیان بنگال کی مہمات میں مصروف رہا ہے[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان التمش کی بنگال کی طرف مہمات نے شیخ جلال الدین کو بنگال کی طرف متوجہ کیا اور وہ ۶۱۵ھ اور ۶۲۵ھ کے درمیان کسی وقت بنگال تشریف لے کر گئے ہیں۔ سلسلہ سہروردیہ کے یہ پہلے بزرگ ہیں جو بنگال میں تشریف فرما ہوئے اور دین اسلام کی ضیاپاشیوں سے منور کیا۔ اس بزرگ کے علاوہ ایک دوسرے بزرگ ایک اہم مقام سلہٹ پر تشریف لے گئے ہیں اور تاریخ میں ان کو سید جلال سلہٹی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

---

[1] شیخ محمد اکرم۔ آب کوثر' ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۳۰۰
[2] پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ادارہ ادبیات' دہلی بھارت' ۱۹۸۱ء، صفحہ ۱۰۰
[3] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان' جلد اوّل، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۷۰

سید جلال سلہٹی

گو کہ یہ بزرگ بنگال میں جس مقام پر پہنچے اس مقام پر پہلے سہروردی بزرگ ہیں لیکن شیخ جلال الدین تبریزی کے کافی بعد بنگال میں پہنچے ہیں اور ان بزرگ کا نام بھی سید جلال الدین ہے اور اس لحاظ سے تاریخ داں اور عوام شیخ جلال الدین تبریزی کو اور شیخ جلال سلہٹی کو ایک ہی بزرگ تسلیم کرتے ہیں۔ شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے کہ شیخ جلال سلہٹی کی فیروز شاہ تغلق کے دور میں وفات ۷۴۰ھ میں سلہٹ بنگال میں واقع ہوئی ہے[1] اور شیخ جلال الدین تبریزی کی وفات بندر دیو بنگال میں ۶۴۱ھ / ۱۲۴۳ء کو واقع ہوئی ہے[2] ان دونوں مذکورہ بالا تاریخوں میں ایک سو دو سال کا فرق ہے۔ شیخ محمد اکرام نے ابن بطوطہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ حضرت کی زیارت کے لئے علاقہ کامروپ (آسام) میں گیا۔ پروفیسر گب نے قیاس کیا ہے کہ جس بزرگ کی ابن بطوطہ نے زیارت کی وہ شیخ جلال الدین تبریزی نہ تھے بلکہ سلہٹ کے شیخ جلال تھے[3] سلہٹ ضلع جو بنگلہ دیش موجودہ ملک میں واقع ہے اس میں شیخ جلال سلہٹی کا آج بھی مزار موجود ہے اور اس علاقے سے بہت دور علاقہ آسام ہے اور شیخ جلال سلہٹی کی وفات ۷۴۰ھ سلہٹ میں واقع ہوئی اور ابن بطوطہ کا سفر تحقیق شیخ محمد اکرام کے مطابق ۷۴۶ھ میں ہوا[4] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن بطوطہ کی ملاقات یا تو کسی دوسرے

---

[1] شیخ محمد اکرم۔ آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۳۰۲
[2] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۲۵۰
[3] شیخ محمد اکرم۔ آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۳۰۲
[4] ایضاً

بزرگ سے ہوئی ہے یا ابن بطوطہ کو سہو ہوا ہے کیونکہ مقام اور سن میں مماثلت نہیں ہے۔ اس بناء پر یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

بہر صورت بنگال کے یہ دونوں بزرگ اسلام کو پھیلانے اور بنگال میں اسلام کو پہنچانے میں بہترین کردار کے مالک ہیں۔ شیخ جلال سلہٹی، شیخ سید جلال الدین سرخ بخاری کے نواسے ہیں اور سید احمد کبیر سہروردی کے بھانجے ہیں۔ آپ ابھی تین ماہ کے تھے کہ آپ کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ مولانا نور احمد خان فریدی نے لکھا ہے کہ ان کے والد بزرگوار ایک لڑائی میں داد شجاعت دیتے ہوئے پہلے ہی شہید ہو چکے تھے۔[1] والد کی شہادت اور والدہ کی وفات کے بعد آپ کی پرورش و تربیت آپ کے نانا شیخ جلال الدین سرخ بخاری نے فرمائی اور ان کی وفات کے بعد ان کے لڑکے سید احمد کبیر سہروردی کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت اور عبادت و ریاضت میں مصروف رہے۔ شیخ جلال سلہٹی اپنے ماموں سید احمد کبیر سہروردی سے سلسلہ سہروردیہ میں بیعت اور خلیفہ تھے۔ اپنے ماموں اور مرشد کی خانقاہ میں تین سال عبادت فرمائی اور مرشد نے آپ کو جہاد کے لئے بنگال جانے کا حکم دیا اور آپ کے ساتھ تھوڑی تعداد میں یعنی سات سو درویش مجاہدین کو ہمراہ کر کے بنگال بھیج دیا۔ مولانا نور احمد خاں فریدی نے تحریر کیا ہے کہ جہاد کے لئے تلواروں کا بندوبست مرشد نے فرمایا۔ مٹی دی اور فرمایا کہ جس رنگ اور بو سے ملے وہاں قیام کرنا اور تلوار کو بغیر ضرورت کے استعمال نہ کرنا۔[2] سید جلال اپنے ساتھیوں کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے بنگال پہنچے اس وقت سلطان

[1] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان' جلد اوّل، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۴۹

[2] ایضاً صفحہ ۱۵۰

سکندر کو سلہٹ کے علاقے میں راجہ گوڑ گوبند نے شکست دی تھی اور اس کے جادو کا بڑا چرچا تھا۔ سلطان شمس الدین شاہ بنگال کو علم ہوا کہ سید جلال اپنے ساتھیوں کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے بنگال تشریف لائے ہیں اس نے اپنے بھانجے سلطان سکندر کو سید جلال کے پاس بھیجا کہ ان سے دعا اور دوا دونوں حاصل کی جائیں۔ اس بات کے لئے مولانا نور احمد خان فریدی نے تحریر کیا ہے کہ سید جلال نے دعا بھی کی اور فرمایا کہ آپ کی فوج میں شامل ہو کر ہم جہاد کریں گے اور اس کے بعد جہاد کیا[1] اس جہاد میں راجہ گوڑ گوبند کو شکست ہوئی۔ سلطان سکندر کے لشکر کو اللہ تعالیٰ نے فتح مند کیا اور شاہی لشکر سلہٹ کا تمام علاقہ آپ کے قبضہ میں دے کر واپس ہو گئے۔ سید جلال سلہٹی نے دو سال اس علاقے کا بہترین نظام قائم فرما دیا۔ اس کے بعد اپنے ساتھیوں کو انتظام سونپ دیا اور اس کے بعد سید جلال عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے۔ پروفیسر محمد ایوب قادری نے تحریر کیا ہے کہ سید جلال سلہٹی نے بنگال و سلہٹ میں دین اسلام کی شمع روشن کی اور ان کی کوششوں سے دور دراز کفرستان میں شجر اسلام بار آور ہوا۔[2] معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ کے بزرگ عبادت اور دعا کے ساتھ ساتھ جہاد کے لئے کمر بستہ رہتے تھے۔ سید جلال نے اپنے ساتھیوں کو اس علاقے میں دین اسلام کی ترویج و اشاعت کے لئے مقرر فرمایا۔ شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے کہ ضلع سلہٹ میں چار ایسے مشہور مقامات ہیں جہاں انہوں نے اپنے ساتھیوں کو بسایا اور ہدایت کا کام لیا یعنی سلہٹ 'لاتو' ہاپٹیہ ٹیلہ 'مزید تحریر کرتے ہیں کہ

[1] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان' جلد اوّل، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۵۰

[2] پروفیسر محمد ایوب قادری۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت' سعید کمپنی' کراچی، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۶۰

انگریز دور میں ہر نیا آنے والا کلکٹر مزار پر حاضری دیتا تھا اور سلہٹ کے گلی کوچوں میں آپ کے ساتھیوں کی اب بھی قبریں پائی جاتی ہیں[1] اس علاقے میں سہروردیوں کی اس فتح کے متعلق مولانا نور احمد خان فریدی نے تحریر کیا ہے کہ محکمہ آثارِ قدیمہ کو درگاہ شاہ جلال سے جو پرانا کتبہ دستیاب ہوا ہے اس پر فتح اسلام کی تاریخ ثلث و سبع مائۃ یعنی ۷۰۳ھ مطابق ۱۳۰۳ء درج ہے[2] آپ کی وفات ۷۴۰ھ / ۱۳۴۰ء میں ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بنگال میں سینتیس سال قیام پذیر رہے۔ بنگال یا بنگالہ کے نام سے قدیم ہندوستان کا ایک صوبہ ہے۔ بنگال لفظ بنگا سے نکلا ہے جو اس علاقے میں آباد ایک غیر آریائی قوم کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ پال اور سین راجاؤں کے عہد میں دریائے گنگا کے ڈیلٹا کو بنگالہ کہا جاتا تھا۔ مسلمانوں کی آمد سے پہلے جنوبی علاقہ بنگال کہلاتا تھا۔ البتہ مغلیہ دور میں موجودہ تمام علاقہ بنالہ کہلاتا تھا۔ جب ہند میں سکندر اعظم آیا اور اس وقت اس علاقے کو ونگا کہا جاتا تھا۔ لکشمن سین راجہ نے ۱۲۰۱ء / ۶۰۱ھ کو اختیار الدین محمد جو سلطان قطب الدین ایبک کا کمانڈر تھا کے ہاتھوں شکست کھائی۔ یہ پہلا مسلمان حکمران بنگال میں تشریف لے کر گیا۔ اس کے بعد کسی طور اس علاقے پر مسلمانوں کا قبضہ ہے اور ۱۹۴۷ء کے بعد یہ علاقہ دو حصوں میں تقسیم ہوا۔ ایک نام مشرقی پاکستان اور دوسرے کا مغربی بنگال رکھا گیا اور ۱۹۷۱ء میں یہ علاقہ خود مختار مسلم ملک کی حیثیت سے بنگلہ دیش کے نام سے موسوم کیا گیا۔ بنگلہ دیش کے ایک طرف خلیج بنگال اور تین اطراف بھارت ملک موجود ہے[3] بنگال کے شاہ

1. شیخ محمد اکرم۔ آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۳۲۰
2. مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان' جلد اوّل، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۵۲
3. سید قاسم محمود' اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شہکار بک فونڈیشن، کراچی' ۱۹۸۷ء صفحہ ۳۶۵

جلال سلہٹی کے بعد علاقہ حیدر آباد دکن کو دیکھا جائے کہ اس علاقے میں پہلے سہروردی بزرگ کون تشریف فرما ہوئے۔ اس علاقے میں پہلے پہنچنے والے بابا شرف الدین عراقی یہ بزرگ عراق ملک کے رہنے والے تھے اور بغداد میں تعلیم و تربیت حاصل کی تھی۔ عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے اور حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے خلفا میں سے تھے۔ شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے کہ آپ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید و خلیفہ بتائے جاتے ہیں[1] ہندوستان میں ہندوستان کے شمال سے وارد ہوئے اور وہاں سے آپ دکن تشریف فرما ہوئے۔ دکن میں آپ نے رشد و ہدایت کے کام کے لئے ایک پہاڑی کے مقام کا انتخاب فرمایا جو اس وقت شہر حیدر آباد دکن سے چار میل مغرب کی جانب واقع ہے۔ اس پہاڑی پر آپ نے قیام فرمایا اور مخلوق خدا کی تعلیم و تربیت اور ہدایت و تلقین کے لئے مصروف عمل ہوئے اور عبادت میں بڑا ذوق اور توجہ الی اللہ میں کمال حاصل تھا۔ اس علاقے کی عوام آپ کی طرف متوجہ ہوئی۔ آپ ہندوں کے ساتھ بڑے محبت سے ملتے تھے خاص کر اس علاقے کے رہنے والے ہندو اخلاقی قدریں تباہ کئے ہوئے تھے۔ شیخ محمد اکرام نے ان کے تعصب اور بغض و عناد کو اس طرح لکھا ہے کہ اہل دکن میں مسلمانوں سے خاص بغض و عناد تھا۔ مہاراشٹر اور دکن کے ہندو شمالی ہند اور ساحلی لوگوں کی نسبت زیادہ متعصب تھے۔ مسلمانوں کی صورت دیکھنا مکروہ سمجھتے تھے۔ بلکہ اگر کوئی مسلمان مسافر وارد ہوتا تو اس کے ہاتھ کھانے پینے کا سامان بھی فروخت نہ کرتے[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسلم فرد کے لئے دین اسلام کی تبلیغ اور رشد و

1. شیخ محمد اکرام۔ آبِ کوثر' ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور' ۱۹۹۲ء' ص۔ ۳۶۱
2. ایضاً صفحہ ۳۶۲

ہدایت کا کام میں سخت دشواری کا سامنا کرنا ہوتا ہوگا۔ ان بزرگوں نے ہمت سے کام لیا اور ہند کے دور دراز علاقوں میں دین کی شمع کو روشن کرنے میں کامیاب رہے۔

حیدر آباد دکن: یہ ہندوستان کی ایک ریاست کا نام ہے۔ حیدر آباد کے نام سے پاکستان کے ایک مشہور شہر کا نام بھی ہے۔ ۱۹۴۷ء میں اس ریاست نے آزادی کا اعلان کیا۔ ہندوستان نے اس پر قبضہ کر کے اپنے علاقے میں شامل کر لیا۔ اس ریاست کو شمولیت سے پہلے آصفیہ سلطنت بھی کہتے تھے۔ اس سلطنت کی بنیاد مغلیہ سلطنت کے زوال کے وقت آصف جاہ صوبیدار نے ۱۱۳۶ھ / ۱۷۴۸ء میں رکھی۔ اس ریاست کو ۱۹۲۶ء میں انگریزوں نے اپنا زیردست علاقہ بنالیا تھا اور اب بھارت میں شامل ریاست ہے۔ اس میں کثیر تعداد مسلمان آباد ہیں[1] اس علاقے میں جب وارد ہوئے علاقے کے لوگ جانتے نہ تھے لیکن تھوڑے عرصہ میں آپ کے گرد لوگ اکٹھے ہونے لگے۔ آپ کے حسن سلوک اور روحانیت کی وجہ سے متاثر ہوئے اور ادب واحترام کرنے لگے۔ آپ کی وفات سلطان جلال الدین خلجی کے دور میں ہوئی۔ شیخ محمد اکرام نے آپ کی ۶۸۷ھ تحریر کی ہے[2] اس بزرگ نے علاقہ حیدر آباد دکن میں سلسلہ سہروردی کی اشاعت و ترویج فرمائی۔ اس بزرگ کے علاوہ علاقہ گجرات کو دیکھا جائے کہ اس علاقے میں پہلے سہروردی کون بزرگ تشریف فرما ہوئے تو شیخ قطب عالم کا نام ملتا ہے۔

سید برہان الدین قطب عالم

آپ کا نام برہان الدین تھا اور قطب عالم کے لقب سے مشہور تھے۔

[1] سید قاسم محمود' اسلامی انسائیکلوپیڈیا' شہکار بک فونڈیشن' کراچی' ۱۹۸۴ء صفحہ ۸۲۵
[2] شہزادہ دارا شکوہ قادری۔ سفینۃ الاولیاء' ترجمہ محمد علی لطفی' نفیس اکیڈی' کراچی' ۱۹۷۵ء' صفحہ ۱۵۵

آپ کی ولادت اوچ میں ۷۹۰ھ میں ہوئی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے آپ کی پیدائش ۸۰۱ھ تحریر کی ہے[1] جو کہ صحیح نہیں ہے اور صحیح ۷۹۰ھ ہے۔ اس لئے کہ شیخ عبدالرحمن چشتی نے بھی ۷۹۰ھ تحریر کی ہے[2] آپ کی کنیت ابو محمد تھی۔ آپ اپنے والد سید ناصرالدین بن مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے ساتھ گجرات کے شہر احمد آباد میں مقیم ہوئے۔ آپ شیخ سید جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت کے پوتے تھے۔

گجرات: بھارت ملک کی ایک ریاست کا نام ہے اور اس علاقے میں گجر اور جاٹ دو قومیں آباد تھیں جن کی وجہ سے اس علاقے کو گجرات کہا جاتا ہے۔ اس ریاست میں بڑودہ' راجپوت' جاںنگر' جوناگڑھ' بھاءنگر' کچھ گجرات میں شامل ہیں۔ اس علاقے کی اکثریت زبان گجراتی ہے۔ اس ۱۹۶۰ء کے بعد اس ریاست کا دارالحکومت احمد آباد ہے۔[3] اس شہر کو سلطان احمد نے ۸۱۳ھ میں بسایا تھا۔ سلطان احمد کی استدعا پر آپ احمد آباد تشریف لے گئے[4] اس علاقے کی طرف مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے بھائی شیخ سید راجو قتال کی خاص نظر رہی ہے۔ اس بزرگ نے سید برہان الدین قطب عالم کی دو سال خصوصی تربیت کرنے کے بعد گجرات کے علاقے میں بھیجا۔ آپ عالم اور عبادت گزار تھے۔ گجرات کے علاقے میں آپ نے بڑی محنت سے

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار' ترجمہ مولانا محمد فاضل' مدینہ پبلیشنگ کمپنی' کراچی۔ سن ندارد۔ صفحہ ۳۴۹
[2] شیخ عبدالرحمن چشتی۔ مراۃ الاسرار۔ ترجمہ کپتان واحد بخش سیال' بزم اتحاد المسلمین لاہور' ۱۴۱۲ھ' صفحہ ۱۱۹۸
[3] اردو جامع انسائیکلوپیڈیا' مولانا حامد علی خاں۔ غلام علی پرنٹرز' لاہور' ۱۹۸۸ء' صفحہ ۱۲۷۱
[4] شیخ محمد اکرام۔ آبِ کوثر' ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور' ۱۹۹۲ء' صفحہ۔ ۲۳۲

رشد و ہدایت اور تبلیغِ دین کے لئے کاوش فرمائی۔ آپ کے ایک فرزند شیخ شاہ عالم کے لقب سے بہت مشہور ہوئے ہیں جو آپ کے بعد آپ کی مسند پر رشد و ہدایت کے لئے متمکن ہوئے۔ احمد آباد شہر سے چھ میل کے فاصلے پر ایک قصبہ تبوہ ہے۔ اس مقام پر آپ کا مزار ہے۔ اس بزرگ سے پہلے اس علاقے میں سہروردیوں کی آمد و رفت کافی رہی ہے اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور ان کے مرید اور متعلقین اس علاقے میں تبلیغ دین کے لئے مسلسل آتے رہے ہیں۔ سلاطین گجرات کے مورثان سہارن اور سادھو دو بھائی تھے انہوں نے مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے ہاتھ سے اسلام قبول کیا اور گجرات واپس آئے اور اس کے بعد ان کو حکومت بھی ملی۔ پروفیسر محمد ایوب قادری نے تحریر کیا ہے کہ حضرت مخدوم کی برکت اور دعا سے یہ خاندان حکومت اور سلطنت کا مالک ہوا[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ برہان الدین قطب عالم کے آنے سے پہلے سہروردی لوگ تو گجرات میں پہنچ چکے تھے لیکن پہلے باضابطہ بزرگ شیخ سید برہان الدین قطب عالم نویں صدی ہجری میں گجرات پہنچے ہیں۔ آپ کی وفات شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ۸۵۷ھ تحریر کی ہے[2] شیخ عبدالرحمٰن چشتی اور شہزادہ دارالشکوہ قادری نے وفات ۸۵۶ھ تحریر کی ہے[3] شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور شیخ عبدالرحمٰن چشتی، شہزادہ دارالشکوہ قادری کے بیان میں ایک سال کا فرق

۱۔ پروفیسر محمد ایوب قادری۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۱۶۵

۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلشنگ کمپنی، لاہور، سن ندارد، صفحہ ۳۴۹

۳۔ شیخ عبدالرحمٰن چشتی۔ مراۃ الاسرار۔ ترجمہ کپتان واحد بخش سیال، بزم اتحاد المسلمین لاہور، ۱۴۱۳ھ، صفحہ ۱۱۹۸

ہے۔ زیادہ بیان ۸۵۶ھ کے متعلق ہے اور یہی صحیح ہے۔ اس علاقہ پر سلطان قطب الدین شہزادہ احمد بن محمد شاہ حکمران تھا۔ اس کے دورِ حکمرانی میں آپ کی وفات ہوئی۔ اس علاقے سے ملتا ہوا علاقہ کاٹھیاواڑ ہے۔ اس علاقے میں پہلا سہروردی بزرگ کون تشریف فرما ہوا ہے اس کو دیکھا جائے تو اس علاقے میں سہروردی پہلے بزرگ سکندر بن مسعود تھے۔

شیخ سکندر بن مسعود

شیخ مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے کاٹھیاواڑ ملحقہ علاقہ گجرات پر بھی خصوصی نظر رکھی تھی تاکہ اس علاقے میں دینِ اسلام کی تبلیغ اور رشد و ہدایت کی تعلیم پر پوری توجہ دی جائے۔ آپ نے اپنے ایک خاص مرید و خلیفہ کو کاٹھیاواڑ روانہ فرمایا۔

پروفیسر محمد ایوب قادری نے تحریر کیا ہے کہ ایک مدت تک (سکندر بن مسعود) حضرت مخدوم کے پاس اوچ میں رہے پھر ان کو تبلیغ و ارشاد کی غرض سے مانگرول (کاٹھیاواڑ) بھیجا گیا[1] اس بزرگ کا نام سکندر تھا اور ان کے والد کا نام شیخ مسعود تھا۔ بڑے عبادت گزار تھے اور جہاد کے شوق سے سرشار رہتے تھے۔ اس وقت مانگرول میں راجہ کنور پال کی حکمرانی تھی۔ یہ مسلمانوں کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتا تھا۔ مسلمان اس سے حد درجہ پریشان تھے۔ اس وقت ۷۷۰ھ / ۱۳۶۸ء میں فیروز شاہ تغلق نے ملک عزالدین کی ماتحتی میں ایک فوج راجہ کنور کی تنبیہ کے لئے مانگرول بھیجی اس فوج میں شیخ سکندر بھی اپنے مریدوں اور متبعین کے ہمراہ تھے اور انہوں نے خوب دادِ شجاعت

۱۔ شہزادہ دارالشکوہ قادری۔ سفینۃ الاولیاء، ترجمہ محمد علی لطفی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۱۵۵

دی[1] معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بزرگ کفر کے ساتھ جہاد کرنا اپنا فرضِ اولین سمجھتے تھے۔ اور مسلم فوج کا ایک حصہ بن کر جہاد میں شریک ہوتے تھے جس جنگ میں شیخ سکندر نے حصہ لیا اس میں راجہ کنور پال مارا گیا اور اس جنگ میں مسلمان فتح یاب ہوئے۔ اس فتح کی یادگار میں ۷۸۵ھ / ۱۳۸۳ء میں ایک مسجد تعمیر کی گئی۔ اس خاندان نے کاٹھیاواڑ کے علاقے میں تبلیغ واصلاح کا خوب کام کیا۔

شیخ سکندر بن مسعود کی پیدائش ۷۴۹ھ / ۱۳۴۹ء میں ہوئی اور آپ کی وفات ۸۲۲ھ / ۱۴۲۲ء میں ہوئی[2]۔ اس سن وصال میں اختلاف نہیں ہے۔

کاٹھیاواڑ: مغربی ہندوستان کا جزیرہ نما جو خلیج کچھ اور خلیج کیمبے کے درمیان بحیرۂ عرب میں نکلا ہوا ہے اس میں مشہور مذہبی مقامات ہیں بالخصوص دوارکا، پالٹیانا، گرنار اور سوم ناتھ آریائی زمانہ سے ۱۸ویں صدی تک اس کا نام سوراشٹر تھا۔ اس علاقے میں راجپوت قبائل زیادہ تھے۔ ان کے ایک قبیلے کاٹھی کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس علاقے کو محمود غزنوی مسلمان حکمران نے ۱۰۲۵ء میں فتح کیا[3] اب یہ علاقہ ہندوستان ملک میں شامل ہے۔ اس علاقے میں ہندو آبادی زیادہ ہے۔ اس علاقے میں دین اسلام کی ترویج واشاعت اور رشد وہدایت کے لئے شیخ سکندر بن مسعود اپنے مرشد کی ہدایت پر تشریف لائے۔ اس علاقے سے ملتا ہوا سندھ کے علاقے کو

---

[1] پروفیسر محمد ایوب قادری۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۱۶۶

[2] ایضاً۔ صفحہ ۱۶۶

[3] مولانا حامد علی خان، جامع اردو انسائیکلوپیڈیا، شیخ نیاز علی غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۷ء، صفحہ ۱۱۵۹

دیکھا جائے کہ اس علاقے میں سب سے پہلا کون سہروردی بزرگ تشریف لایا ہے۔ سندھ میں سب سے پہلا سہروردی بزرگ شیخ نوح بکھری ہے۔

شیخ نوح بکھری

شیخ نوح بکھری کے متعلق مؤرخین نے بڑی بے اعتنائی برتی ہے۔ تذکرہ ملنا مشکل ہے۔ شیخ محمد اکرام نے تحریر کیا ہے کہ (شیخ ذکریا ملتانی) ان کے ایک پیر بھائی اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید، شیخ نوح بکھری ان سے پہلے ہی سندھ میں موجود تھے۔[1] اس معلومات سے علم ہوتا ہے کہ سندھ کی سرزمین پر بہت پہلے سلسلہ سہروردیہ کی رشد و ہدایت کی سرگرمیاں موجود تھیں۔ لیکن ان کا تذکرہ مؤرخین نے نہیں کیا حالانکہ اس علاقے میں اسلام دوسری صدی ہجری میں پہنچ چکا تھا۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی چھٹی صدی ہجری کے بزرگ ہیں جن سے سلسلہ سہروردیہ نے فروغ حاصل کیا۔ انہوں نے شیخ نوح بکھری کو بکھر میں دین اسلام کی اشاعت اور سلسلہ کی ترویج کے لئے بھیجا تھا۔ شیخ نوح کے نمایاں نہ ہونے کی ایک وجہ اشتیاق حسین قریشی نے تحریر کی ہے کہ وہ زمانہ خاموشی کے ساتھ کام کرنے کا تھا یا شاید پس پردہ رہ کر تبلیغی خدمات انجام دینے کا تھا[1] معلوم ہوتا ہے کہ اس حصہ میں دین اسلام کی ترویج واشاعت کے لئے کاوش ہوتی رہی۔ اس بزرگ نے اپنے طور پر اور انداز سے تبلیغ دین کی اور سندھ میں کافی کام کیا۔ سندھ پاکستان ملک کے ایک صوبہ کا نام ہے۔ اسی مناسبت سے اس علاقے میں سندھی زبان بولی جاتی ہے۔ اس علاقے کو محمد بن قاسم نے ۹۲ھ میں فتح کیا اور یہ سندھ کے علاقے کا پہلا مسلمان حکمران تھا۔ سندھ کا ایک مشہور شہر سکھر ہے اس شہر کو پہلے بکھر کہا جاتا تھا۔ مولانا حامد

---

[1] شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۹۳

خان نے تحریر کیا ہے کہ سکھر اور روہڑی کے درمیان ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ خلیفہ ہارون رشید کے جرنیل شیخ ابو تراب نے ۷۸۷ء میں اروڑ کی ویرانی کے بعد یہ شہر بسایا۔ اس کا نام فرشتہ رکھا۔ تیرہویں صدی عیسوی میں سید محمد مکی نے بکھر نام رائج کیا[1] اس شہر کو اب سکھر کہا جاتا ہے۔ شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی کی ہند میں آمد سے پہلے حضرت سید احمد بمعروف شیخ سخی سرور کے دور میں سکھر تشریف لائے تھے۔ جب شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی سلسلہ سہروردیہ لے کر ہند میں تشریف لانے کے لئے روانہ ہوئے تو اس وقت مرشد شیخ شہاب الدین نے فرمایا کہ ہمارے بہترین مریدوں خلفا میں شیخ نوح ہیں واپس جاکر ان سے سندھ میں ملاقات کرنا۔ یہ چراغ بتی اور تیل خود لے کر ہمارے پاس آئے تھے ہم نے ان کا چراغ روشن کر دیا تھا۔ علامہ عالم فقری تحریر کرتے ہیں کہ اپنے مرشد کی ہدایت پر شیخ زکریا ملتانی سندھ میں شیخ نوح بکھری سے ملاقات کے لئے بکھر جلوہ گر ہوئے لیکن ملاقات نہ ہوسکی۔ کیونکہ شیخ نوح واصل الی اللہ ہوچکے تھے[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ میں سہروردیوں کی خانقاہیں شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی سے پہلے موجود تھیں لیکن شیخ نوح بکھری کا سلسلہ کو پھیلانا، ترویج و اشاعت، خلفا، مریدین اور درسگاہیں بنانے کا کچھ علم نہیں ہوسکا۔ آپ کا روحانی شجرہ اس طرح ہے۔ شیخ نوح بکھری، شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی، شیخ وجیہ الدین سہروردی، شیخ عبداللہ، شیخ اسود احمد دینوری، شیخ ممتاز علی دینوری، شیخ جنید بغدادی، خواجہ سری سقطی، خواجہ

1 اشتیاق حسین قریشی۔ برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۵۸

2 علامہ عالم فقری۔ اولیاء اللہ، شبیر برادرز، لاہور، ۱۹۹۰ء، صفحہ ۴۴۳

معروف کرخی، خواجہ داؤد طائی، خواجہ صہیب عجمی، حضرت امام حسن، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم[1] اس طرح آپ کا شجرہ طریقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے۔ آپ انتہائی عبادت وریاضت میں محو رہتے تھے۔ آپ منکسر المزاج اور ملنسار تھے۔ آپ کی وفات کا سن معلوم نہیں ہوسکا۔ شیخ سخی سرور کے دور میں ہند سندھ میں تشریف لائے اور شیخ سخی سرور ۵۷۰ھ/ ۱۱۷۴ء میں شہید ہوئے۔ اس کے بعد بھی شیخ نوح بکھری بقیدِ حیات تھے اور شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی جب سلسلہ سہروردیہ لے کر ہند ملتان میں تشریف لائے اس وقت معزالدین محمد بن سام یعنی شہاب الدین غوری کی ملتان زیر حکومت تھا۔ اس دور کے اوائل میں شیخ بہاؤالدین ذکریا بغداد سے واپس آئے ہیں اس اوائل دور میں شیخ نوح بکھری کا انتقال ہوا ہے۔ یعنی چھٹی صدی ہجری کے اختتام سال میں آپ نے وفات پائی ہے۔ آپ کے علاوہ سندھ کے ساتھ ملے ہوئے علاقے کو سیوستان بھی کہا جاتا تھا۔ اس علاقے کو دیکھیں کہ پہلا بزرگ سلسلہ سہروردیہ کا کون تشریف فرما ہوا تو اس علاقے میں شیخ لال شہباز قلندر سہروردی کا نام ملتا ہے۔

شیخ لال شہباز قلندر

آپ کا نام سید محمد عثمان مروندی ہے اور آپ کا نسب نامہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے جاملتا ہے۔ مولانا نور احمد خان فریدی نے تحریر کیا ہے کہ آپ حسینی سید تھے۔ نام سید عثمان اور مرند کی نسبت سے المروندی کہلاتے تھے۔ مروند ملک ایران کے صوبہ آذربائجان اور تبریز شہر کے چالیس میل کے

1 سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔ بزم صوفیاء، علامہ ابوالبرکات اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۸ء، صفحہ ۹۱

فاصلے پر ایک قصبہ مروند کے نام سے موجود ہے[1] اس قصبہ میں ایک چھوٹا سا قلعہ اور ایک مسجد موجود ہے اور مروند کے چہار اطراف باغات ہیں۔ اس مقام پر آپ کی ولادت ۵۳۸ھ میں ہوئی[2] آپ کے والد کا نام سید کبیر الدین تھا۔ آپ نے تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی جو بڑے عالم تھے اور روحانیت کی ابتدائی تعلیم اپنے والد سے وراثت میں حاصل کی۔ آپ عبادت وریاضت میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ سید قاسم محمود نے تحریر کیا ہے کہ دھمال کے دوران قلندر مستی وخودی کے عالم میں اللہ ہو اللہ ہو کرتے اور دنیا سے بے نیاز ہو جاتے تھے۔ دنیا کی ہر چیز جو اس کے عالم میں ان کے قریب ہوتی اس پر بھی وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی اور چاروں طرف سے اللہ ہو' اللہ ہو کی آوازیں ابھرنے لگتیں[3] اسی وجہ سے آپ کو قلندر کہتے ہیں۔ امجد رؤف خان نے آپ کا قول نقل کیا ہے کہ تارک الدنیا تہجد گزار اور نفسانی لذتوں سے پاک فرد کو قلندر کہتے ہیں۔ مزید آپ فرماتے ہیں کہ قلندروں کا طریق ہے کہ وہ دنیا سے آزاد ہو کر صرف معبود میں محو ہو جاتے ہیں[4] قلندر کے علاوہ آپ کو لعل کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ لعل ایک ہیرے کا نام بھی ہے اور لعل سرخ کو بھی کہتے ہیں اور آپ ہمیشہ سرخ جبہ زیب تن رہتے ہیں اس ادا کو دیکھ کر شیخ بہاؤالدین ذکریا نے

[1] مولانا حامد علی خان۔ جامعہ اردو انسائیکلو پیڈیا' شیخ نیاز علی' غلام علی اینڈ سنز' لاہور' ۱۹۸۸ء' صفحہ ۱۳۲۴

[2] امجد رؤف خان۔ سیارہ ڈائجسٹ۔ اولیاء کرام نمبر' جلد سوم' ۱۸۹' ریواز گارڈن' لاہور' سن ندارد' صفحہ ۵۹

[3] سید قاسم محمود۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا۔ شہکار بک فاؤنڈیشن۔ کراچی' ۱۹۸۹ء' صفحہ ۱۳۰۰

[4] امجد رؤف خان' سیارہ ڈائجسٹ' اولیاء کرام نمبر' جلد سوم' ۱۸۹' ریواز گارڈن' لاہور' سن ندارد' صفحہ ۶۱

آپ کو لعل شہباز کا خطاب عطا کیا[1] آپ کی روحانیت کا مرکز شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی تھا۔ آپ شیخ ذکریا ملتانی سے روحانیت کی منازل طے کئے ہوئے تھے۔ مولانا حامد علی خان نے تحریر کیا ہے کہ سہروردی طریق میں حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا کے خلیفہ تھے۔ جس زمانے میں سلطان محمد غیاث الدین بلبن لاہور اور ملتان کا حاکم تھا۔ اس کے پاس تشریف لے گئے تھے[2] اور اس نے آپ کو ملتان ٹھہرنے کے لئے کہا تھا۔ آپ نے ان کی اس بات کو قبول نہیں کیا۔ آپ نے حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا سے سندھ کے دورے بھی فرمائے ہیں۔ ایک دفعہ ایک غار میں ٹھٹھہ کے قریب شیخ حسن معروف شیخ پٹھہ سہروردی مصروفِ عبادت تھے۔ اس غار کے پاس سے گزرتے ہوئے حضرت بہاؤالدین ذکریا اور شیخ لعل شہباز قلندر نے اس غار سے آپ کو نکالا تھا[3] آپ کے شیخ صدرالدین محمد عارف جو شیخ بہاؤالدین ذکریا کے فرزند ہیں ان سے بھی بڑے اچھے تعلقات تھے۔ آپ نے اپنے لئے سہوان کے علاقے کو منتخب فرمایا تاکہ دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کا اور رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دیا جائے۔ اس علاقے کو سہوان کہا جاتا تھا اب یہ شہر کی صورت میں سندھ کے ضلع دادو میں موجود ہے۔ اس شہر کو اب سیہون کہتے ہیں۔ جب شیخ لعل شہباز قلندر اس شہر میں وارد ہوئے تو اس وقت ایک ہندو راجہ

[1] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان' جلد اول' قصر الادب' رائٹر کالونی' ملتان' ۱۹۷۵ء' صفحہ ۱۳۲۴

[2] مولانا حامد علی خان اردو جامعہ انسائیکلو پیڈیا۔ غلام علی پرنٹرز' لاہور' ۱۹۸۷ء' صفحہ ۲۵۶

[3] علامہ عالم فقری۔ اولیاء اللہ' شبیر برادرز' لاہور' ۱۹۹۰ء' صفحہ ۲۵۵

چرپٹ حکمران تھا۔ اس کے طور اطوار بہت خراب تھے۔ اس کے متعلق سید قاسم محمود تحریر کرتے ہیں کہ راجہ بڑا عیاش اور ظالم تھا اور کفر و شرک اور فحاشی کا دور دورہ تھا[1] اس علاقے کے عوام الناس کو دین اسلام کی اور اخلاقی قدروں کی ضرورت تھی۔ اس علاقے میں پہنچنے اور لوگوں کو سیدھے راستے پر لانے کے لئے عصمت فروشی کے ایک اڈے کے قریب ہی اپنا حجرہ بنایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرب جوار کے لوگوں نے آپ کی تعلیمات سے متاثر ہو کر اس قبیح کاروبار کا خاتمہ کر دیا۔ آپ کا کلام فارسی زبان میں غیر مطبوعہ موجود ہے اور آپ بہترین شاعر تھے۔ آپ نے ۱۱۲ سال طویل عمر پائی ہے اور آپ کے ہم نشینوں میں حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری، حضرت فریدالدین مسعود گنج شکر، حضرت صدرالدین محمد عارف تھے۔ آپ کی وفات ۶۵۰ھ میں سیہون کے شہر میں ہوئی اور آپ کا مزار سلطان فیروز شاہ تغلق کے دور ۷۷۵ھ میں سیوستان کے حاکم ملک اختیار الدین نے تعمیر کرایا اور بعد میں ۱۲۸۲ء کو سندھ کے حکمران کلہوڑہ خاندان کے ایک سربراہ غلام شاہ نے از سر نو تعمیر کرایا۔ اس وقت بھی آپ کے مزار کے قریب وہ مقامات موجود ہیں جن پر آپ نے عبادت و ریاضت فرمائی تھی۔ وہ باغ اور پہاڑی کو اور مزار کو جولائی ۱۹۸۶ء کو راقم نے خود ملاحظہ کیا۔ دہلی کے حکمران سلطان ناصر الدین محمود کے دور میں آپ کا وصال ہوا تھا۔ سندھ کے اس بزرگ کے علاوہ علاقہ بلوچستان کو دیکھا جائے کہ اس علاقے میں سہروردی بزرگ سب سے پہلے کون تشریف فرما ہوئے تو اس علاقے میں

---

[1] سید قاسم محمود۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا، شہکار بک فاؤنڈیشن۔ کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۳۰۰

پیر لاکھا کا نام ملتا ہے۔

شیخ پیر لاکھا

شیخ پیر لاکھا بلوچستان کے علاقے جھل مگسی کے نامور بزرگ ہیں۔ ان کا والد ہندو تھا۔ اس کے ہاں کافی علاج کے بعد بھی اولاد نہ ہوئی۔ وہ حضرت لعل شہباز قلندر کے ہاں سیہون میں پہنچا اور دعا کے لئے درخواست کی۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے تحریر کیا ہے کہ لال شہباز مراقبے میں گئے۔ دربارِ خداوندی میں دعا کی اور انہیں خوشخبری سنا کر جانے کی اجازت دے دی[1] اس دعا اور خوشخبری کے بعد اس ہندو کو اللہ تعالیٰ نے ایک خوبصورت لڑکا عطا کیا اور وہ لاکھا کے نام سے مشہور ہوا۔ لاکھا کی وجہ تسمیہ اس طرح ہے کہ خوبصورتی کی وجہ سے ہونٹ سرخ رنگ کے تھے اور لاکھا ہندی لفظ ہے اور پان کے اس سرخ رنگ کو کہتے ہیں جو عورتیں خوبصورتی کی خاطر ہونٹوں پر جماتی ہیں۔ اس لڑکے کا جب عنفوان شباب آیا ان دنوں لال شہباز قلندر جھل مگسی بلوچستان کے علاقے میں رشد و ہدایت کی غرض سے تشریف لے کر گئے ہوئے تھے۔ لاکھا کے والدین کو علم ہوا وہ لاکھا کو لے کر حاضر ہوئے۔ لعل شہباز قلندر نے لاکھا کو سینے سے لگایا۔ لاکھا کے دل کی دنیا بدل دی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے مسلسل عبادت و ریاضت کی۔ آپ کا مزار آپ کی وصیت کے مطابق بنایا گیا۔ وصیت یہ تھی کہ مجھے جھل مگسی میں اس مقام پر دفن کیا جائے جہاں میں اور لعل شہباز قلندر ملے تھے[2] بلوچستان کے درۂ مولا میں جھل مگسی سے بیس میل دور جنوب مغرب

---

[1] ڈاکٹر انعام الحق کوثر۔ تذکرہ صوفیہ بلوچستان، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۶ء صفحہ ۲۲۴

[2] ایضاً صفحہ ۲۲۵

کی جانب واقع ہے۔ بلوچستان ملک پاکستان کا ایک صوبہ ہے جس میں بلوچی، سندھی اور پشتو زبان بولی جاتی ہے۔ اس علاقے کے شمال میں افغانستان اور صوبہ سرحد، مشرق میں سندھ اور پنجاب جنوب میں بحیرۂ عرب اور مغرب میں ایران واقع ہے۔[1] یہ علاقہ میدانی اور پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ یہ علاقہ ابتدائی اسلام میں دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلام سے متاثر تھا۔ اسلامی لشکر ایران پر حملہ آور ہونے کی وجہ سے یہ علاقہ بہت پہلے نظریۂ اسلام سے واقف تھا۔ اس علاقے میں سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ سلطان التارکین حمید الدین حاکم گنج مکران کے بہت مشہور ہیں جو شیخ رکن عالم ملتانی کے مرید و خلیفہ تھے اور شیرانی ژوب بلوچستان کے مشہور بزرگ شیخ احمد جوانمرد موجود ہیں جن کا مزار کوہِ سلیمانیہ پر واقع ہے اور وہ شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی کے مرید و خلیفہ تھے۔ اس طرح علاقہ بلوچستان میں سلسلہ سہروردیہ کی تبلیغ واشاعت اور رشد و ہدایت کا فریضہ اوائل میں انجام پایا۔

جن بزرگوں کا اوپر بیان کیا گیا ہے یہ سب سہروردیہ کے بزرگ ہیں جو برصغیر پاک و ہند کے علاقوں میں بہت اوائل میں پہنچے اور علاقے میں پہنچنے والے یہ پہلے سلسلہ کے بزرگ تھے۔ ان کی مساعی جمیلہ سے برصغیر پاک و ہند کے دور دراز علاقوں میں اسلام کی شمع روشن ہوئی اور اسلام کی ضیاء پاشیوں سے لوگ کفر و معصیت سے تائب ہو کر دولت اسلام سے مالا مال ہوئے۔ ان کے ذکر سے یہ جاننا مقصود تھا کہ ہند کے علاقے میں کون سلسلہ سہروردیہ کا بزرگ پہلے پہنچا تا کہ ہند میں سلسلہ سہروردیہ کے پس منظر سے

۱؎ مولانا حامد علی خان اردو جامعہ انسائیکلو پیڈیا۔ غلام علی پرنٹرز، لاہور، ۱۹۸۷ء، صفحہ ۲۵۶

واقفیت حاصل کی جا سکے۔ موزوں ہو گا کہ اس سلسلہ کی ہند میں تعلیمات کو دیکھا جائے۔

تعلیمات

سلسلہ سہروردیہ کی تعلیمات میں یہ بیان کیا جائے گا کہ ان کی تعلیمات کیا تھیں اور دوسرا یہ کہ ان تعلیمات کو لوگوں تک پہنچاتے کس طرح تھے اور کیا طریقۂ کار تھا۔

اس سلسلہ کی تعلیمات میں قرآن حکیم کی تلاوت زیادہ کی جاتی ہے اور سانس بند کر کے "اللہ ہو" کا ذکر کیا جاتا ہے اور ذکر جلی اور خفی کے قائل ہیں اور کرتے ہیں گو کہ قوالی سماع کے قائل ہیں لیکن سنتے نہیں ہیں اور اس سے اعراض برتتے ہیں۔ سید قاسم محمود نے تحریر کیا ہے کہ اس سلہ میں سانس بند کر کے اللہ ہو کہنے کی تاکید کی جاتی ہے۔ یہ لوگ سماع کی جگہ تلاوت قرآن پاک پر زور دیتے ہیں۔ یہ لوگ ذکر جلی اور خفی دونوں طریقوں سے کرتے ہیں[1] معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنی تعلیمات کے لئے ابتدا و انتہا قرآن حکیم کو سمجھتے تھے اور اس کو روحانیت کے لئے لازمی گردانتے تھے۔ قرآن حکیم کے علاوہ یہ لوگ نوافل میں خصوصی دلچسپی لیتے تھے۔ شیخ بہاؤالدین ذکریا نے ایک دفعہ حاضرین سے فرمایا کہ کوئی ایسا فرد ہے جو دو رکعت میں قرآن حکیم ختم کرے اور کسی نے جواب نہ دیا تو شیخ نظام الدین اولیاء لکھتے ہیں کہ شیخ بہاؤالدین پیشرفت و دو یک رکعت ختم قرآن کرد و چہار سیپارہ دیگر خواند و دور کعت دوم سورۃ اخلاص خواندہ نماز تمام شد[2] یعنی شیخ

۱؎ سید قاسم محمود۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا، شاہکار بک فاؤنڈیشن۔ کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۷۰۵ اور آب کوثر صفحہ ۱۵۴

۲؎ نظام الدین اولیاء۔ فوائد الفواد، ترجمہ خواجہ حسن نظامی ثانی، اردو اکادمی دہلی، بھارت، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۰۲

بہاؤالدین آگے بڑھے اور ایک رکعت میں قرآن پاک ختم کر لیا اور چار پارے مزید پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۃ اخلاص پڑھ کر نماز پوری کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعلیمات میں نوافل بھی شامل تھے۔ ان کی تعلیمات کے مطابق سماع سے سرور اور روحانی کیفیت پیدا نہیں کی جاتی۔ ان کی تعلیمات میں سماع نہیں ہے۔ سرخیل سہروردیہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے پاس شیخ احد کرمانی تشریف لائے ان کی فرمائش پر سماع کا بندوبست کیا گیا۔ سماع کے وقت آپ ذکر میں مشغول ہوئے کہ کوئی خبر نہ رہی۔ صبح عبادت گاہ میں خادم آکر کہتا ہے کہ رات کو سماع تھی۔ اس جماعت کے لئے ناشتہ کا انتظام کیا جانا چاہئے۔ شیخ گفت من خبر ندارم[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سماع کے قائل تھے لیکن سنتے نہ تھے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کو زیادہ کرتے تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ذکر میں استغراق اور محبت پیدا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی طرف توجہ نہ رہے۔ ان کی تعلیمات میں یہ بھی تھا کہ لوگوں کو کفر سے ایمان، معصیت سے اطاعت اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف ہدایت کرتے تھے[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کو اس طرح تعلیم دی جاتی کہ وہ کفر سے نکل کر اسلام کی دولت کو قبول کرتے اور وہ مسلمان جو گناہوں میں گروی ہیں ان کو فسق و فجور سے نکالنے کی ایسی تعلیم دی جاتی کہ وہ فسق و فجور اور گناہوں سے تائب ہو جاتے اور اطاعت اسلام قبول کرتے اور عام مسلمانوں کی اس طرح تعلیم و تربیت کی جاتی کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات کو ختم کر دیتے اور روحانیت کی طرف توجہ

[1] نظام الدین اولیاء۔ فوائد الفواد، ترجمہ خواجہ حسن نظامی ثانی، اردو اکادمی دہلی، بھارت، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۹۸

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، سن ندارد، صفحہ ۶۴

دینے لگتے۔ شیخ بہاؤالدین ذکریا فرمایا کرتے تھے کہ ہر بندہ پر لازم ہے کہ صدق و اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور یہ کیفیت اس وقت حاصل ہوگی جب عبادت و ذکر میں غیر اللہ کی نفی اور دوسروں کا مٹا دینا ہو اور یہ حالت ہے احوال کی درستی اور اقوال و افعال میں محاسبہ نفس پر موقوف ہو۔ لہٰذا بغیر ضرورت کے نہ کوئی بات ہو نہ کام، اور ہر قول و فعل سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف التجا، تفرع اور اسی سے استعانت ہو تاکہ اللہ تعالیٰ نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے[1] یعنی خالصتاً رجوع الی اللہ کی تعلیمات تھیں اور ظاہر و باطن کی تطہیر لازمی تھی اور پورے اخلاص کے ساتھ احوال، اقوال اور افعال کی درستگی کی تعلیمات تھیں۔ ان کی تعلیمات میں اہم بات شریعت اسلامیہ کی اتباع ہے۔ حامد بن فضل اللہ جمالی نے تحریر کیا ہے کہ یہ قاعدہ نہیں تھا کہ ان کے معتقدین اور مریدین زمین پر سر رکھیں یا سجدہ کریں۔ جب بہاؤالدین ذکریا ان کے سامنے آتے تھے سنت نبوی کے مطابق السلام علیکم کہتے تھے اور وہ بھی "وعلیکم السلام" فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ وضو نا مکمل کئے ہوئے سلام کے لئے کچھ مریدین حاضر ہوئے جو بعد میں مکمل وضو کر کے آئے ان کے متعلق بہاؤالدین ذکریا نے فرمایا تم ان میں سب سے زیادہ افضل اور سب سے زیادہ زاہد ہو"۔[2]

معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ سختی سے سنت کی پیروی کرنے والے لوگ تھے اور دین اسلام کے علاوہ ان کی دوسری تعلیمات نہ تھیں اور یہ سہروردی

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، سن ندارد، صفحہ ۱۷۳

[2] شیخ حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۷۳

لوگ چشتیوں سے زیادہ امور شرعی میں محتاط تھے[1] ان کی مکمل تعلیمات کی بیّن کتاب "عوارف المعارف" کے نام سے موجود ہے جس کو شیخ شہاب الدین عمر سہروردی نے تصنیف فرمایا تھا اور یہ کتاب چھٹی صدی ہجری ۵۶۰ھ میں تصنیف کی گئی۔ یہ عربی زبان میں لکھی گئی ہے۔ انداز بیان میں بڑی شگفتگی اور اثر آفرینی ہے لیکن زبان مسجع اور مقفی ہے اور یہ کتاب مصر اور بیرون سے متعدد بار چھپ چکی ہے۔ اس کتاب کے تریسٹھ ابواب ہیں۔ شمس بریلوی نے تحریر کیا ہے کہ عوارف المعارف میں موضوع تصوف یعنی کلمہ صوفی، متصوف کی حقیقت، تصوف کے مقامات واحوال پر شیخ المشائخ (شہاب الدین سہروردی) نے بڑی شرح وبسط سے لکھا ہے۔ گویا یہ علم تصوف پر ایک ایسی جامع تصنیف ہے جس میں طریقت و حقائق، معرفت و بحیثیت ایک علم خاص کے بحث کی ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اعمال صوفیہ کا دستور عمل پیش کیا گیا ہے[2] راقم کے پیش نظر یہ کتاب مسلسل رہی ہے۔ یہ علم تصوف پر بہترین اعلیٰ اور عمدہ کتاب ہے اور یہ مکمل مرشد کا فریضہ انجام دینے کے لئے کافی ہے۔ اس کتاب کو سہروردیوں کے علاوہ دیگر سلاسل بھی زیر تعلیم رکھتے تھے۔ ان کی تعلیمات میں ایک اہم بات نظر آئی وہ یہ تھی کہ جو کچھ جس کے پاس علم ہے وہ دوسروں تک پہنچایا جائے۔ حضرت شہاب الدین عمر سہروردی نے مختلف اطراف میں اپنے مریدین بھیجے اور شیخ بہاؤالدین ذکریا مصر سے انڈونیشیا تک وفود اور جماعتیں تشکیل دیتے اور روانہ کرتے۔ اس سے متعلق مولانا نور احمد خان فریدی نے تحریر کیا ہے کہ حضرت

۱۔ شیخ محمد اکرام۔ آبِ کوثر، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۵۴

۲۔ شیخ شہاب الدین سہروردی۔ عوارف المعارف، ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۳۵

شیخ الاسلام (بہاؤالدین ذکریا) کے تربیت یافتہ مبلغین لاکھوں اشرفیوں کا مال لے کر مشرق بعید سے مغرب بعید تک سفر کرتے۔ سامانِ تجارت فروخت کرتے اور ساتھ ہی اسلام کی اشاعت بھی کرتے تھے۔ مزید لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام کے مریدین پر مشتمل جماعتیں اپنے علاقوں میں تبلیغ کا کام انجام دیتی تھیں[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعلیمات میں تبلیغ کرنا، رزق حلال کمانا اور دوسرے علاقوں تک سیاحت کرنا اور سفر کرنا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ ان کی تعلیمات میں لباس + کے لئے جس طرح کا کپڑا ہو پہنتے تھے کوئی مخصوص لباس نہ تھا۔ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابوالنجیب سہروردی کسی مخصوص لباس کے پابند نہ تھے بلکہ بغیر تکلف اور بلا مقصد جیسا لباس مل جاتا تھا پہن لیتے تھے[2] سہروردیوں کی تعلیمات میں مصطلحات کو دیکھا جائے۔

۱۔ تجلی واستتار: یعنی ادب سکھانا، یہ اصلاح عوام کے لئے ہے۔ آراستہ کرنا یہ تزکیہ نفس خواص کیلئے ہے اور سوز و گداز پیدا کرنا یہ مشاہدہ اولیا کرام کے لئے ہے۔

۲۔ تجرید و تفرید: تجرید سے مراد ہے کہ بندہ اپنی امکانی قوت کے مطابق اللہ کی بندگی واطاعت کام میں لائے۔ تفرید سے مراد ہے اپنے اعمال کو نفسانی تحریک کا نتیجہ نہ سمجھے بلکہ اسکو اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھے۔

۱۔ مولانا نور احمد خان فریدی۔ تذکرہ بہاؤالدین ذکریا ملتانی، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۴۳

+ قادریوں کی دستار سبز اور شیخ شہاب الدین نے نیلے جبے کا تذکرہ فرمایا ہے اور اب بعض پیلا لباس وارثی زیب تن کرتے ہیں۔

۲۔ شیخ شہاب الدین سہروردی۔ عوارف المعارف، ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۵۱۱

۳۔ وجد' تواجد و وجود: وجد باطن سے جو روحانی جذبہ وارد ہوتا ہے۔ وجود' وجدان کی فضا سے نکل کر وجد کے دائرے کو وسیع کرنا۔ تواجد' ذکر و فکر سے وجد کو حاصل کرنا۔

۴۔ غلبہ: وجد متواتر کا نام غلبہ ہے۔

۵۔ مسامرہ: ارواح پوشیدہ طور پر مناجات میں مصروف رہیں اور قلب کو اس کا صرف ایک لطیف ادراک ہو۔

۶۔ سکر و صحو: روحانی حال کے غلبہ کا نام ہے اور واپس آنے کا نام ہے۔

۷۔ محو اثبات: نفس کے اوصاف کو دور کرنا اور اہل محبت میں محبت کی تحریک پیدا کرنا۔

۸۔ علم الیقین: جو غور و فکر کے طریقہ سے حاصل ہو۔ عین الیقین بطریق کشف حاصل کرنا' حق الیقین' کھنکھناتی مٹی کے لوث سے آزاد ہونے کے بعد وصال کے قاصد کی آمد پر بندہ حق کو حاصل ہو۔

۹۔ وقت: جو بندے پر غالب ہے یعنی اس سے مغلوب ہو کر حق کا تابع بن گیا۔

۱۰۔ غیبت و شہود: غیب' انسان دنیاوی اشیاء سے غائب ہو کر حق میں مشغول ہو جائے' شہود' اللہ کے حضور میں مراقبہ کے وصف کے ساتھ رہے۔

۱۱۔ ذوق و شرب: مخصوص روحانی حال جس کا اہل ہدایت سے تعلق ہو۔

۱۲۔ محاضرہ: ارباب تلوین کے لئے مخصوص مشاہدہ' ارباب تمکین کیلئے مخصوص ہے اور مکاشفہ ان دونوں فریقوں میں مشترک ہے۔

۱۳۔ طوارق وبوزدکی: یہ مصطلحات کے معنی مبادی حال اور اس کے مقدمات ہیں۔

۱۴۔ تلوین و تمکین: ارباب قلوب کے لئے ہے وہ دلوں کے پردوں کے تحت ہوتے ہیں۔ تمکین' روحانی احوال کے پردوں سے نکل چکے ہیں۔

۱۵۔ نفس: ارباب تصوف کے روحانی احوال ہیں جو ان پر طاری اور وارد ہوتے رہتے ہیں۔[1]

ان مصطلحات کو بعینہ سمجھنا مشکل عمل ہے۔ دراصل ان تمام کا تعلق دل پر وارد ہونے والی کیفیت اور مشاہدات کا بے کیفیت سے ہے اور بعض علوم' احوال و مقامات تصوف اور آداب و اخلاق اور عجائب و وجدانیات' حقائق معرفت توحید' اشارات دقیق و لطیف اور اصطلاحات صوفیہ پر مشتمل ہیں۔ لیکن ان سے کماحقہ آگاہی وجدان اور عرفان کی نسبت کے بغیر اور شوق خال کے ذوق تحقیق کے سوا ممکن نہیں۔ یہ تمام امور بہت کچھ وجدان اور صدق حال سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے بعد تعلیمات کو لوگوں تک پہنچانے کا طریقۂ کار پر نظر ڈالنا چاہئے۔

طریقہ کار

سہروردی بزرگوں کا سلسلہ کی تعلیمات کو پہنچانے کے لئے طریقہ کار کچھ اس طرح کا سامنے آتا ہے جیسا کہ شیخ محمد اکرام نے تحریر کیا ہے کہ بیعت کے وقت سب سلسلوں میں مرید کا سر تراشا جاتا ہے۔ توبہ کرائی جاتی ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ اس کے لئے بیعت ایک نئی روحانی اور اخلاقی زندگی کا آغاز ہو۔[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص مرید ہونے کے لئے آتا ہے اس کا ہاتھ مرشد اپنے ہاتھ میں لے کر اس کو توبہ کراتا اور بیعت لیتا

---

[1] شیخ شہاب الدین سہروردی۔ عوارف المعارف' ترجمہ شمس بریلوی' مدینہ پبلشنگ کمپنی' کراچی' ۱۹۸۹ء' صفحہ ۲۰۷

[2] شیخ محمد اکرام۔ آبِ کوثر' ادارۂ ثقافت اسلامیہ' لاہور' ۱۹۹۲ء' صفحہ ۲۵۴

ہے اور اس وقت ہونے والے مرید کے سر سے بال اتروا دیئے جاتے ہیں۔ یہ اس لئے عمل کرایا جاتا ہے تاکہ ہونے والے مرید کی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہو رہا ہے۔ وہ روحانیت اور اخلاقیت کا دور ہے یہ تبدیلی سلسلہ میں ضروری سمجھی جاتی تھی حج کے موقع پر مرد و عورت بال کترواتے ہیں جو کہ ضروری ہیں[1] مرشد اپنے مرید کو چند وظائف اور اوراد بتاتا ہے اگر علم اور توجہ کی مرید میں کمی ہوتی ہے تو مرید کو مرشد ابتدائی ضروری علم سے بہرہ ور کرتا ہے تاکہ علم اور توجہ پیدا کی جاسکے۔ اس کے بعد مرید کو واپس جانے کی اجازت دے دی جاتی ہے اور اگر وہ مرشد کے پاس ٹھہر کر سلسلہ کی روحانی منازل زیر نگرانی شیخ طے کرنا چاہتا ہو تو وہ مرشد کے پاس ان کی خانقاہ میں ٹھہرتا ورنہ وہ جہاں کہیں بھی مرید ہوتا وہ وہاں خود سلسلہ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر سلوک کی منازل طے کر سکتا ہے۔ اس دوران مرید کا اپنے شیخ سے کسی صورت رابطہ ضرور رہتا ہے۔ شیخ بہاؤالدین ذکریا کا معمول تھا کہ صبح سویرے + مسافر خانہ میں تشریف لے جاتے اور نوواردوں سے ملاقات کرتے اور جس کسی میں شوق ربانی کی آگ شعلہ زن پاتے اسے اپنی تربیت میں لے لیتے[2] اس طرح تربیت کرتے تھے سلسلہ میں ایک طریقہ کار یہ بھی تھا کہ جن حضرات کی تربیت کر دی جاتی ان کو اصلاح احوال اور رشد و ہدایت

---

[1] امام ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب، 'مشکوۃ' جلد اول' ترجمہ عبدالعلیم علوی 'مکتبہ رحمانیہ' لاہور' سن ندارد' صفحہ ۵۸۶

+ یہ بہاء الدین ذکریا کا مسافر خانہ تھا جس میں تین دن تک ہر مسافر کو کھانا اور بستر مفت میں فراہم کیا جاتا اور آگے جانے کے لئے سواری اور زادِ راہ بھی مہیا کیا جاتا۔ یہ عام تھا۔

[2] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان' جلد اول' قصر الادب' رائٹر کالونی' ملتان' ۱۹۷۶ء صفحہ ۱۴۶

کا فریضہ سونپا جاتا۔ اس بات کو مولانا نور احمد خان فریدی نے اس طرح تحریر کیا ہے کہ (مریدین) ہزاروں آپ سے فیض حاصل کرنے کے بعد خلق خدا کی ہدایت کے لئے اقصائے عالم میں پھیل جاتے[1] جانے والے تربیت یافتہ افراد مختلف علاقوں میں پہنچ کر اخلاق کے ذریعہ اور وعظ کے ذریعہ مخلوق خدا کو دین اسلام کا پیغام پہنچاتے تھے۔ اپنی خانقاہ میں شیخ بہاؤالدین ذکریا نے شیخ سید جلال الدین سرخ بخاری' شیخ حسن افغان' شیخ عثمان مروندی بمعروف لال شہباز قلندر' صدرالدین محمد عارف' صدرالدین میر حسینی' مولانا فخر الدین عراقی کی تربیت و تعلیم روحانی فرمائی اور ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ روحانی تربیت حاصل کرنے والوں کو خرقہ خلافت عطا کی جاتی تھی یعنی کپڑے کا بنا ہوا جبہ شیخ کی طرف سے مرید کو پہنایا جاتا اور لکھ کر فارغ ہونے کی تحریر عطا کی جاتی ہے۔ ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ سالانہ لوگ سلسلہ کے بزرگ کے پاس انفرادی و اجتماعی طور پر حاضر ہوتے۔ ان کو سلوک کی منازل طے کرائی جاتیں اور ان کو روحانی اور اخلاقی تعلیم مجمع کی صورت میں دی جاتی اور انفرادی طور پر تعلیم دینے کی ضرورت ہوتی تو مخصوص باتوں کی تعلیم انفرادی طور پر بھی خود شیخ دیتا۔ سالانہ جو اجتماع ہوتا اس میں علماء ایک جانب لاکھوں کے ہجوم میں قرآن و حدیث کا وعظ کرتے اور جھاڑیوں میں چھپ کر یعنی پوشیدہ طور پر عارفانِ حق ذکر و اذکار کرتے۔ اس میں عام لوگوں کے دل پاک ہو جاتے اور لوگوں کو فیہ نفسہ استغراق' مراقبہ اور عبادات شرعیہ کے لئے تیار کیا جاتا اور مرشد کے سامنے پیش کر کے ان کے لئے دعا کرائی جاتی[2] اگر دیکھیں کہ عوام خانقاہوں کی طرف آتی تھی اور ان کی تعلیم و تربیت

---

[1] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان' جلد اول' قصر الادب' رائٹر کالونی' ملتان' ۱۹۷۶ء صفحہ ۱۴۷

[2] ایضاً صفحہ ۸

تربیت بھی کی جاتی تھی لیکن دوسری طرف سلسلہ سہروردیہ کا طریقہ کار یہ بھی تھا کہ جن علاقوں میں مرشد کے پہنچنے کی ضرورت ہے وہاں پر مرشد بھی پہنچتا تھا[1] اور ان کی مشکلات کو حل کیا جاتا جن علاقوں میں وہ مشکلات ہوتی تھیں اس طرح ایک مضبوط و مربوط رشد وہدایت اور اشاعت اسلام کا طریقہ کار وجود میں آگیا تھا اور طریقہ کار میں ایک بات اس طرح بھی تھی کہ ایک مقام کا انتخاب کر کے اس مقام پر مقررہ ایام میں وعظ کئے جاتے۔ جس طرح شیخ بہاؤالدین ذکریا نے ہلادجی مندر کے سامنے چبوترا ہو لیا اور اس پر روزانہ عصر تا مغرب وعظ فرماتے تھے[2] تعلیمات کو عوام تک پہنچانے میں ایک طریقہ کار یہ بھی تھا کہ مبلغ اور مدرس وجود میں لائے جائیں۔ اس کام کے لئے مدرسہ بہائیہ عمل میں آیا اور مختلف زبانوں میں تعلیم دے کر عالم تیار کر کے ان کو مال و دولت عطا کر کے تبلیغ دین کے لئے مختلف علاقوں میں بھیجا جاتا تھا۔ تعلیمات میں ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ حکمران سے مراسم رکھے جائیں تاکہ اس کو خدا کی عبادت کی طرف توجہ دلائی جائے اور مخلوق خدا پر ظلم نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے طریقہ کار میں وقت کے حکمرانوں سے تعلقات کے ضمن میں سلطان شمس الدین التمش کے مراسم شیخ بہاؤالدین ذکریا سے اور سید جلال الدین تبریزی کے استقبال جو سلطان التمش نے کیا تھا[3] کو دیکھا جاسکتا ہے اور صدرالدین سابق رینچن دیو سلطان کشمیر سے

---

1. مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۶ء صفحہ ۸۔ تاریخ ملتان۔ جلد اول، صفحہ ۱۴۴
2. ایضاً۔ تذکرہ بہاؤالدین ذکریا، ۱۹۵۷ء، صفحہ ۵
3. پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ ادارۂ ادبیات، دہلی، بھارت۔ ۱۹۸۱ء، صفحہ ۱۲۱

حضرت بلبل شاہ[1] کے اور سلطان فیروز شاہ تغلق سے شیخ صدرالدین محمد عارف کے تعلقات تھے۔ اسی طرح عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے اور دین اسلام کی ترویج کے لئے یہ روابط بہت مفید تھے۔

سلسلہ سہروردیہ کے پس منظر کو دیکھنے کے بعد اب اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ سلسلہ سہروردیہ کی ہند میں آمد کا زمانہ کیا تھا تاکہ تاریخی تعین ہو سکے۔

نوٹ:

راقم تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ ہند میں اسلام کی زیادہ ترویج واشاعت صوفیاء کرام نے فرمائی اور ہند میں آنے کے بعد اسی علاقے کو ہمیشہ کے لئے منتخب کیا اور اس سرزمین میں ان کے مقدس مزارات بنے۔ ان کی دین کے لئے مساعی جمیلہ اور ان کی قبور یہاں کے مسلمانوں کو دین اسلام کے لئے اُبھارتی اور اکساتی رہیں گی جس کی بناء پر بالکل واضح کہا جاسکتا ہے کہ ہند کی سرزمین میں اسلام ہمیشہ رہے گا۔ اندلس میں مسلمانوں نے علاقوں کو فتح کیا اور صدیوں سے محیط حکومت کی۔ لیکن جب اندلس (اسپین) سے مسلمانوں کا اقتدار ختم ہوا تو وہاں کفر چھا گیا، اب وہاں نام کا بھی کوئی مسلمان باقی نہیں ہے۔ کئی وجوہات کے علاوہ اہم وجہ یہ تھی کہ دین اسلام کی اشاعت کے لئے اندلس میں صوفیاء کرام تشریف فرما نہیں ہوئے۔

---

1. ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر۔ سید میر علی ہمدانی، گلشن پبلشرز، سری نگر، کشمیر، ۱۹۹۱ء۔ صفحہ ۱۲۵

تیسرا باب

سلسلۂ سہروردیہ کی ہند میں آمد

تمہید

گزشتہ باب میں سلسلۂ سہروردیہ کے پس منظر کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اس میں سہروردیہ کی تعریف' وجہ تسمیہ اور محل وقوع' سلسلہ کا بانی' ہند کی سرزمین کے مختلف علاقوں میں پہلے پہنچنے والے سہروردی بزرگ اور سہروردی تعلیمات کو قلم بند کیا گیا ہے۔ زیر نظر باب میں سلسلہ سہروردیہ کا مقام' بغداد کی وجۂ تسمیہ اور اس شہر کی علمی' سیاسی و معاشی رونق' ہند میں سلاطین کا اقتدار' سلسلہ کی ہند میں آمد' سن' راستہ' بزرگ' شہر اور شیوخ کے متعلق تحقیقی انداز میں جائزہ لینا مقصود ہے اور اس میں شک نہیں کہ سلسلۂ سہروردیہ سے پہلے ہند کی سرزمین پر خاصی تعداد میں بزرگ موجود تھے اور وہ سلاسل سے منسلک تھے جیسے شیخ علی ہجویری بمعروف داتا گنج بخش۔ ہجویر میں ۴۰۰ھ کو پیدا ہوئے۔ جنیدیہ سلسلہ سے آپ کا تعلق تھا' لاہور شہر میں ۴۶۵ھ بمطابق ۱۰۷۲ء کو وفات ہوئی [1] شیخ مخدوم شاہ محمد یوسف گردیزی ۴۵۰ھ کو غزنی میں پیدا ہوئے اور ملتان شہر میں ۵۲۱ھ کو دارِ فانی سے کوچ فرما گئے۔ [2] آپ بھی سلسلہ جنیدیہ سے تعلق رکھتے تھے اور شیخ خواجہ معین الدین + سلسلۂ چشتیہ سے وابستہ تھے۔ ۵۲۷ھ میں پیدا ہوئے اور اجمیر

---

[1] شیخ علی ہجویری۔ کشف المحجوب' ترجمہ مفتی غلام معین الدین نعیمی' مدینہ پبلیشنگ کمپنی' کراچی' ۱۹۸۳ء' صفحہ ۱۶

[2] مولانا نور احمد خان۔ تاریخ ملتان' جلد اول' قصر الادب' رائٹر کالونی' ملتان' ۱۹۷۲ء' صفحہ ۱۳۲

+ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے ہند میں تبلیغ کا فریضہ (بقیہ اگلے صفحے پر)

بھارت میں ۶۳۳ھ کو واصل الی اللہ ہوئے[1] اور وہ اپنے طور پر تبلیغِ دین اور رشد و ہدایت میں مصروف رہے ہیں لیکن زیرِ مطالعہ باب میں خالصتاً سلسلہ سہروردیہ کی ہند میں آمد مطالعہ کا واحد مقصد ہے اور لہٰذا سہروردیہ سلسلہ کے مقام کو دیکھا جاتا ہے۔

سلسلہ سہروردیہ کا مقام

سلسلہ سہروردیہ کا مقام دیکھنے کے لئے ان کی ان کوششوں کو دیکھا جائے جو وہ دین کے سلسلہ میں اور رشد و ہدایت کے سلسلہ میں کرتے رہے ہیں۔ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی نے اس کام کو انجام دینے کے لئے کئی خلفاء مختلف اطراف میں مقرر فرمائے۔ ہند میں شیخ بہاؤالدین ذکریا ☆ (متوفی ۶۶۵ھ / ۱۲۶۹ء) شیخ سخی سرور (متوفی ۵۷۷ھ / ۱۱۷۴ء)، شیخ شہاب الدین معروف جگجوت (متوفی ۶۶۶ھ ...... ۱۲۷۰ء) شیخ حمید الدین ناگوری (متوفی ۶۴۳ھ / ۱۲۴۵ء) شیخ بابا شرف الدین عراقی (۶۸۷ھ)

(گذشتہ سے پیوستہ) انجام دینے کے لئے سنسکرت زبان سیکھی تھی اور مقامی زبان میں عوام کو مخاطب کرتے اور وعظ فرماتے تھے۔ سنسکرت سیکھنے کے لئے ملتان میں پانچ سال ٹھہرے۔

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ الاخبار الاخیار، ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، سن ندارد، صفحہ ۵۵

☆ سید وسیم الدین نے روزنامہ "جنگ" ۵ اگست ۱۹۹۴ء کی (گذشتہ سے پیوستہ) کی اشاعت میں شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے نام سے اپنے مضمون میں آپ کے حالات بیان کئے ہیں اور آپ کا سن پیدائش ۵۶۶ھ، وفات کا سن ۶۶۶ھ تحریر کیا ہے جو ۵۶۵ھ اور ۶۶۵ھ کے قریب ہے صرف ایک سال کا فرق ہے۔ زیادہ محقق ۵۶۵ھ پیدائش اور ۶۶۵ھ وفات سے متفق ہیں جو زیرِ نظر مقالے میں بیان کی گئی ہے۔ مراۃ الاسرار کتاب نے بھی سن ۶۶۵ھ وفات تحریر کیا ہے۔ راقم۔

شیخ جلال الدین تبریزی (متوفی ۶۴۱ھ / ۱۲۴۳ء) شیخ نور الدین مبارک غزنوی (متوفی ۶۳۲ھ / ۱۲۳۳ء) شیخ مجد الدین حاجی (متوفی ۶۲۳ھ / ۱۲۳۴ء) شیخ سعدی (متوفی ۶۹۱ھ / ۱۲۹۳ء) شیراز میں اور عجم میں شیخ نجیب الدین علی برغش ۶۷۸ھ کے ذریعہ اسلام کی خوب اشاعت کی۔ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی نے عراق کے علاوہ مصر، شام، حجاز، ایران اور بر کوچک ہندوپاکستان میں دور دور تک غلغلہ بلند فرمایا۔[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انفرادی قوت پیدا فرمائی اور مختلف ممالک کو اپنا ہدف مقرر کیا۔ یہ شیوخ عام دنوں میں عصر تا مغرب وعظ فرماتے تھے[2] شیخ بہاؤالدین ذکریا نے ہلادجی مندر کے سامنے چبوترا بنا کر عصر کی نماز کے بعد وعظ فرمایا کرتے تھے[2] اس کے علاوہ جمعہ کے ایام میں وعظ کا سلسلہ جاری تھا اور ساتھ ہی ان شیوخ نے خانقاہیں بنائیں جن میں تبلیغ اور ذکر و اذکار کی محافل گرم رہتی تھیں۔ شیخ اکرام سلسلہ چشتیہ اور سلسلہ سہروردیہ کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سہروردیہ سلسلہ چشتیہ کی طرح بہت پرانا ہے اور ٹھوس تبلیغی کاموں میں تو شاید اس کا پلہ چشتیہ سے بھاری ہے[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ قادریہ، سلسلہ چشتیہ اور سلسلہ نقشبندیہ کی طرح سلسلہ سہروردیہ پرانا ہے اور تبلیغ دین کے لئے بڑی ٹھوس بنیادوں پر کام انجام دیتا ہے اور شریعت کے نفاذ میں ان کی دلچسپی زیادہ دکھائی دیتی ہے۔ شیخ اکرام نے لکھا ہے کہ سہروردی امور شرعی میں ان سے زیادہ محتاط تھے۔ ان کے ہاں سماع بہت کم

[1] شیخ شہاب الدین عمر سہروردی۔ عوارف المعارف، ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۰۷

[2] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۴۱

[3] شیخ محمد اکرام۔ آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۵۲

تھا۔ خلاف شرع امور پر وہ فوراً ناپسندیدگی کا اظہار کرتے۔ دوسرے مذاہب کے ساتھ ان کا برتاؤ غیر معمولی رواداری کا نہ تھا۔ تبلیغ کا جوش بھی ان میں زیادہ تھا۔[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کے پھیلاؤ اور اس کی اشاعت میں سلسلہ سہروردیہ کا مقام بہت بلند تھا اور شخصیت کے لحاظ سے شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کو دیکھا جانا بھی ضروری ہے۔

آپ اپنے چچا شیخ ابو نجیب سہروردی (متوفی ۵۶۳ھ) سے بیعت تھے۔ وہ پایہ کے بزرگ، عالم دین اور شیخ عبدالقادر جیلانی (متوفی ۵۶۱ھ / ۱۱۶۶ء) کے ساتھ محفل نشین رہتے تھے۔ انہوں نے شیخ شہاب الدین کی تربیت کی اور علم و عرفان کی منازل طے کرائیں اور شیخ عبدالقادر جیلانی کی محافل میں ساتھ لے کر گئے ہیں۔ ان سے شیخ شہاب الدین سہروردی نے فیض حاصل کیا ہے۔ ان کے الفاظ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے لئے یہ تھے۔ یا عمر! انت آخر المشہورین بالعراق۔ یعنی اے عمر تم عراق کے آخری مشہور انسان ہو۔[2] یعنی شخصی شہرت بھی بہت عطا ہوئی۔ اس کے علاوہ اس سلسلہ کی ایک تصنیف کی بڑی شہرت رہی اور اس کو دیکھنے کے لئے کہ وہ کس مرتبہ کی ہے شیخ نظام الدین اولیاء (متوفی ۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء) نے تحریر کیا ہے کہ من پنج باب از عوارف پیش شیخ کبیر فرید الدین گزرانده ام بعد ازاں فرمود کہ آن چہ بیان بود[3] کہ میں نے عوارف کے پانچ باب شیخ کبیر الدین کے

---

[1] شیخ محمد اکرام۔ آب کوثر، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۵۴

[2] شہاب الدین عمر سہروردی۔ عوارف المعارف، ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۰۵

[3] شیخ نظام الدین اولیاء، فوائد الفواد، ترجمہ حسن نظامی، اردو اکادمی، دہلی، بھارت ۱۹۹۲ء، صفحہ ۴۳۹

سامنے پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ وہ بھی کیا بیان ہوتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بزرگ عوارف المعارف کتاب کو خود پڑھتے تھے اور اس کو آگے پڑھاتے تھے اور اس کا بہترین بیان ہوتا تھا جو دلوں پر اثر انداز ہوتا تھا۔ شریعت کی باتوں سے معمور کتاب عوارف المعارف جو تصوف کے رنگ میں بہترین کتاب ہے۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ چشتی سلسلہ کے بزرگ اپنے اوراد میں اس کو شامل رکھتے تھے۔ یہ سہروردیوں کے لئے ایک اعجاز ہے۔ سلسلہ سہروردیہ کے مقام کو اس کے علاوہ سیاست میں دیکھا جانا بھی ضروری ہے۔ اس لئے کہ صوفیاء کرام دنیا کے اقتدار کو پسند نہیں کرتے جیسا کہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ملنے کے لئے شیخ قطب الدین بختیار کاکی کے پاس دہلی تشریف لائے۔ انہوں نے کہا کہ سلطان شمس الدین التمش کو ملاقات کے لئے اطلاع کردوں۔ آپ نے فرمایا اس کو اطلاع نہ کرو۔ میں صرف آپ کو ملنے آیا ہوں۔[1] معلوم ہوتا ہے کہ سلطان گو کہ عقیدت مند تھا لیکن ان مشائخ کی بادشاہوں کی طرف توجہ نہ تھی۔ ان کے قرب کو پسند نہ کرتے تھے۔[2] سلطان غیاث الدین (متوفی ۶۸۶ھ / ۱۲۸۷ء) شیخ فرید الدین گنج شکر (متوفی ۶۶۳ھ / ۱۲۶۵ء) کے پاس دعا کے لئے حاضر ہوا۔ چاندی اور چار گاؤں آپ کی خدمت میں پیش کئے۔ آپ نے چاندی درویشوں میں تقسیم کردی، گاؤں واپس کردیئے۔ اس کے بعد بابا (فرید الدین) نے چشتیہ سلسلہ کی روایات پر عمل کرتے ہوئے سلطان سے کوئی خاص تعلق پیدا نہیں کیا۔[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکی نظام کی

---

[1] شیخ عبدالرحمٰن چشتی۔ مراۃ الاسرار، ترجمہ کپتان واحد بخش سیال، بزم اتحاد المسلمین، لاہور، ۱۴۱۲ھ، صفحہ ۶۸۸

[2] سلیم یزدانی۔ فکر فرید، مطبوعہ ایجوکیشنل پریس، کراچی، ۱۹۸۵ء صفحہ ۱۲۱

[3] پروفیسر خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ادارۂ ادبیات دہلی، بھارت، ۱۹۸۱ء، صفحہ ۱۶۶

طرف سیاست کی طرف اس سلسلہ کی توجہ نہ تھی۔ اس کے مقابل سلسلۂ سہروردیہ کو دیکھا جانا چاہئے کہ وہ سیاست اور ملکی نظام میں کس طرح حصہ لیتے تھے۔ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے متعلق کہ آپ کے مراسم حکمرانوں سے اچھے تھے۔ آپ سلطان ناصر الدین اللہ کی طرف سے خوارزم شاہ کے پاس تشریف لے گئے تھے تاکہ اس کے حملہ کو روکا جا سکے اور آپ بطور سفیر اربل بھی تشریف لے کر گئے تھے[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکی اُمور میں حکمران کی آپ مدد فرماتے رہے ہیں۔ ان کے علاوہ شیخ بہاؤالدین ذکریا نے سلطان شمس الدین التمش کی حکومت میں شیخ الاسلامی کا عہدہ قبول کیا اور مختلف مسائل کے لئے آپ دہلی تشریف لے کر گئے اور سلطان سے ملاقات کی[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ سہروردیہ ملکی نظام اور ملکی سیاست میں قدم رکھتے تھے۔ اس سے سلسلہ سہروردیہ کا ملکی نظام اور سیاست میں مقام کا تعین کرنا مشکل نہیں ہے۔ یہ مشائخ اس سے کیا کام لینا چاہتے تھے اس کے متعلق سید محمد سلطان سہروردی نے لکھا ہے کہ شیخ الشیوخ (شہاب الدین عمر سہروردی) (متوفی ۶۳۲ھ / ۱۲۳۴ء) نے دیگر مشائخین وقت کی طرح نہ تو سلاطین وقت کو دھتکارا اور نہ ہی ان سے کنارہ کشی کی بلکہ ان کو عدل و انصاف، غرباپروری اور امن و اخوت کی تلقین کی اور عملی طور پر ان کے قدمے وسخنے امداد کی جس سے ہمیشہ بہتر نتائج پیدا ہوئے۔ عوام و خواص کے ساتھ ساتھ حاکمان وقت کو بھی فیض پہنچایا۔ اس طرح سلاطین وقت بڑی بڑی گمراہیوں سے بچے رہے اور عوام کی بھی حاجت براری ہوتی

۱ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی۔ عوارف المعارف، ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۰۶

۲ مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۷۱

رہی[1] معلوم ہوتا ہے کہ یہ امتیاز سلسلہ سہروردیہ کو حاصل ہے کہ عوام و حکمران دونوں کی اصلاح پیش نظر رہے۔

سہروردیوں کے اثر و رسوخ کے متعلق جو حکمرانوں پر ان کا تھا شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے کہ خاندانِ خلجی اور خاندانِ غلاماں کے عہدِ حکومت میں سہروردیوں کا اثر و رسوخ چشتیوں سے کم نہ تھا اور بالخصوص سلطان علاؤالدین خلجی، سلطان غیاث الدین تغلق (متوفی ۷۲۵ھ / ۱۳۲۵ء) اور سلطان محمد تغلق (متوفی ۷۵۲ھ / ۱۳۵۱ء) جس حد تک شیخ رکن الدین سہروردی کا پاس کرتے تھے اتنا انہوں نے کسی اور شیخ حتیٰ کہ حضرت سلطان المشائخ کا بھی نہیں کیا۔ شیخ رکن عالم سہروردی (متوفی ۷۲۷ھ) نے یہ اثر خلق خدا کو فائدہ پہنچانے کی خاطر استعمال کیا[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمرانوں سے مراسم سلسلہ سہروردیہ کا امتیاز تھا اور حکمرانوں سے اس تعلق کو وہ مخلوق خدا کی بھلائی کے لئے استعمال کرتے تھے۔ اس امتیازی مقام کے علاوہ لوگوں کی نظر میں سہروردی بزرگوں کی وفات کے بعد بھی مقام کو دیکھا جانا ضروری ہے تو شیخ رکن الدین عالم سہروردی کا روضہ سلطان محمد بن تغلق (متوفی ۷۵۲ھ / ۱۳۵۱ء) نے بنوادیا۔ اس روضے کی بلندی سو فٹ ہے۔ اس کی بنیاد پچاس فٹ ہے۔ بلند ترین عمارت ہے اور تیس میل دور سے نظر آتی ہے[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دلوں پر حکمرانی تھی اور وفات کے بعد بھی بہت احترام دیا گیا ہے۔ شیخ بہاؤالدین ذکریا سہروردی وفات کے بعد اپنی خانقاہ میں دفن ہوئے جو انہوں نے عبادت کے لئے خود تعمیر کرائی تھی۔

۱ سید محمد سلطان سہروردی۔ جدید کلیۂ سہروردیہ، مرکزی انجمن آستانہ عالیہ سہروردیہ، حیدرآباد، سن ندارد، صفحہ ۱۳

۲ شیخ محمد اکرام۔ آبِ کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۶۵

۳ ایضاً

۱۸۴۸ء کی جنگ میں گولہ باری سے گنبد کو نقصان پہنچا۔ ارادت مندوں اور سجادہ نشینوں نے رقم اکٹھی کر کے اس کو دوبارہ تعمیر کرایا۔ ۱۸۶۰ء میں ہندوؤں نے چندہ کر کے بلاد جی کا مندر اونچا کر دیا جس پر مسلمانوں نے احتجاج کیا اور حلاد جی کے مندر کو نیچا رکھا گیا[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ بہاؤالدین ذکریا کا روضہ بھی بہت بلند بنایا گیا ہے۔ اب بھی لوگوں کی حسن عقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

راقم اپنے ساتھیوں جناب ڈاکٹر شبیر احمد خورشید، جناب عبدالواحد خان اور جناب افضال احمد شیخ کے ہمراہ ملتان میں ۱۹۸۹ء جولائی کو مذکورہ مزارات پر حاضری دے چکا ہے۔ ملتان کی یہ سب سے بڑی زیارت گاہ ہے۔ ضلع دادو کے علاقہ میں بلند ترین مزار شیخ لال شہباز قلندر سہروردی کا ہے جو سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہدِ حکومت میں ملک اختیار الدین والی سیوستان نے مزار پر ایک شاندار روضہ تعمیر کرایا[2] اور سلہٹ بنگلہ دیش میں بلند ترین مزار شیخ سید جلال سہروردی (متوفی ۷۴۰ھ) کا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات کے بعد بھی سہروردی بزرگوں کا مقام عقیدت و محبت کی وجہ سے بلند ہی رہا ہے۔ اس پہلو کے علاوہ سہروردیوں کے اوراد کو بھی دیکھا جائے کہ ذکر واذکار کیا کئے جاتے تھے۔ سلسلہ چشتیہ میں سماع ہے، الااللہ کا خفی و جلی ذکر ہے۔ کلمۂ شہادت پڑھنے کا رواج ہے۔ سلسلۂ قادریہ میں بقول مولانا سید شاہ تراب الحق قادری + اس وقت "اللہ ھو، لا الہ الا

[1] مولانا نور احمد خان فریدی، تاریخ ملتان، قصر الادب رائٹر کالونی ملتان، ۱۹۷۲ء، ص ۱۸۰
[2] شیخ محمد اکرام۔ آب کوثر، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۹۵
+ اس قادری سلسلہ کے بزرگ سے پروفیسر محمد شکیل کے ہمراہ راقم نے دس اپریل ۱۹۹۴ء آرام باغ کراچی ان کے دفتر میں ملاقات کر کے قادریہ سلسلہ کے اذکار معلوم کئے۔

اللہ" اور درود شریف جلی اور خفی پڑھا جاتا ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ میں مراقبہ اور ذکر خفی آنکھیں بند کر کے کرنا اور شریعت پر چلنے کی سختی موجود ہے۔ ان سلاسل میں ذکر واذکار بڑی اہمیت کا حامل ہے اور یہ بات تواتر سے معلوم ہوتی ہے۔ اس کے مقابل سلسلہ سہروردیہ میں "اللہ ھو" کا ذکر سانس بند کر کے کیا جاتا ہے اور قرآن حکیم کی تلاوت پر زور دیا جاتا ہے[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیگر سلاسل کی طرح سلسلہ سہروردیہ میں بھی ذکر ہے لیکن اس میں ایک خاص بات قرآن حکیم کی تلاوت پر زور زیادہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن ہی پڑھا جاتا تھا۔ دورِ رسالت میں اور اس کے بعد بھی اس وجہ سے مسلمانوں کے لئے قرآن کو ہی مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اصلاح احوال وافعال کے لئے قرآن ہی ہدایت ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صوفیا کرام کے سلاسل میں یہ سلسلہ اصلاح کا فریضہ قرآن حکیم سے ہی دینا اپنا شعار بنائے ہوئے ہے۔ باقی سلاسل سے یہی اس کا مقام میں امتیاز ہے۔ سلسلہ سہروردیہ کے مقام کا جائزہ لینے کے بعد سلسلہ سہروردیہ کے بانی ثانی شیخ شہاب الدین عمر سہروردی (متوفی ۶۳۲ھ / ۱۲۳۴ء) بغداد میں علم و عرفان کی محافل برپا فرمائیں اور وہاں ہی مدفن ہیں۔ اس لحاظ سے شہر بغداد کو دیکھا جائے۔

بغداد

شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کا مزار بغداد میں ہے۔ بغداد، ملک عراق کا دارالخلافہ شہر ہے اور یہ شہر دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر آباد ہے۔ اس شہر کو ابو جعفر منصور نے ۱۳۵ھ / ۷۶۲ء میں ساسانی گاؤں کی جگہ بسایا تھا۔ یہ شہر دریائے فرات سے ۲۵ میل شمال کی طرف واقع ہے۔ سمیریوں ہی

[1] شیخ محمد اکرام۔ آب کوثر، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۵۴

کے وقت سے یہ مقام صحرائی تجارت کا مرکز چلا آرہا ہے۔[1] منصور عباسی کے بنیاد رکھنے کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے بڑا تجارتی مرکز بن گیا۔ بغداد کے نام کے بارے میں مختلف خیالات ہیں۔ ایک روایت ہے کہ اس کا نام ایک بت بغ کے نام پر رکھا گیا ہے۔ ایک روایت ہے کہ بغداد اصل میں باغ داد ہے۔ یعنی وہ باغ جہاں نوشیرواں مظلوموں کی دادرسی کرتا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ بغداد آرامی لفظ ہے جس کے معنی بھیڑوں کے باڑہ کے ہیں[2] معلوم ہوتا ہے کہ یہ علاقہ ابتداً صحرائی بھیڑ بکریوں کی وجہ سے اور بعد میں اس مقام پر تجارت اور بادشاہوں کی توجہ سے باغات کا ہونا ایک مرکزی حیثیت اختیار کر گیا۔ یہ شہر ہمیشہ مرکزی حیثیت کا حامل رہا ہے حالانکہ اس شہر کو تاتاریوں نے ۱۲۵۸ء، تیمور نے ۱۴۰۰ء میں اور اسماعیل صفوی نے ۱۵۲۴ء میں تباہ کیا تھا۔ اس کے بعد ترکی اور ایران نے اس شہر کو نقصان پہنچایا۔ ۱۶۳۸ء میں سلطنت عثمانیہ کا جزو بنا اور ۱۹۲۱ء کو اس کو برطانیہ نے فتح کیا۔[3] ۱۳۶۶ء مطابق ۱۹۱۸ء میں بغداد کی آبادی دو لاکھ تھی۔ اب بغداد شہر بہت تبدیل ہو چکا ہے۔ اب یہ شہر شمال کی طرف اعظمیہ اور کاظمین سے مشرق میں سے جنوب میں دجلہ کے بڑے موڑ سے اور ادھر المطار المدنی اور قریبی مضافات منصور اور ماموں کے شہروں سے جا ملا ہے۔ ۱۹۴۷ء میں اس کی آبادی چار لاکھ چھیاسٹھ ہزار سات سو تینتیس تھی جو ۱۹۶۷ء میں بائیس لاکھ ستر ہزار

[1] مولانا حامد علی خان۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۷ء، صفحہ ۲۴۹

[2] سید قاسم محمود۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی، ۱۹۸۴ء، صفحہ ۳۴۱

[3] مولانا حامد علی خان۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۸۷ء، صفحہ ۲۴۹

ہو گئی اور موجودہ آبادی پینتالیس لاکھ سے زیادہ ہے۔ اب قدیم عمارتوں کی طرز کی بجائے شہر کے باہر نئے مکانات مغربی طرز کے بنائے گئے ہیں[1] مرکزی شہر ہونے کی وجہ سے مسلسل بڑھ رہا ہے۔ اس شہر میں شیخ عبدالقادر جیلانی، ابو النجیب سہروردی، امام ابو حنیفہ، امام کاظم، حضرت جنید بغدادی، بہلول دانا، ملکہ زبیدہ اور امام ابو یوسف کے مزارات موجود ہیں۔ اس وجہ سے بغداد کو مدینۃ الاسلام، زوار اور دارالاسلام بھی کہتے ہیں[2] سلامتی کے اس شہر کو علم و فضل کے لحاظ سے دیکھا جانا ضروری ہے۔ جب شیخ شہاب الدین عمر سہروردی بغداد میں تشریف فرما تھے اس وقت اس شہر میں کافی مدرسے موجود تھے اور فقہا و محدثین اور صوفیا میں حضرت ضیاء الدین ابو نجیب عبدالقاہر سہروردی، شیخ عبدالقاسم بن فضلان، شیخ ابوالمظفر معروف بہ حبۃ اللہ، شیخ معمر بن فاخر، حضرت ابو زرعہ، حضرت ابن نجار، محدث ابوالغنائم ابن ملان، شیخ ابو العباس اور شیخ الشیوخ عبدالقادر جیلانی بغداد میں موجود تھے۔ یہ عہد خلیفہ مستنجد باللہ عباسی، خلیفہ ناصر الدین اللہ اور خلیفہ المستنصر کا ہے[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغداد میں ان بلند پایہ علماء کے ہونے سے علم و فضل کے چشمے پھوٹ رہے تھے اور اس وقت مدرسہ نظامیہ بھی عروج پر تھا جس کو نظام الملک طوسی نے ۱۰۶۷ء میں بنایا تھا[4] والی خراساں عہد سلجوقیہ کا یہ مشہور وزیر تھا۔ اس نے ایرانی کیلنڈر کی اصلاح

[1] سید محمد قاسم محمود۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی، ۱۹۸۴ء، صفحہ ۳۴۳

[2] مولانا سعد حسن خان یوسفی۔ المنجد، اردو، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۹۴

[3] شیخ شہاب الدین عمر سہروردی۔ عوارف المعارف، ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۰۶

[4] سید محمد قاسم محمود، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی، ۱۹۸۴ء، صفحہ .....

کرائی تھی[1] اس وزیر نے ہیئت دانوں کی کانفرنس بلائی تھی۔ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت علوم وفنون کی کافی آبیاری کی جارہی تھی۔ اس مدرسہ کے علاوہ شیخ عبدالقادر جیلانی کی خانقاہ میں تعلیم وتربیت ہورہی تھی۔ ان کے ۵۶۱ھ میں وصال کے بعد مسند پر شیخ ابوالنجیب سہروردی فائز ہوئے۔ آپ کی وفات ۵۶۳ھ میں ہوئی تو اس رشد وہدایت اور تبلیغ وارشاد کی مسند پر ۵۶۳ھ میں شیخ شہاب الدین عمر سہروردی متمکن ہوئے[2] ان کی یہ درسگاہ دینی تعلیم اور روحانی تربیت کے لئے بڑی شہرت رکھتی ہے۔ اور ان مشہور شخصیات سے معلوم ہوتا ہے کہ علم و فضل بڑا منظم طریقہ سے پھیلایا جارہا تھا اور علم و فنون اور روحانیت کے حصول کے لئے دور دراز علاقوں سے لوگ وہاں پہنچتے تھے اور مذکورہ شیوخ تشنگانِ علوم کو سیراب کرتے تھے۔ شیخ شہاب الدین سہرورد گاؤں سے بغداد پہنچے تھے اور ان کے چچا ابونجیب سہروردی بھی گاؤں سہرورد سے بغداد تشریف لے کر گئے تھے اور شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتان ہند سے بغداد میں حصول علم و عرفان کے لئے تشریف لے کر گئے تھے اور پھر وہاں سے اپنے مرشد کے حکم سے کہ جاؤ ملتان (ہند) میں سکونت اختیار کرو واپس ہوئے[3] معلوم ہوتا ہے کہ بغداد شہر اس وقت پررونق اور علم و عرفان کا مرکزی شہر تھا۔ اس شہر میں صنعت و حرفت کی حالت کو بھی دیکھا جائے کہ اس وقت اس شہر کی معاشی واقتصادی

---

[1] مولانا حامد علی خان۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا' شیخ غلام علی اینڈ سنز' لاہور' ۱۹۸۷ء' صفحہ ۱۷۲۸

[2] شیخ شہاب الدین عمر سہروردی' عوارف المعارف' ترجمہ شمس بریلوی' مدینہ پبلشنگ کمپنی' کراچی' ۱۹۸۹ء' صفحہ ۱۰۷

[3] حامد بن فضل اللہ جمالی' سیر العارفین' ترجمہ محمد ایوب قادری' اردو سائنس بورڈ' لاہور' ۱۹۸۹ء' صفحہ ۱۴۸

حالت کیا تھی۔ چھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں بغداد کی معیشت بہت اچھی تھی۔ جب ساتویں صدی ہجری ۶۵۶ھ مطابق ۱۲۵۸ء میں منگولوں نے بغداد پر حملہ کیا تو اس کی معیشت تباہ ہوگئی تھی[1] اب یہ شہر پھر صنعتی لحاظ سے عمدہ ہوگیا تھا لیکن ۱۹۹۱ء کے ابتدائی مہینوں میں اتحادی فوجوں نے بغداد کو پھر تباہ کردیا۔ اب ۱۹۹۱ء سے ۱۹۹۴ء بغداد کی معیشت تباہ حال ہے۔ بغداد شہر کی وجہ تسمیہ، علمی وسیاسی اور معاشی حالات کو دیکھنے کے بعد ہند میں سلاطین کے اقتدار کو دیکھا جائے۔

ہند میں سلاطین کا اقتدار

بغداد سے جب سلسلہ سہروردیہ کا آغاز ہوا اور اس زمانے میں ہندوستان میں یہ سلسلہ پہنچا تو اس وقت بغداد میں خلیفہ مستنجد باللہ عباسی (متوفی ۵۶۶ھ) خلیفہ ناصرالدین باللہ (متوفی ۶۲۲ھ) اور خلیفہ المستنصر باللہ (متوفی ۱۲۴۲ء) یکے بعد دیگرے برسر اقتدار تھے۔ اس زمانے میں ہندوستان میں سلاطین کے اقتدار کو دیکھنے سے پہلے لفظ ہند کو دیکھنا ضروری ہے۔

ہند

ہند کی وجہ تسمیہ پر علماء نے بحث کی ہے۔ اہل فارس نے جب ہند کے ایک صوبہ پر قبضہ کیا اس دریا کا نام جس کو اب دریائے سندھ کہتے تھے سندھو رکھا اور عرب اس کو مہران کہتے ہیں۔ فارسی والے اس کو سندھو کہتے تھے۔ پرانی ایرانی میں اور سنسکرت میں س کو ہ سے بدلا کرتے تھے جس کی بنا پر سندھو کو ہند کے نام سے پکارا گیا اور اس ملک کا نام ہند ہوا[2] حالانکہ

---

[1] سید قاسم محمود' اسلامی انسائیکلوپیڈیا' شہکار بک فاؤنڈیشن' کراچی' ۱۹۸۴ء' صفحہ ۳۴۲

[2] مولانا سید سلیمان ندوی۔ عرب و ہند کے تعلقات' کریم سنز پبلیشرز' کراچی' ۱۹۷۶ء' صفحہ ۱۲

اسلام کی آمد سے پہلے ہندوستان کا کوئی ایک نام نہ تھا بلکہ ہر صوبہ کا الگ نام تھا اور باہر ریاست کا نام اس کی راجدھانی کے نام سے مشہور تھا اور ہ کا حرف الف ہو کر فرنچ میں اند اور اندیا' دنیا میں مشہور ہو گیا اور درۂ خیبر سے آنے والی قوموں نے اس کا نام ہندوستان رکھا جو فارسی میں ہندوستان بولا جاتا ہے[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہند اور ہندوستان فارسی لفظ ہے اور عربی میں ہند کے معنی عورت کا نام تحریر کیا گیا ہے[2] اور ہندوستان ایک اخبار ۱۹۰۴ء کو لالہ دینا ناتھ نے شہر گوجرانوالہ سے چھاپا تھا جو ۱۹۱۷ء میں ضبط ہو کر ختم ہو گیا[3] صحابیہ رسول جو حضرت ابوسفیان کی بیوی اور عتبہ کی لڑکی ہے اس کا نام ہندہ تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہند کا اسلام کی آمد سے پہلے بھی نام تھا اور عرب و عجم میں بولا جاتا تھا۔ اب ہندوستان دنیا میں ایک بڑے ملک کا نام ہے جس کے ایک حصہ میں آزاد ملک بنگلہ دیش کے نام سے اور ایک حصہ میں آزاد ملک پاکستان کے نام سے اور کچھ کشمیر کے نام سے علاقہ موجود ہے۔

اس زمانہ میں سلطان خسرو ملک (متوفی ۵۸۲ھ) سلطان محمد غوری (متوفی ۶۰۲ھ / ۱۲۰۶ء)' سلطان قطب الدین ایبک (متوفی ۶۰۷ھ) سلطان شمس الدین التمش (متوفی ۶۳۳ھ / ۱۲۳۶ء) سلطان ناصر الدین قباچہ (متوفہ ۶۲۵ھ / ۱۲۲۸ء) رکن الدین فیروز شاہ (متوفی ۶۳۴ھ) رضیہ

۱۔ مولانا سید سلیمان ندوی۔ عرب و ہند کے تعلقات' کریم سنز پبلیشرز' کراچی' ۱۹۷۶ء' صفحہ ۱۳

۲۔ مولانا سعد حسن خان (مترجم) المنجد (اردو عربی) دارالاشاعت' کراچی' ۱۹۷۵ء صفحہ ۱۱۴۰

۳۔ مولانا حامد علی خان۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا' غلام علی اینڈ سنز' لاہور' ۱۹۸۹ء' صفحہ ۱۸۶۳

☆ ناز و نخرے والی عورت کو کہا جاتا ہے ہند۔

سلطانہ (متوفی ۶۳۷ھ) معز الدین بہرام شاہ (متوفی ۶۳۹ھ) علاؤ الدین بن رکن الدین فیروز شاہ (متوفی ۶۴۴ھ) یکے بعد دیگرے بر سر اقتدار تھے۔ سلطان خسرو ملک سے لے کر سلطان علاؤ الدین مسعود بن رکن الدین فیروز شاہ کے دور کا عرصہ نوے (۹۰) سال ہے اور اس طرف بغداد میں خلیفہ مستنجد باللہ عباسی سے لے کر خلیفہ مستنصر باللہ عباسی تک ۸۴ چوراسی سال اقتدار کا عرصہ ہے۔ اس عرصہ کے دوران بغداد سے ہند کی سرزمین پر سلسلہ سہروردیہ پہنچا۔ اس وقت ہند میں مسلمان فاتح پہنچتے رہے تھے لیکن ہندوستان میں ہندو راجہ کثرت سے علاقوں پر اپنا اقتدار بھی رکھتے تھے جیسا کہ کشمیر میں عرنجین دیو بعد میں صدر الدین (متوفی ۷۲۷ھ) پہلے پہلے ہندو اقتدار میں تھے اور راجستھان کے علاقہ میں سلطان معز الدین بمعروف شہاب الدین غوری (متوفی ۶۰۲ھ / ۱۲۰۶ء) راجہ پرتھوی راج کو شکست دی۔ اس سے پہلے اس علاقے میں ہندو راجہ حکومت کرتے تھے۔ گجرات سندھ میں والن واریسی راجپوت اور دیگر راجوں کو قطب الدین نے شکست دے کر ۵۹۳ھ کو اس علاقے کو فتح کر لیا تھا[1] اور بنگال کے راجہ گور گوبند کو سلطان سکندر نے شیخ جلال سلہٹی کے ساتھ مل کر شکست دی تھی[2] اس سے پہلے اس علاقے میں ہندو راجاؤں کی حکومت تھی۔ سلطان قطب الدین ایبک نے بنارس سے بنگال تک کا علاقہ ۵۹۰ھ کو فتح کیا[3] اس علاقہ

۱۔ محمد قاسم فرشتہ۔ تاریخ فرشتہ' ترجمہ عبدالحئی خواجہ' غلام علی اینڈ سنز' لاہور' سن ندارد' صفحہ ۲۳۸

۲۔ مولانا نور احمد خان فریدی۔ تذکرہ بہاؤ الدین ذکریا' رائٹر کالونی' قصر الادب' ملتان' ۱۹۵۷ء صفحہ ۵

۳۔ محمد قاسم فرشتہ' تاریخ فرشتہ' ترجمہ عبدالحئی خواجہ' شیخ غلام علی اینڈ سنز' سن ندارد' صفحہ ۲۳۴

کا راجہ جے چند سلطان قطب الدین ایبک کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس سے پہلے اس علاقے میں ہندوؤں کا راج تھا۔ پنجاب، کوہستان، دہلی، پشاور، لاہور کو سلطان شہاب الدین غوری نے ۵۷۴ھ اور ۶۰۲ھ کے درمیان فتح کیا۔ گو کہ ملتان میں کرامطہ فرقے کی حکومت تھی اور اوچ کو فتح کیا۔ اس میں ہندو راجہ کی حکومت تھی[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غزنی بادشاہوں کی حکومت اور ہندو راجوں کی حکومت سلطان شہاب الدین غوری کے ہندوستان پہنچنے سے پہلے تھی جو بادشاہ ہندوستان میں وارد ہوئے وہ فتح کرنے کے بعد ہندوستان سے واپس چلے جاتے تھے اور سلطان شہاب الدین بھی کچھ عرصہ پہلے اسی طرح کرتا تھا لیکن بعد میں اس نے ہندوستان کو فتح کرنے کے ساتھ اس علاقے میں مسلمان حکمرانوں کا علاقوں میں تقرر کر دیا تاکہ مستقل طور پر ہند پر مسلمانوں کی حکمرانی رہے۔ اس دور سے بہت پہلے محمد بن قاسم نے ہند کے علاقے سندھ دیبل کو ۷۱۲ء ملتان کو ۷۱۳ء فتح کر لیا تھا۔ اس کے بعد سلطان سبکتگین نے ۹۹۴ء میں پشاور پر قبضہ کر لیا تھا۔ سلطان محمود غزنوی نے ۱۰۲۱ء میں لاہور پر قبضہ کیا تھا[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان پر بہت پہلے مسلمان حملہ آور ہو کر مسلم افراد کو اس علاقے میں پہنچنے کا راستہ ہموار کر رہے تھے اور اپنے علاقوں کی سرحدوں کو محفوظ کر رہے تھے[3] اور غریب عوام کی مدد کو پہنچ رہے تھے اور اسلام کے ابدی

---

[1] محمد قاسم فرشتہ۔ تاریخ فرشتہ، ترجمہ عبدالحئی خواجہ، غلام علی اینڈ سنز، لاہور، سن ندارد، صفحہ ۲۱۸

[2] شیخ محمد اکرام۔ آبِ کوثر، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء صفحہ ۴۶۹

[3] پیام شاہ جہاں پوری۔ تاریخ نظریۂ پاکستان، مکتب خانہ انجمن حمایت اسلام، لاہور، ۱۹۷۰ء، صفحہ ۳۹۔ جیساکہ نام سے ظاہر ہے بڑی تحقیق کے بعد یہ کتاب معرضِ وجود میں آئی۔ اور اس کتاب میں معتبر کتب کے حوالے جلی تحریر کئے گئے ہیں اور قابلِ اعتماد کتاب ہے۔ (راقم)

پیغام کو انسانوں تک پہنچا رہے تھے۔ جو ان کی بنیادی ذمہ داری تھی۔ ہند میں سلاطین کے اقتدار کے بعد سلسلہ سہروردیہ کی ہند میں آمد کو دیکھا جائے۔

سلسلہ کی آمد

سلسلہ سہروردیہ + اس وقت ہند میں پہنچا جب کہ اس علاقے میں مسلم حکمران اپنا اقتدار قائم کر چکے تھے اور مسلمانوں کے لئے ہند کے مختلف علاقوں میں پہنچنا آسان اور سہل ہو چکا تھا لیکن جن علاقوں میں ابتدا پہلا سہروردی شیخ پہنچا ہے اس کو دیکھا جائے تو سلسلہ سہروردیہ شیخ ابو نجیب سہروردی سے شروع ہوا۔ آپ کے بھتیجے اور خلیفہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی نے سلسلہ سہروردی کو پھیلایا۔ یہ دونوں بزرگ ہند میں کبھی نہیں آئے۔ ان کا سلسلہ ہند میں پہنچانے والے شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلفاء و مریدین ہیں۔ کچھ ہند سے بغداد تشریف لے کر گئے جیساکہ شیخ نخی سروری (متوفی ۵۷۷ھ) شیخ حمید الدین ناگوری (متوفی ۶۴۳ھ / ۱۲۴۵ء)، شیخ بہاؤالدین ذکریا (متوفی ۶۶۵ھ / ۱۲۷۲ء) ہیں۔ ان بزرگوں نے ہندوستان سے بغرض حصول علم اور بزرگان دین سے ملاقات اور سیاحت کے لئے باہر کے سفر کئے اور بغداد میں شیخ شہاب الدین سہروردی سے ملاقات کی۔ علم و عرفان کی تعلیم و تربیت حاصل کی اور مرید و خلیفہ ہوئے اور پھر واپس ہندوستان تشریف لائے۔ اور کچھ بزرگ سلسلہ سہروردی کے بغداد سے ہندوستان تشریف لائے۔ ان میں شیخ شہاب الدین

+ سہرورد ایران ملک کے شہر زنجان کے مغرب کی طرف ایک قصبہ تھا جو اب زمین پر موجود نہیں ہے۔ راقم نے پروفیسر محمد شکیل، پروفیسر ڈاکٹر شبیر اور سید شبیر ارشاد کے ہمراہ جولائی ۱۹۹۳ء کو ایران کے دورے کے دوران ملاحظہ کیا۔ اس قصبہ کے رہنے والے شیخ ابو نجیب سہروردی تھے۔ ان کے قصبہ کی نسبت سے سلسلہ سہروردیہ مشہور ہوا۔

بمعروف شیخ جگجوت (متوفی ۶۶۶ھ / ۱۲۷۳ء)، شیخ جلال الدین تبریزی (متوفی ۶۴۳ھ / ۱۲۴۶ء) شیخ نورالدین مبارک غزنوی (متوفی ۶۳۲ھ / ۱۲۳۴ء) اور شیخ شرف الدین عراقی (متوفی ۶۸۷ھ) شیخ مجد الدین حاجی (متوفی ۶۲۳ھ) اور شیخ سعدی شیرازی (متوفی ۶۹۱ھ) قابلِ ذکر ہیں۔

مذکورہ بالا شیوخ سلسلہ سہروردیہ بغداد سے حاصل کرتے ہیں اور عازم ہند ہوئے اور مختلف علاقوں میں پہنچے- شیخ بہاؤالدین ذکریا کی ولادت ۵۶۶ھ / ۱۱۷۲ء) میں ہوئی۔

بارہ سال کے تھے کہ والد انتقال فرماگئے۔ بعد میں دو سال قرآن حکیم حفظ کیا۔ اسکے بعد خراسان تشریف لے گئے اور وہاں حصولِ علم کے لئے سات سال ٹھہرے۔ وہاں سے حصول علم کے لئے بخارا پہنچے وہاں آٹھ سال قیام کیا اور بخارا سے حج اور زیارت روضۂ رسول کے لئے مدینہ تشریف فرما ہوئے۔ پانچ سال وہاں قیام کیا۔ وہاں سے بیت المقدس پہنچے اور وہاں سے بغداد آئے۔ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی (متوفی ۶۳۲ھ / ۱۲۳۴ء) سے سترہ دن علم و عرفان اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ حکم ملا کہ ملتان واپس جا کر قیام کرو اور وہاں کے باشندوں کو فیض پہنچاؤ[1] معلوم ہوتا ہے کہ جب واپس ہند میں وارد ہوئے اس وقت آپ کی عمر پینتیس سال تھی اور سن ۶۰۱ھ تھا۔ اس وقت ہند میں برسر اقتدار معزالدین شہاب الدین غوری (متوفی ۶۰۲ھ) تھا۔ حامد بن فضل اللہ جمالی نے اپنی کتاب سیر العارفین میں مذکورہ تمام حالات بیان کئے ہیں[2] سوائے بخارا شہر کے کہ وہاں آپ کتنے

---

[1] سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔ بزم صوفیہ، علامہ ابوالبرکات اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۸ء، صفحہ ۹۰-۹۱

[2] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۴۴

سال ٹھہرے ہیں؟ وہاں آپ آٹھ سال یعنی بخارا شہر میں حصولِ علم کیلئے قیام فرما ہوئے ہیں۔ سیر العارفین میں آٹھ سال کا تذکرہ نہیں ہے۔ مذکورہ عبارت سے صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ ہند میں سلسلہ لے کر شیخ بہاؤالدین زکریا کب پہنچے۔ آپ کے متعلق باقی معلومات باب چہارم میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ شیخ بہاؤالدین زکریا کے علاوہ ایک دوسرے بزرگ شیخ سخی سرور کو دیکھا جائے۔

شیخ سخی سرور

آپ کے والد سید زین العابدین ۵۲۰ھ / ۱۱۸۶ء میں شاہ کوٹ نامی گاؤں میں تشریف فرما ہوئے[1] یہاں میر لاڑ نامی آدمی کی صاحبزادی عائشہ سے نکاح کیا۔ اس پر لاڑ کو پیرائی کہتے ہیں۔ قوم کھوکھر کے فرد اور علاقے کے نمبردار تھے۔ اس عائشہ خاتون سے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک سید احمد سلطان (سخی سرور) اور دوسرے کا نام عبدالغنی تھا۔ سخی سرور کے بغداد جانے کا سال تذکروں میں ۵۳۵ھ / ۱۱۴۰ء درج ہے[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ زین العابدین کے ۵۲۰ھ / ۱۱۶۶ء میں شاہ کوٹ پہنچنے کے ایک سال بعد شیخ سخی سرور پیدا ہوئے اس لئے کہ بغداد میں جانے کے بعد ان کی عمر چودہ سال ہوگی۔ کم عمری میں ملتان سے بغداد جانا جب کہ کوئی رشتہ دار اور دوست ساتھ نہ ہو مشکل نظر آتا ہے اور یہ سفر کافی طویل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی پیدائش ۵۲۱ھ / ۱۱۲۷ء ہوگی۔ والد کی وفات کے بعد ملتان سے بغداد تشریف لے کر گئے ہیں۔ اس وقت وہ شعوری عمر میں چودہ سال کے ہوں گے۔ بغداد میں شیخ عبدالقادر جیلانی سے فیض حاصل کیا اور شیخ شہاب الدین عمر

---

[1] پروفیسر حامد خان حامد۔ تذکرہ سخی سرور، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۱۰۱

[2] پروفیسر حامد خان حامد، تذکرہ سخی سرور، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۱۰۹

سہروردی سے روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ بغداد سے لاہور میں تشرف لائے اور محمد اسحاق لاہوری مولانا سے علم دین حاصل کیا[1]۔ آپ لاہور سے سوہدرا پہنچے۔ چند سال عبادت میں مصروف رہے۔ لوگ آپ سے فیض حاصل کرتے رہے جس کی بنا پر سخی سرور مشہور ہوئے۔ سوہدرا گاؤں سے آپ دھونگل اور دھونگل سے موضع رتی اور وہاں سے شاہ کوٹ تشریف لائے اور رشتہ داروں کی مخالفت کی وجہ سے کوہ سلیمان کے دامن میں قیام پذیر ہوئے۔ اور یہاں ہی آپ کی شہادت ۵۷۰ھ میں واقع ہوئی[2]۔ آپ کی ملاقات چشت گاؤں میں خواجہ مودود چشتی سے ہوئی تھی اور بخارا تشریف لے گئے وہاں خواجہ نجم الدین عمر سے فقہ میں کمال حاصل کیا۔ واپس ہوتے ہوئے ہرات میں شیخ احمد الغامقی جامی سے بھی ملاقات رہی[3]۔ شیخ احمد غامقی جامی کا سال وفات ۵۲۷ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اور اس نام کے شیخ ہوں گے جس سے شیخ سخی سرور کی ملاقات ہوئی ہو گی کیونکہ سخی سرور ۵۲۱ھ میں شاہ کوٹ ملتان میں پیدا ہوئے ہیں۔ چھ سال کی عمر میں ہرات میں شیخ احمد غامقی جامی سے تعلیم حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ شیخ سخی سرور ہند میں کس سن میں واپس آئے کسی کتاب میں مذکور نہیں ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ بغداد، چشت، بخارا اور ہرات میں کوئی تیس سال قیام کیا ہے۔ اس وقت آپ علم و فضل میں یکتا ہو چکے تھے۔ جب ہند میں واپس ہوئے تو اندازے کے مطابق ۵۶۵ھ تھی اور اولاً لاہور میں قیام کیا ہے اور پھر لاہور سے سوہدرا اور سوہدرا سے دھونگل اور دھونگل سے رتی اور رتی سے شاہ کوٹ ملتان اور شاہ کوٹ سے

۱ مفتی غلام سرور لاہوری۔ خزینۃ الاصفیا، مکتبہ نبویہ، لاہور، ۱۹۹۰ء، صفحہ ۱۹۱
۲ مفتی غلام سرور لاہوری۔ خزینۃ الاصفیا، مکتبہ نبویہ، لاہور، ۱۹۹۰ء، صفحہ ۱۹۳
۳ پروفیسر حامد خان حامد، تذکرہ سخی سرور، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۸۵

کوہِ سلیمان + میں رہائش پذیر رہے ہیں۔ یہیں ۵۷۰ھ / ۱۱۷۴ء کو شہید ہوئے۔ اس وقت اس علاقے کو سلطان شہاب الدین غوری نے ۵۷۲ھ میں ملتان کو فتح کیا تھا۔ اور اس سے پہلے اس علاقے پر قرامطہ کی حکومت تھی[1]۔ معلوم ہوتا ہے کہ وفات کے وقت سلطان شہاب الدین غوری کا دور نہیں تھا اور جب ہند میں تشریف لائے اس وقت اوچ، ملتان اور سندھ پر قرامطہ کی حکومت تھی۔ دہلی پر چوہانیوں کی حکومت تھی[2]۔ لاہور پر غزنی خاندان کے ملک خسرو کی حکومت تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غزنی خاندان ختم ہو رہا تھا اس کی جگہ غوری خاندان لے رہا تھا اور ساتھ ساتھ مختلف علاقوں میں راجاؤں کی حکومتیں تھیں۔ اس وقت دین اسلام کو پھیلانا اور لوگوں تک روحانیت کی تعلیم پہنچانا مشکل عمل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن شیخ سخی سرور کے عقیدت مندوں میں ہر قسم کے لوگ موجود تھے اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء آپ کے مدارس، مسجد اور تصنیف کا کوئی پتا نہیں چل سکا۔ اس بزرگ کے علاوہ ہند میں ایک بزرگ علاقہ بہار میں شیخ شہاب بمعروف شیخ جگجوت کے نام سے موجود ہیں۔

شیخ شہاب الدین بمعروف شیخ جگجوت

آپ شیخ شاہ سید شرف الدین یحییٰ منیری کے نانا ہیں اور اوائل میں شیخ

+ کوہ سلیمان پر سے گزرتی ہوئی روڈ کے کنارے کوہ کے شمال میں سلطان سخی سرور کا مزار ہے۔ راقم نے پروفیسر عبد الواحد اور پروفیسر شبیر احمد کے ساتھ ۱۹۸۹ء کو مزار کی زیارت کی۔
۱ معین الحق۔ ماہنامہ بصائر، مضمون سید شاہ محمد شمس الدین، کراچی، جولائی و اکتوبر ۱۹۷۲ء، صفحہ ۸
۲ حکیم شاہ محمد شعیب پھلواری۔ اعیان وطن، دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ، بھارت ۱۹۴۷ء، صفحہ ۵

شہاب الدین عمر سہروردی سے فیض حاصل کیا[1] اور ہند مقام بہار میں تشریف فرما ہوئے۔ آپ کا عرس اکیس ذی قعدہ کی ہر سال موضع عالم گنج جتھلی میں منعقد ہوتا ہے[2] آپ کی وفات ۶۶۶ھ میں واقع ہوئی۔ آپکی قبر کچی درگاہ کے نام سے گنگا دریا کے کنارے موجود ہے۔ آپ کی پیدائش ۵۷۰ھ میں بمقام کاشغر شہر روس ملک میں ہوئی۔ آپ کاشغر سے بغداد تشریف لے کر گئے۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کیا۔ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے بیعت ہوئے اور اجازت نامہ بھی عنایت ہوا[3] پھر آپ ایران آئے اور ایران سے لاہور اور لاہور سے بہار پٹنہ (عظیم آباد) پہنچے اور آخر وقت تک وہاں قیام پذیر رہے ہیں۔ بغداد میں کس سن گئے، ہند میں کس سن وارد ہوئے کچھ مذکور نہیں ہے۔ سید شاہ محمد شمس الدین نے لکھا ہے کہ آپ سلطنت کو چھوڑ کر یادِ الٰہی میں مصروف ہوئے ہیں۔ مزید تحریر کرتے ہیں کہ سلسلہ سہروردیہ کا آغاز بلادِ ہند میں آپ سے ہوا تھا[4] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ برسر اقتدار تھے اور عبادت کی طرف رغبت سے اقتدار کو چھوڑ دیا تھا۔ اندازاً آپ کی عمر اس وقت چالیس سال سے متجاوز ہوگی۔ اس لئے کہ اس عمر میں انسان بندگی کی طرف زیادہ رغبت رکھتا ہے۔ بحسبت چالیس سال کی عمر کے اول حصہ میں، بغداد میں اس اندازے کے مطابق ۶۱۰ھ کے بعد پہنچے ہیں۔ بغداد میں اور ایران میں اگر دس سال ٹھہرے ہیں

[1] معین الحق۔ ماہنامہ بصائر، مضمون سید شاہ محمد شمس الدین، کراچی، جولائی و اکتوبر ۱۹۷۲ء، صفحہ ۸

[2] حکیم شاہ محمد شعیب پھلواری، اعیانِ وطن، دارالاشاعت، خانقاہ مجیبیہ پھلواری شہر پٹنہ بھارت ۱۹۴۷ء، صفحہ ۵

[3] شاہ مراد اللہ منیر۔ آثار منیر ایڈیشن اول، بہار بھارت، ۱۹۴۸ء، صفحہ ۱۱

[4] معین الحق۔ ماہنامہ بصائر، مضمون سید شاہ محمد شمس الدین، کراچی، جولائی و اکتوبر ۱۹۷۲ء، صفحہ ۸

تو ہند میں آپ ۶۲۰ھ میں تشریف لائے ہیں۔ اس وقت دہلی میں برسر اقتدار سلطان شمس الدین التمش تھا۔ آپ لاہور سے ہوتے ہوئے بہار تشریف لے کر گئے ہیں۔ دہلی یا ملتان میں نہیں ٹھہرتے۔ اگر دہلی یا ملتان ٹھہرے تو دیگر سلسلہ سہروردی بزرگوں سے ملاقات ہو جاتی۔ آپ کے تذکرہ سے کتب تصوف خالی ہیں۔ آپ کی صاحبزادی رضیہ کے فرزند شیخ شرف الدین یحییٰ منیری نے آپ کے نام اور علم و فضل کو دنیا میں باقی رکھا[1] اس بزرگ کے علاوہ اوائل میں ہندوستان پہنچنے والے ایک اور بزرگ شیخ نوح بکھری کا نام ملتا ہے۔ اس کو دیکھا جائے۔

شیخ نوح بکھری

بکھر شہر کے مشہور بزرگ نوح بکھری سلسلہ سہروردیہ سے تعلق رکھتے تھے اور ہند میں بہت پہلے سندھ کے علاقے میں دین اسلام کی ترویج و اشاعت میں مصروف رہے ہیں۔ ان کا ذکر کتب میں بہت مختصر ملتا ہے۔ مسعود حسن شہاب نے لکھا ہے کہ شیخ بہاؤالدین ذکریا سے پہلے شیخ شہاب الدین سہروردی سے خرقہ خلافت حاصل کیا[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہند میں آپ کی آمد شیخ بہاؤالدین ذکریا سے پہلے ہوئی ہے۔ جب بہاؤالدین ذکریا اپنے مرشد سے خلافت حاصل کر کے ہند میں آنے لگے تو شیخ شہاب الدین عمر سہروردی نے فرمایا۔ "ہماری بہترین مریدوں میں سندھ میں ایک مرید ہے۔ اس سے ضرور ملنا۔ جب آپ سندھ میں ملنے کے لئے تشریف لائے تو اس وقت حضرت نوح بکھری واصل الی اللہ ہو چکے تھے[3] اس سے

[1] شیخ محمد اکرام۔ آبِ کوثر، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۵۷۔

[2] مسعود حسن شہاب۔ اوچ، اردو اکیڈمی بہاولپور، پاکستان ۱۸۶۷ء صفحہ ۱۹۶

[3] علامہ عالم فقری۔ اولیاء اللہ، شبیر برادرز، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۰ء، صفحہ ۳۴۴

معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ذکریا نے ملنے کی کوشش کی۔ سندھ میں بھر پہنچے لیکن ملاقات نہ ہو سکی۔ شیخ بہاؤالدین ذکریا ہند میں اندازے کے مطابق ۶۰۱ھ میں واپس آئے ہیں یعنی ۶۰۱ھ سے پہلے شیخ نوح واصل الی اللہ ہو چکے تھے۔ اس سے یہ تو اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے مرید ہیں اور پہلے آنے والے سلسلہ سہروردیہ کے فرد ہیں۔ لیکن ہند میں کب آئے۔ اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی نے فرمایا کہ اے بہاؤالدین ذکریا آپ نوح سے ملنا۔ وہ شیخ بہاؤالدین ذکریا سے پہلے قریب کسی سن میں آئے ہیں اور ان کا کسی صورت اپنے شیخ مرشد سے رابطہ رہتا تھا اور آپس میں بڑی محبت و انسیت تھی جس کی وجہ سے شیخ شہاب الدین عمر سہروردی نے اپنے مرید کو یاد کیا۔ اندازے کے مطابق تو یہ چیز سامنے آتی ہے کہ کوئی ۵۹۰ھ تک سندھ ہند میں نوح بھکری تشریف لائے ہیں۔ اس لئے کہ آنے کے بعد اسلام کی ترویج اور علاقے میں شہرت سے یہی اندازہ ہوتا ہے۔ اس وقت سلطان شہاب الدین غوری کا سندھ پر قبضہ تھا اور اس علاقے میں قرامطہ، ہندو اور مسلمان تینوں قسم کے مذاہب موجود تھے۔ پرانی کتب میں شیخ نوح کے متعلق صرف اتنا ملتا ہے کہ شیخ نوح بھکری سروری از اجل اولیاء سندھ و اکمل مریدان شیخ شہاب الدین سہروردی است[1] اس بزرگ کے علاوہ ایک اور بزرگ بابا شرف الدین عراقی دکن حیدر آباد بھارت میں تشریف فرماتے تھے۔

بابا شرف الدین عراقی

آپ عراق ملک کے رہنے والے تھے۔ اس وجہ سے بغداد میں شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے ملاقات کا ہونا یقینی ہے۔ شیخ محمد اکرام نے

۱ میر علی شیر۔ تحفۃ الکرام، پریس مطبع عام، ۱۳۰۴ھ، صفحہ ۱۲۵

لکھا ہے کہ عراق سے آپ عرب تشریف لے گئے اور عرب سے آپ شمالی ہند اور وہاں سے دکن تشریف لائے[1] مزید یہ بھی لکھا ہے کہ آپ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کی وفات ۶۸۷ھ دکن میں بابا کی پہاڑی پر ہوئی۔ ان کے مزار پر باقاعدہ عرس ہوتا ہے[2] شیخ شرف الدین عراقی جس پہاڑی پر قیام پذیر تھے اور دکن کی اس پہاڑی پر عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ اس کو بابا کی پہاڑی کے نام سے شہرت ملی۔ تصوف کی تاریخی کتب میں آپ کا تذکرہ بھی نہیں ملتا۔ آپ کی وفات ۶۸۷ھ ہے اور شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی وفات ۶۳۲ھ میں واقع ہوئی یعنی پینتالیس سال وفات سے پہلے شیخ شہاب الدین سے ملاقات ہو گئی اور خلیفہ بنانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ جوان ہوں گے اور پچیس سال کے لگ بھگ عمر ہو گی۔ اس اندازے کے مطابق ۶۳۲ھ کے دوران آپ عرب گئے اور وہاں سے ہند میں تشریف لائے ہیں۔ اس وقت دکن حیدر آباد کی نئی آبادی کے قریب درگاہ پختہ اینٹوں کی بنی ہوئی بلند گنبد کی عمارت موجود ہے۔ ہر ماہ چاند کی سولہ تاریخ کو فاتحہ ہوتی ہے اور کثرت سے لوگ زیارت کے لئے آتے ہیں اور اب اس مزار پر قوالی بھی ہوتی ہے[3] معلوم ہوتا ہے کہ علاقے کی مشہور روحانی شخصیت ہیں اور علاقے کے لوگوں کی آپ سے بڑی عقیدت مندی ہے۔ آپ نے اس علاقہ میں دین اسلام کی ترویج و اشاعت میں سخت محنت سے کام لیا اور اس دُور دَراز علاقے کے لوگوں کی اصلاح فرمائی۔ اس وقت اس علاقہ پر راجہ وجے نگر کا اقتدار

۱ شیخ محمد اکرام۔ آب کوثر، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۳۶۱
۲ شیخ محمد اکرام۔ آب کوثر، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۳۶۲
۳ مولانا محمد جیلانی صدیقی، شمع طریقہ، ولی اکیڈمی، کورنگی، کراچی، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۱۷۳

تھا۔[1] باباشرف الدین عراقی کی وفات کے وقت دہلی پر سلطان شمس الدین متوفی ۶۸۸ھ کی حکومت تھی۔ اس سلطان کو جلال الدین خلجی نے تخت پر بٹھایا تھا۔ لفظ خلجی کے متعلق تحریر ہے کہ قالج خان کی نسبت سے ان خلجی امراء کو قالجی کہا جاتا تھا۔ کثرت استعمال سے الف گر گیا اور ق کا خ سے تبادلہ ہو گیا اور یوں قالجی سے خلجی بن گیا[2] اور اس وقت دکن حیدر آباد کے لوگ ق کو خ ہی تلفظ کی صورت میں پڑھتے ہیں۔ راقم نے اکثر لوگوں کو کُتب پڑھنے اور گفتگو میں ق کو خ پڑھتے اور کہتے سنا ہے۔ اس بزرگ کے علاوہ ایک اور بزرگ شیخ حمید الدین ناگوری ثم دہلوی کا نام ملتا ہے۔

شیخ قاضی حمید الدین ناگوری

آپ بخارا کے رہنے والے تھے اور اپنے والد بزرگوار عطاء اللہ محمود کے ساتھ معز الدین سام معروف شہاب الدین غوری کے زمانہ میں دار الخلافہ دہلی آئے[3]۔ معلوم ہوتا ہے کہ دہلی اور اس کے دُور دَراز علاقوں میں مسلمانوں کے پہنچنے کا ابتدائی دور تھا۔ شیخ حمید الدین ناگوری کی تاریخ پیدائش صرف شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ۵۱۵ھ تحریر کی ہے[4]۔ آپ کے والد کی وفات دہلی میں ہوئی۔ والد کی وفات کے بعد آپ کو ناگور علاقہ کا قاضی مقرر کیا گیا۔ ناگور' ہندو راجہ پتھورا نے اپنے ایک افسر کے ذریعہ اس

---

1. شیخ محمد اکرام۔ آبِ کوثر' ادارۂ ثقافت اسلامیہ' لاہور' ۱۹۹۲ء' صفحہ ۶۱
2. محمد قاسم فرشتہ۔ تاریخ فرشتہ' ترجمہ عبدالحیٔ خواجہ' غلام علی اینڈ سنز' لاہور' سن ندارد' صفحہ ۲۱۴
3. حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین' ترجمہ محمد ایوب قادری' اردو سائنس بورڈ' لاہور' ۱۹۸۹ء' صفحہ ۲۱۰
4. شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار' ترجمہ مولانا محمد فاضل' مدینہ پبلشنگ کمپنی' کراچی' سن ندارد' صفحہ ۸۵

سر سبز علاقہ کو آباد کیا۔ لہٰذا اس کا نام نوانگر یعنی نیا شہر رکھا گیا۔ جب شہاب الدین غوری کی فوجوں نے پتھورا کو مار دیا۔ ترک فوجوں کے زمانہ میں اس کا تلفظ ناگور بن گیا۔ شیخ حمید الدین ناگوری اس شہر میں تین سال قاضی رہنے کے بعد بغداد تشریف لے گئے۔ وہاں شہاب الدین عمر سہروردی سے مرید و خلیفہ ہوئے۔ ایک سال ٹھہرنے کے بعد روضۂ رسول پر ایک سال دو ماہ آٹھ دن ٹھہرے۔ وہاں سے مکہ معظمہ تشریف لائے۔ وہاں تین سال قیام کیا۔ وہاں سے واپس ہوئے۔ سیر کرتے ہوئے دار الخلافہ دہلی پہنچے[1]۔ جب واپس ہوئے اس وقت سلطان شمس الدین التمش کا دور تھا۔ سلطان التمش کا دور ۱۲۱۰ء سے ۱۲۲۶ء تک کا ہے۔ اس وقت دہلی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ جلوہ گر تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سہروردی سلسلہ لے کر ۱۲۱۰ء کے بعد کسی وقت واپس لوٹے ہیں۔ آپ کے شیخ بہاؤالدین زکریا سے خط و کتابت رہتی تھی۔ آپ کی متعدد کُتب تھیں لیکن طوالع الشموس مشہور تصنیف ہے[2]۔ اس بزرگ کے ہند سے تشریف لے جانے اور پھر واپس ہند میں تشریف لانے کا کوئی سات سال کا عرصہ معلوم ہوتا ہے۔ ان کے والد کی وفات سلطان شہاب الدین غوری کے دور میں ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی اسی دور میں بنے اور سلطان قطب الدین ایبک کے دور میں تین سال قاضی رہنے کے بعد بغداد تشریف لے کر گئے ہیں اور واپس ہوئے تو سلطان شمس الدین التمش کا دور تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کا ابتدائی دور تھا جب واپس ہوئے ہیں۔ اس بزرگ کے واپس

---

1. حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین' ترجمہ محمد ایوب قادری' اردو سائنس بورڈ' لاہور' ۱۹۸۹ء' صفحہ ۲۱۰
2. شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار' ترجمہ مولانا محمد فاضل' مدینہ پبلشنگ کمپنی' کراچی' سن ندارد' صفحہ ۸۵

آنے کا سن ۱۲۱۱ء معلوم ہوتا ہے۔ اس بزرگ کی عمر ۱۲۶ سال تھی۔ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی فرماتے تھے + کہ ہندوستان میں میرے بہت سے خلفاء ہیں لیکن ان میں بزرگ ترین شیخ حمید الدین ناگوری ہیں[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی لمبی عمر ہونے اور علم و فضل کے حدِ کمال تک پہنچنے کا ان کے مرشد نے اقرار کیا ہے۔ اس بزرگ کے علاوہ شیخ سید جلال الدین تبریزی بھی ہند میں تشریف لائے۔

شیخ جلال الدین تبریزی

یہ وہ بزرگ ہیں جو بغداد میں اپنے مرشد شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے ساتھ ایک عرصہ تک رہے اور حج کے لئے ساتھ جاتے اور اپنے مرشد کے لئے گرم کھانے کا بندوبست کرتے تھے۔ جب شیخ بہاؤالدین ذکریا کے ساتھ بغداد سے ہند کے لئے اپنے مرشد سے اجازت لے کر روانہ ہوئے تو اس وقت راستہ میں آپ خراساں کی طرف تشریف لے کر گئے۔ جب سندھ پر سلطان قباچہ کی اور دہلی پر سلطان شمس الدین التمش کی حکومت تھی اس وقت ملتان سے ہوتے ہوئے آپ دہلی تشریف لے کر گئے ہیں۔ دہلی کے سلطان نے آپ کا استقبال دہلی کے باہر آکر کیا ہے۔[2] کچھ عرصہ

+ شیخ قاضی حمید الدین ناگوری از شیخ متقدمین ہندوستان است جامع بود میان علم ظاہر و باطن ولے از مصاد خواجہ قطب الدین قدس سرہ است۔ اگر ارا نسبت از سلسلہ سہروردا ست و مرید و خلیفہ شیخ شہاب الدین سہروردی حوالہ عبدالحق۔ اخبار الاخیار۔ فارسی۔ مطبع مجتبائی دہلی۔ ۱۳۳۲ء صفحہ ۳۷۱

[1] سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔ بزم صوفیہ' علامہ ابوالبرکات اکیڈمی' لاہور' ۱۹۸۸ء' صفحہ ۸۷

[2] شیخ عبدالرحمٰن چشتی۔ مراۃ الاسرار' ترجمہ کپتان واحد بخش سیال' بزم اتحاد المسلمین' لاہور' ۱۴۱۲ھ' صفحہ ۲۲۳

دہلی میں ٹھہرنے کے بعد بدایوں تشریف لے کر گئے اور وہاں سے بنگال ضلع سلہٹ تشریف لے کر گئے ہیں۔ وہاں آپ نے چند باغ اور زمین قیمت دے کر خریدی اور خانقاہ بنوائی اور لنگر جاری کیا۔ وہاں ایک مندر تھا[1] جس کو دیو محل کہا جاتا تھا۔ اس مندر میں روزانہ ایک نوجوان رات کو بھیجا جاتا تھا۔ وہاں دیو اس کو کھا جاتا تھا۔ اس دور میں یہ انسانی قربانی تھی جو دیو کی بھینٹ چڑھائی جاتی تھی۔ کوئی پجاری اس نوجوان کو مار کر اس کی لاش کو غائب کر دیتا تھا تاکہ عوام اور راجہ پر اس کے اثرات مرتب ہوں۔ اس دیو کو سید جلال الدین تبریزی نے مار دیا اور صبح راجہ آیا اس کو آپ نے فرمایا ڈرو نہیں آگے آؤ۔ دیو کو میں نے مار دیا ہے۔ لوگوں نے دیکھا واقع ایسا ہی تھا۔ چنانچہ سب لوگ ایمان لے آئے اور مسلمان ہوئے۔[2] اس دیو محل مندر کے بُت توڑ کر عبادت خانہ بنایا۔ آپ کا مزار اسی بُت خانہ میں ہے۔[3] آپ کی پیدائش ۵۳۲ھ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تحریر کی ہے۔ ایران کے شہر تبریز میں پیدا ہوئے۔[4] ان کی وفات ۶۳۲ھ تحریر ہے جبکہ حامد بن فضل اللہ جمالی نے سن پیدائش نہیں دیا اور وفات ۶۴۱ھ / ۱۲۴۳ء تحریر کی ہے۔[5] یہی موزوں

[1] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین' ترجمہ محمد ایوب قادری' اردو سائنس بورڈ' لاہور' ۱۹۸۹ء' صفحہ ۲۵۰

[2] شیخ محمد اکرام۔ آبِ کوثر' ادارہ ثقافت اسلامیہ' لاہور' ۱۹۹۰ء' صفحہ ۳۰۱

[3] سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔ بزم صوفیہ' علامہ ابوالبرکات اکیڈمی' لاہور' ۱۹۸۸ء' صفحہ ۲۷۶

[4] شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار' ترجمہ مولانا محمد فاضل' مدینہ پبلیشنگ کمپنی' کراچی' سن ندارد' صفحہ ۱۰۱

[5] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین' ترجمہ محمد ایوب قادری' اردو سائنس بورڈ' لاہور' ۱۹۸۹ء' صفحہ ۲۵۰

ہے اسی سن کو شیخ محمد اکرام نے بھی تحریر کیا ہے[1] ان کی وفات کے وقت دہلی پر سلطان علاؤالدین بن رکن الدین فیروز شاہ (متوفی ۶۴۴ھ) کا اقتدار تھا۔ شیخ جلال الدین تبریزی اس وقت بنگال پہنچے ہیں اور اس وقت ابھی مسلمانوں نے بنگال کو فتح نہیں کیا تھا۔ اس وقت لکشمن سین ہندو راجہ کا بنگال پر اقتدار تھا[2] لیکن جب شیخ جلال الدین تبریزی کی وفات ہوئی ہے اس وقت بنگال میں مسلمانوں کا اقتدار قائم ہو چکا تھا اور یہ علاقہ بھی دہلی کے تحت تھا۔ اس بزرگ کے علاوہ دہلی کے ایک اور بزرگ شیخ سید نورالدین مبارک غزنوی سہروردیہ سلسلہ کے موجود ہیں۔

شیخ نورالدین مبارک غزنوی

آپ افغانستان کے صوبہ غزنی میں ۵۵۵ھ کو متولد ہوئے۔ + آپ بغداد میں شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے بیعت و خلیفہ ہوئے۔ سلطان شمس الدین التمش (متوفی ۶۳۳ھ) نے آپ کو شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز کیا تھا اور لوگ محبت میں آپ کو امیر دہلی کہہ کر پکارتے تھے[3] آپ ہند میں کس وقت تشریف لائے یہ تو کسی تاریخ نے آپ کے تفصیلی احوال تحریر نہیں کئے لیکن بالا مذکورہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان التمش کے دور میں دہلی میں تھے۔ ہند میں آنے سے پہلے

---

[1] شیخ محمد اکرام۔ آبِ کوثر' ادارۂ ثقافت اسلامیہ' لاہور' ۱۹۹۰ء' صفحہ ۳۰۱

[2] شیخ محمد اکرام۔ آبِ کوثر' ادارۂ ثقافت اسلامیہ' لاہور' ۱۹۹۰ء' صفحہ ۳۰۰

+ شیخ سید نورالدین مبارک غزنوی رحمۃ اللہ علیہ۔ خلیفہ شیخ شہاب الدین سہروردی است۔ مقتدلو شیخ الاسلام دہلی ...... زمان شمس الدین (سلطان) لو امیر دہلی گفتند (متوفی ۶۳۲ھ) اخبار الاخیار فارسی صفحہ ۲۸۔۲۹

[3] شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار' ترجمہ مولانا محمد فاضل' مدینہ پبلشنگ کمپنی' کراچی' سن ندارد' صفحہ ۶۶

کسی وقت بغداد تشریف لے کر گئے ہیں اور وہاں سلسلہ سہروردیہ میں شیخ شہاب الدین عمر سہروردی مسند پر متمکن ہوئے ہیں اور اگر چھبیس سال میں خلیفہ بنایا گیا ہو تو ہو سکتا ہے کہ آپ ۵۸۰ھ میں اپنے مرشد کے پاس پہنچے ہوں۔ اس وقت ہند میں سلطان شہاب الدین غوری بر سر اقتدار تھا۔ لیکن علماء مشائخ سلطان شمس الدین التمش کے دور میں زیادہ بغداد سے آئے ہیں کیونکہ وہ ایشیا کے حالات سے بددل ہو کر ہندوستان آرہے تھے۔[1] معلوم ہوتا ہے ۶۱۰ھ کے بعد کسی وقت ہند میں پہنچے ہیں اور اپنے علمی قدر کی وجہ سے شیخ الاسلام مقرر ہوئے۔ آپ کی وفات کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اور شیخ عبدالرحمٰن چشتی نے ۶۳۲ھ تحریر کیا ہے[2] دہلی میں حوضِ شمس کی شرقی جانب مشہور ہے اور سلطان شمس الدین التمش کا دورِ حکومت تھا۔ اس بزرگ کے علاوہ شیخ سعدی بھی ہند میں تشریف لائے۔ وہ بھی سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ تھے۔ ان کا ذکر کرنا بہت موزوں ہوگا۔

شیخ سعدی شیرازی

آپ کا نام ناصح الدین اور والد کا نام عبداللہ تھا۔ آپ شیراز میں ۱۱۹۳ء مطابق ۵۸۹ھ کو پیدا ہوئے۔ جس حجرے میں عبادت کرتے تھے اسی حجرے میں ۶۹۱ھ کو انتقال فرمایا[3] آپ کے مزار پر راقم نے حافظ محمد

---

[1] پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات' ادارۂ ادبیات دلی' دہلی' بھارت' ۱۹۸۱ء' صفحہ ۱۱۳

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار' ترجمہ مولانا محمد فاضل' مدینہ پبلشنگ کمپنی' کراچی' سن ندارد' صفحہ ۶۷۔ نیز شیخ عبدالرحمٰن چشتی' مرآۃ الاسرار' ترجمہ کپتان واحد بخش سیال' بزم اتحاد المسلمین' لاہور' ۱۴۱۲ھ' صفحہ ۶۷۷

[3] امجد رؤف خاں۔ سیارہ ڈائجسٹ' اولیاء کرام نمبر' ریواز گارڈن' لاہور' ۱۹۶۹ء' صفحہ ۹۰

شکیل، سید شبیر ارشاد اور ڈاکٹر شبیر احمد خورشید کے ہمراہ جولائی ۱۹۹۳ء میں حاضری دی ہے۔ آپ ہندوستان آئے ہیں۔ آپ نے بُت خانہ سومنات کا سفر بھی کیا اور وہاں کے سب سے بڑے بُت کو توڑا[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہندوستان تشریف لائے ہیں اور جہاد میں مصروف رہے ہیں۔ آپ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے خلیفہ و مرید تھے۔ اپنے پیرومرشد کے متعلق کہتے ہیں میرا پیر دانائے مرشد شہاب۔ دو اندرز فرمود بر روئے۔ آب یکے آنکہ بر خویش خویں مباش۔ دویم آں کہ بر غیر بدیں مباش۔ (ترجمہ) میرے پیرومرشد شیخ شہاب الدین نے کشتی کے سفر میں مجھے دو نصیحتیں کیں۔ ایک یہ کہ خود بیں نہ ہو۔ دوسرا یہ کہ دوسروں کے حق میں بدبیں نہ ہو۔ آپ کی عمر لمبی تھی۔ جب سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے بیٹے سلطان محمد کو جو خاں شہید کے نام سے مشہور ہے۔ ولی عہد مقرر کر کے ملتان بھیجا۔ اس نے دو قاصد بھیج کر شیراز سے شیخ سعدی کو طلب کیا۔ انہوں نے اپنی کمزور جسمانی اور بڑھاپے کی وجہ سے آنے سے انکار کر دیا۔[2] یہ بزرگ ہندوستان آئے تو ہیں لیکن ہندوستان میں اسلام کی ترویج کے لئے کیا کوشش کی معلوم نہیں۔ اور پھر شیراز میں ہی واپس چلے گئے ہیں۔ ہند میں نہیں رہے۔ اس لئے ان کا تذکرہ نہیں کیا جائے گا۔ صرف اتنا دیکھنا مقصود تھا کہ سہروردی ہیں اور ہند میں تشریف لائے ہیں۔ اس بزرگ کے علاوہ شیخ ترک بیابانی کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔

---

[1] شیخ عبدالرحمٰن چشتی۔ مراۃ الاسرار، ترجمہ کپتان واحد بخش سیال، بزم اتحاد المسلمین، لاہور، ۱۴۱۲ھ، صفحہ ۷۲۳

[2] ایضاً صفحہ ۷۳۲

شیخ ترک بیابانی

آپ کی پیدائش ۷۱۸ھ اور وفات ۷۷۱ھ میں ہوئی + آپ کی قبر دہلی میں قلعہ کے پاس فیروز آباد کی جانب ہے۔ اور آپ شہاب الدین سہروردی کے مرید ہیں[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سہروردی بزرگ شیخ ترک بیابانی کے نام سے ضرور دہلی میں ہوئے ہیں لیکن ان کی ملاقات شہاب الدین عمر سہروردی سے ثابت نہیں کی جاسکتی اس لئے کہ شیخ شہاب الدین کی وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی ہے اور شیخ ترک بیابانی کی پیدائش ۷۱۸ھ میں ہوئی ہے۔ یعنی شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی وفات کے ٹھیک اسی سال بعد پیدا ہوئے ہیں۔ اس نام کے کسی اور بزرگ سے بیعت ہوئے ہوں گے۔ اس بزرگ کے علاوہ مولانا مجد الدین حاجی دہلی کے بزرگ ہیں۔

مولانا مجد الدین حاجی

آپ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید ہیں۔ آپ کی پیدائش ۵۷۲ھ میں ہوئی اور وفات ۶۲۳ھ میں ہوئی[2] یہ دور جس میں آپ کی وفات ہوئی سلطان شمس الدین التمش کا تھا۔ بارہ حج کئے تھے اور دہلی کے رہنے والے تھے۔ سلطان نے وزیر انتظامات مقرر کیا تھا۔ صرف دو سال وزارت

+ شیخ ترک بیابانی۔ گویندوے از مریدان شیخ شہاب الدین سہروردی ست واللہ علم واز احوال او چیزے تر شخص نشدہ ست کہ نوشتن نوشائند قبر او نزدیک بقلعہ دہلی است۔ جانب فیروز آباد۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ حوالہ اخبار الاخیار صفحہ ۴۸۔ ۴۹، اصل عبارت میں پیدائش وانتقال کی تاریخ نہیں ہے۔ مترجم نے خود تاریخ تحریر کی ہے۔

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، سن ندارد، صفحہ ۱۱۰

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، سن ندارد، صفحہ ۸۵

کرنے کے بعد مستعفی ہو گئے تھے۔ بقر عید کے بعد تین دن ان کا عرس ہوتا ہے۔ بزرگ کس وقت کہاں شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے ملاقات کرتے ہیں اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ شیخ شہاب الدین حج کے لئے ہمیشہ تشریف لے کر جاتے تھے یہ بھی حج کے لئے گئے ہوں گے۔ اس لئے کہ دونوں کا دور ایک ہی ہے اور ہند میں اس وقت سلطان شمس الدین التمش کا دور ظاہر ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۶۱۰ھ کے بعد ہی آپ مرید ہوئے ہیں اور ہند میں وزارت سنبھالی ہے۔ اس بزرگ کے علاوہ ایک اور بزرگ شیخ ضیاء الدین رومی کے نام سے دہلی کے رہنے والے ہیں۔

شیخ ضیاء الدین رومی

آپ ۶۵۹ھ میں پیدا ہوئے + شیخ شہاب الدین کے مرید و خلیفہ تھے اور ۷۲۱ھ میں وفات پائی اور سلطان قطب الدین بن علاؤالدین خلجی آپ کے مرید و خلیفہ تھے[۱] آپ کی سن پیدائش سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے ملاقات نہیں ہوئی کیونکہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی ہے اور شیخ ضیاء الدین رومی ۶۵۹ھ میں پیدا ہوئے ہیں۔ اس طرح شیخ ضیاء الدین رومی، شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے اکیس سال بعد پیدا ہوئے ہیں۔ اس سے ملاقات

+ شیخ ضیاء الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ از شیخ کبار است خلیفہ شیخ شہاب الدین سہروردی، سلطان قطب الدین علاؤالدین خلجی مرید و خلیفہ او بود۔ حوالہ اخبار الاخیار۔ فارسی۔ صفحہ ۷۳ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان قطب الدین بعد کا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بزرگ بھی بعد کے ہیں۔ اصل عبارت میں تاریخ پیدائش وفات نہیں ہے مترجم نے خود تحریر کر دی ہے۔

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلیشنگ کمپنی کراچی، سن ندارد، صفحہ ۶۱

ثابت نہیں ہو سکتی۔ ان بزرگانِ سہروردیہ کا تذکرہ کرنے کے بعد بحث ختم کرتے ہیں اور اس کو ایک چارٹ کے ذریعہ دیکھتے ہیں۔

سلسلہ سہروردیہ کے ہند میں وارد ہونے کا خاکہ
کچھ اس طرح بنتا ہے

بزرگ کا نام	سن پیدائش	سن وفات	ہند میں آنے کا سن	دورِ حکومت
شیخ بہاؤالدین ذکریا	۵۶۵ھ	۶۶۵ھ	۶۰۱ھ	سلطان شہاب الدین غوری
شیخ سخی سرور (سید احمد)	۵۲۱ھ / ۱۱۲۶ء	۵۷۷ھ / ۱۱۷۴	۵۶۵ھ	قرامطہ
شیخ شہاب الدین معروف جگجوت	۵۷۰ھ / ۱۱۷۴ء	۶۶۲ھ / ۱۲۷۲ء	۶۲۰ھ	سلطان شمس الدین التمش
شیخ قاضی حمید الدین ناگوری	۵۱۵ھ	۶۴۳ھ / ۱۲۴۵ء	۶۱۱ھ	"
شیخ نوح بھکری	ندارد	۷۰۰ھ / ۱۰۶۰ء	۵۸۰ھ	سلطان شہاب الدین غوری
شیخ سعدی	۵۸۹ھ	۶۹۱ھ	۶۲۲ھ	سلطان شمس الدین التمش
شیخ بابا شرف الدین عراقی	ندارد	۶۸۷ھ	۶۳۹ھ	ہندو وجے نگر
شیخ نورالدین مبارک غزنوی	۵۵۵ھ	۶۳۲ھ	۶۱۱ھ	سلطان شمس الدین التمش
شیخ مولانا مجدالدین حاجی	۵۷۲ھ	۶۲۳ھ	۶۱۱ھ	"
شیخ ترک بیابانی +	۷۱۸ھ	۷۷۱ھ	ندارد	سلطان قطب الدین بن
شیخ ضیاء الدین رومی	۶۵۹ھ	۷۲۱ھ	ندارد	علاؤالدین خلجی
شیخ جلال الدین تبریزی	۵۳۲ھ	۶۴۱ھ	۶۱۱ھ	سلطان شمس الدین التمش

+ شیخ ترک بیابانی اور شیخ ضیاء الدین رومی کی سن پیدائش سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعد کے بزرگ ہیں ان کی سن پیدائش کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ ان کی ملاقات شیخ شہاب الدین سہروردی سے ثابت نہیں کی جا سکتی یا سن پیدائش و وفات غلط لکھے گئے ہیں لیکن ان بزرگوں کی تفصیلات بیان کرنے سے کتب تصوف و تاریخ قاصر ہیں۔ راقم محمد سعید

بالامذکورہ ہند میں آنے کا سن جو دیا گیا ہے وہ قرینے سے اور اندازے سے خاکہ مرتب کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر کرنا یہ مقصود تھا کہ ہند میں سب سے پہلے کون سہروردی شیخ وارد ہوا ہے۔ بالامذکورہ بحث اور خاکہ سے شیخ سخی سرور اور شیخ نوح بھکری چھٹی صدی ہجری میں ہند میں پہنچے ہیں اور شیخ بابا شرف الدین عراقی شیخ ججوت، شیخ قاضی حمید الدین ناگوری، شیخ نور الدین مبارک غزنوی، شیخ مولانا مجد الدین حاجی اور جلال الدین تبریزی ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں ہندوستان پہنچے ہیں اور شیخ سعدی ہند میں آنے کے بعد واپس تشریف لے گئے ہیں۔ اور شیخ ضیاء الدین رومی اور شیخ ترک بیابانی بعد کے بزرگ ہیں۔ سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ شیخ سخی سرور اور شیخ نوح بھکری ہند میں سلسلہ لے کر سب سے پہلے جلوہ گر ہوئے ہیں۔ اس کے بعد یہ دیکھا جائے کہ ہند میں یہ بزرگ کس راستے سے داخل ہوئے تھے یعنی اس وقت دین اسلام کو پھیلانے کے لئے آنے والے شیوخ کن راستوں سے میں پہنچتے تھے۔

راستہ

ہند میں وارد ہونے کے لئے چھٹی اور ساتویں ہجری میں جو راستے استعمال کئے جاتے تھے ان راستوں میں پشاور کا راستہ اور کوئٹہ کا راستہ دیکھا جائے۔ مولانا نور احمد خان نے تحریر کیا ہے کہ محمود غزنوی چل کر بنوں آیا ہوگا۔ اور یہاں سے خرم ہوتا ہوا اور عیسیٰ خیل کے قریب دریائے سندھ کو عبور کرتا ہوا براہِ خوشاب و شاہ پور بھیرہ آگیا ہوگا۔[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت لوگ جو بغداد سے سفر کرتے تھے وہ خشکی کا راستہ جو پشاور کی طرف سے ہندوستان میں داخل ہوتا تھا وہ

۱ مولانا حامد علی خان۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا' غلام علی اینڈ سنز' لاہور' ۱۹۸۹ء' صفحہ ۱۰۴۳

درۂ خیبر سے پشاور اور بنوں استعمال ہوتا تھا اور اس کے علاوہ لشکر کشی بھی انہی راستوں سے ہوتی تھی۔ یہ شمالی اور مغربی سرحد ہندوستان سے ملتی تھی۔ اس راستے کو حفاظتی لحاظ سے نگاہ میں رکھا جاتا تھا۔

مولانا حامد علی خان نے لکھا ہے کہ جب بلبن شاہ بنا حکومت کا نظام مستحکم کیا۔ شمالی و مغربی جانب سے بار بار تاتاریوں کے حملے ہو رہے تھے۔ بلبن نے شمالی و مغربی سرحد پر مضبوط حفاظتی چھاؤنیوں کا ایک سلسلہ قائم کر دیا[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شمالی و مغربی جانب سے ہی راستہ تھا جہاں سے ہند میں لوگوں کا آنا جانا ہوتا تھا اور یہ راستہ درۂ خیبر پشاور سے ہی داخل ہوتا ہے اور تاتاری قوم بھی ہند میں اسی راستہ سے حملہ آور ہوتی تھی۔ مولانا نور احمد خان نے لکھا ہے کہ شیخ بہاؤالدین ذکریا کی خشکی کے راستے تجارت ہوتی تھی وہ راستے کابل' ایران' دہلی اور لاہور اور دکن سے تجارت ہوتی تھی[1] اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہند میں آمد و رفت کے لئے ایک راستہ کابل سے پشاور موجودہ پاکستان کا شہر اور صوبائی دار الخلافہ استعمال ہوتا تھا۔ مزید اس عبارت کو دیکھیں کہ افغانوں نے پشاور کے کوہستان میں ایک حصار کھینچا اور اس کا نام خیبر رکھا اور روہ کے ملک پر ایسے قابض ہوئے کہ آل سامانی کے عہدِ حکومت میں سامانی لشکر کو بھی انہوں نے لاہور تک نہ پہنچنے دیا۔ اسی بناء پر سامانی لشکر کی لوٹ مار آخر تک ہمیشہ سندھ اور بھاطنہ کی طرف رہی ہے۔ روہ سے وہ خصوص کوہستانی سلسلہ مراد ہے جو لمبائی میں بجور سے سیوی تک جو بکر کا علاقہ ہے اور چوڑائی میں حسن ابدال اور کابل تک پھیلا ہوا ہے۔[2] اس عبارت میں دو راستوں کی نشاندہی ہو رہی ہے۔ ایک راستہ

۱ مولانا حامد علی خان۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا' غلام علی اینڈ سنز' لاہور' ۱۹۸۹ء' صفحہ ۱۳۲

۲ محمد قاسم فرشتہ۔ تاریخ فرشتہ' جلد اول' ترجمہ عبدالحئی خواجہ' غلام علی اینڈ سنز' لاہور' سن ندارد' صفحہ ۸۳

افغانستان سے ہند میں پہنچنے کا جو پشاور شہر سے آئے گا اس راستے سے لاہور تک پہنچا جائے گا۔ پشاور کے قریب پہاڑوں میں ایک حصار قائم کیا گیا اور اس کو خیبر کا نام دیا گیا یہی راستہ افغانستان سے ہندوستان میں داخلے کا ہے۔

اور دوسرا راستے کی نشاندہی کوہِ سلیمانی جو سندھ اور بھادلنہ تک پہنچتا ہے یہ کوہستانی علاقہ کہلاتا ہے اور سیوستان یعنی موجودہ بلوچستان اور سندھ ضلع دادو اور لاڑکانہ سے یہ راستہ ٹھٹھہ اور بھکر کی طرف جاتا تھا۔ مزید اس کو اس طرح سمجھیں کہ بھاطنہ کی اصل بھاطیہ ہے۔ ایک ہندو راجہ نے ایک شہر بسایا تھا اس ہندو راجہ کا نام بھاطیہ تھا۔ اسی نام سے یہ شہر ملتان کے قریب تھا اور بجور سے مراد چترال اور دریائے کابل کا درمیانی علاقہ ہے اور سیوی سے مراد قلات کا علاقہ ہے جو اس وقت بلوچستان میں کوئٹہ شہر اور بیلہ کے درمیان واقع ہے[1] یہ راستہ دراصل موجودہ کچھ اس طرح تھا کہ شیراز+ سے زاہدان اور وہاں سے کوئٹہ سیوستان سے بھکر یا ٹھٹھہ کا تھا۔ خشکی کے ان دونوں راستوں کو راقم نے کئی بار ملاحظہ کیا ہے۔ ان دونوں راستوں کے علاوہ کشمیر کی طرف سے بھی ہند میں داخل ہونے کا راستہ تھا۔ وہ اس طرح تھا کہ عرب ہندوستان کو بری اور بحری دونوں راستوں سے آیا کرتے تھے۔ بری راستہ ایران، سمرقند، کشمیر سے ہوتا ہوا ہند کو جاتا تھا[2] اس عبارت میں جو

---

[1] محمد قاسم فرشتہ۔ تاریخ فرشتہ، جلد اول، ترجمہ عبدالحئی خواجہ، غلام علی اینڈ سنز، لاہور، سن ندارد، صفحہ ۸۳

+ ایران ملک کے شیراز شہر میں شیخ سعدی سہروردی کے مزار پر راقم نے پروفیسر محمد شکیل، پروفیسر ڈاکٹر شبیر احمد اور شبیر ارشاد کے ہمراہ جولائی ۱۹۹۳ء حاضری دینے کا شرف حاصل ہوا۔ راقم محمد سعید

[2] پیامِ شاہجہاں پوری۔ تاریخ نظریہ پاکستان مکتب خانہ انجمن حمایت اسلام، لاہور، ۱۹۷۰ء، صفحہ ۳۳

شہر سمرقند سے واخان کی پٹی سے گزر کر کشمیر کی طرف سے ہوتے ہوئے ہند میں داخل ہونے کا راستہ تھا۔ ہند میں داخل ہونے کا یہ تیسرا راستہ ہے۔ اس راستے سے بہت کم مسلمان داخل ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ اس علاقے میں ہند کے باقی علاقوں میں بہت بعد میں اسلام پہنچا۔ جیسا کہ شیخ بلبل شاہ پہلے سہروردی بزرگ ۷۲۴ھ میں رنجین دیو کو مسلمان کرتے ہیں اور اس کا نام صدرالدین رکھتے ہیں[1] یہ پہلے بزرگ ہیں جو کشمیر پہنچے ہیں۔ خاص کر دین اسلام کی تبلیغ آٹھویں صدی ہجری یعنی چودہویں صدی عیسوی میں ہوئی ہے[2] اس علاقے میں کہیں کہیں اِکا دُکا مسلمان تھے۔ بہر صورت ایک راستہ ہند میں داخل ہونے کا تھا۔ اس راستہ کے علاوہ سمندر کے کنارے کنارے بھی لوگ سفر کیا کرتے تھے اور اس طرح ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں پہنچتے تھے۔ جیسا کہ مولانا سید سلیمان ندوی نے راستوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہند میں پہنچنے کا عربوں کے متعلق لکھا کہ سمندر کے کنارے کنارے حضر موت، عمان، بحرین اور عراق کے کناروں کو طے کر کے خلیج فارس کے ایرانی ساحلوں سے گزر کر یا تو بلوچستان کی بندرگاہ تیز میں اُترتے تھے یا پھر آگے بڑھ کر سندھ کی بندرگاہ دیبل (کراچی) میں اُترتے تھے۔ پھر آگے بڑھ کر گجرات اور کاٹھیاواڑ بندرگاہ (بمبئی) کھمبائت چلے جاتے تھے[3] اس عبارت سے ایک چوتھا اور پانچواں راستہ معلوم ہوتا ہے۔ ایک تو سمندر کے کنارے عراق سے لوگ چلتے تو خشکی کے راستے بلوچستان

---

[1] ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر۔ سید میر علی ہمدانی، گلشن پبلشرز، سری نگر، کشمیر، ۱۹۹۱ء، صفحہ ۱۲۵

[2] ایضاً

[3] عرب و ہند کے تعلقات۔ مولانا سید سلیمان ندوی، کریم سنز پبلشرز، کراچی، ۱۹۷۶ء، صفحہ ۷

ہند میں پہنچ جاتے تھے اور دوسرا کشتیوں پر سفر کیا جاتا تھا یعنی سمندر کے اندر سفر کرتے لیکن سمندر کے کنارے کے ساتھ ساتھ اور بلوچستان، دیبل، گجرات، کاٹھیاواڑ کے علاقوں میں پہنچ کر کشتی سے اترتے تھے۔ یہ راستے لشکر کشی، اپنے نظریات کی تشہیر، تجارت اور سیاحت کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔ ہند میں پہنچنے کے لئے ذیل کے ایک خاکہ کو ملاحظہ کریں۔

یعنی ہند میں داخل ہونے کے پانچ راستے استعمال میں تھے۔ وہ کشمیر، پشاور، کوئٹہ، سمندر کا کنارا اور سمندری راستہ کشتیوں کے ذریعے آنے جانے کے لئے تھا۔ سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ دو راستے پشاور اور کوئٹہ کو استعمال کرتے ہوئے پہلے ملتان پہنچتے تھے اور پھر ہند کے اندرونی علاقوں میں تشریف لے جاتے تھے اور جو سمندری راستے سے سفر کرتے تھے وہ کشتی کے ذریعہ ہند کے دور دراز علاقوں تک جا پہنچے۔ ان میں شیخ بابا شرف الدین عراقی بھی کشتی کے ذریعے سیر و سیاحت کرتے ہوئے دکن حیدر آباد ہند میں پہنچے تھے۔ مندرجہ ذیل بزرگ کس شہر میں تشریف لے کر گئے، ملاحظہ کریں۔

نام بزرگ	سن وفات	شہر مدفن	شیخ یعنی مرشد کا نام
شیخ سخی سرور (احمد سلطان)	۵۷۷ھ	ڈیرہ اسماعیل خان	شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت تھے
شیخ نوح بکھری	۷۰۰ھ (اندازا)	بکھر (سکھر)	//
شیخ بہاؤالدین ذکریا	۶۶۵ھ	ملتان	//
شیخ نورالدین مبارک غزنوی	۶۳۲ھ	دہلی	//
شیخ قاضی حمید الدین ناگوری	۶۴۳ھ	دہلی	//
شیخ شہاب الدین معروف جگجوت	۶۶۶ھ	بہار	//

نام بزرگ	سن وفات	شہر مدفن	شیخ یعنی مرشد کا نام
شیخ بابا شرف الدین عراقی	۶۸۷ھ	دکن حیدر آباد	شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت تھے
شیخ مجد الدین حاجی	۶۲۳ھ	دہلی	//
شیخ جلال الدین تبریزی	۶۴۱ھ	بنگال (سلہٹ)	//
شیخ بلبل شاہ	۷۲۷	کشمیر سرینگر	شیخ نعمت اللہ سہروردی

بالا مذکورہ سہروردی بزرگ چھٹی صدی ہجری نصف کے بعد اور ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں ہندوستان تشریف لائے تھے اور کشمیر ہند کے علاقے میں آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں سلسلہ سہروردیہ پہنچا ہے۔ سلسلہ سہروردیہ کے ہند میں آمد کے بعد اب چوتھے باب سلسلہ کی تبلیغی کاوش شیخ بہاؤالدین ذکریا کے حوالے سے دیکھا جائے۔

باب چہارم

ہند میں سلسلہ سہروردیہ کی تبلیغی کاوشیں بحوالہ شیخ بہاؤالدین ذکریا

باب سوم میں سلسلہ سہروردیہ کی ہند میں آمد کی تاریخ تعین کا جائزہ لیا گیا تھا۔ زیر مطالعہ چہارم باب میں اس بات کا جائزہ لینا مقصود ہے کہ ہند میں سلسلہ سہروردیہ کی تبلیغی و تعلیمی کاوشیں کس طرح کی تھیں اور اس بات کو جاننے کے لئے شیخ بہاؤالدین ذکریا کو دیکھا جائے گا۔ لہٰذا اس باب میں شیخ بہاؤالدین ذکریا کی پیدائش، خاندان، شجرہ، ملتان، تعلیم، سیاحت، ہند میں سلسلہ کی آمد، خانقاہ، مدرسہ، تبلیغی تعلیمات، معیشت، عبادات، تصانیف، وفات، سیاست، اولاد، بیعت اور خرقہ کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

پیدائش

آپ کا نام بہاؤالدین ذکریا اور والد کا نام وجیہ الدین اور دادا کا نام کمال الدین علی شاہ ہے۔ آپ قریش خاندان کے فرد تھے اور آپ کی کنیت ابو محمد اور ابوالبرکات ہے۔ آپ کی پیدائش کوٹ کروڑ ۵۶۶ھ میں ملتان کے قریب قصبہ میں ہوئی[۱] کروڑ قصبہ ضلع مظفر گڑھ میں واقع ہے۔ اور آپ کی پیدائش ۲۷ رمضان المبارک ۵۶۶ھ کو کروڑ قصبہ میں ہوئی[۲] تاریخ

---

[۱] شہزادہ داراشکوہ قادری۔ سفینۃ الاولیاء، ترجمہ محمد علی لطفی، نفس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۱۵۲

[۲] مولانا نوراحمد خان فریدی، تذکرہ حضرت بہاؤالدین ذکریا، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۵۷ء، صفحہ ۴

پیدائش میں اختلاف نہیں ہے اور یہی صحیح ہے کہ آپ کی پیدائش ۵۶۶ھ میں کروڑ قصبہ میں ہوئی تھی۔

خاندان

آپ کے آباؤاجداد مکہ معظمہ سے ہند میں تشریف لائے تھے۔ آپ کے دادا کمال الدین علی شاہ قریشی مکہ معظمہ سے خوارزم آئے تھے۔ خوارزم ایران کا ایک شہر ہے۔ خیوہ کا پرانا نام ہے۔ وسط ایشیا' قرونِ وسطیٰ کی سلطنت' خیوہ کی سلطنت خاناں سے قبل قائم ہوئی۔ دارالحکومت ارگنج آٹھویں صدی عیسوی میں عرب فاتحین نے یہاں کی آبادی کو مشرف بہ اسلام کیا[1] خوارزم سے قبۃ الاسلام شہر ملتان پہنچے اور شہر میں ایک زمانے تک سکونت پذیر رہے۔ آپ حرمین کے حاجی تھے۔ پرہیزگاری میں اعلیٰ درجہ رکھتے تھے۔ آپ کے ایک لڑکے کا نام وجیہ الدین تھا جو نیک نفسی اور فرشتہ خصلت جوان تھا۔ اس جوان کی شادی مولانا حسام الدین کی عفیفہ وطاہرہ صاحبزادی سے ہوئی۔ مولانا حسام الدین ترمذی تاتاری قوم (منگول) کی تباہ کاریوں کی وجہ سے ہندوستان کروڑ کوٹ میں تشریف لائے تھے[2] ترمذ 'نوآزاد' ریاست ترکستان (روس) کا ایک شہر دریائے جیحون کے کنارے آباد ہے۔ اسے موسیٰ بن عبداللہ بن حازم نے فتح کر کے اسلامی سلطنت میں شامل کیا تھا۔[3] مولانا حسام الدین کا خاندان اچھا اور علم و فضل میں اپنا مقام رکھتا تھا۔ یہ دونوں

[1] مولانا حامد علی خان۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا' شیخ شوکت علی اینڈ سنز' لاہور' ۱۹۸۹ء' صفحہ ۵۸۱

[2] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین' ترجمہ محمد ایوب قادری' اردو سائنس بورڈ' لاہور' ۱۹۸۹ء' صفحہ ۱۴۴

[3] مولانا حامد علی خان' اردو جامع انسائیکلوپیڈیا' شیخ شوکت علی اینڈ سنز' لاہور' ۱۹۸۹ء' صفحہ ۳۸۶

کوٹ کروڑ میں رہائش پذیر تھے۔ شیخ بہاؤالدین زکریا کے خاندانی نسبت اسد قریشی سے جاملتا ہے جو قریش میں ممتاز ہستی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ ماجدہ کے جدِ امجد تھے[1] آپ کے خاندان کے بعد آپ کا روحانی شجرہ دیکھا جائے۔

شجرہ

آپ کا روحانی شجرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے رسول اکرم ﷺ سے جاملتا ہے اور کتب تصوف نے اس طرح بیان کیا ہے:

اسم گرامی	سن وفات	مدفن شہر	ملک
شیخ بہاؤالدین زکریا سے	۶۶۵ھ	ملتان	پاکستان
شیخ شہاب الدین سہروردی سے	۶۳۲ھ	بغداد	عراق
شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی سے	۵۶۳ھ	بغداد	عراق
شیخ قاضی وجیہ الدین سہروردی سے	۴۶۲ھ	بغداد	عراق
شیخ ابو محمد عمویہ سے	۳۷۳ھ	......	......
شیخ احمد اسود دینوری سے	۳۴۰ھ	سمرقند	روس
شیخ ممشاد دینوری سے	۲۹۹ھ	......	......
شیخ جنید بغدادی سے	۲۹۷ھ	بغداد	عراق
شیخ سری سقطی سے	۲۵۳ھ	بغداد	عراق
شیخ معروف کرخی سے	۲۰۰	بغداد	عراق
شیخ خواجہ داؤد طائی سے	۱۶۵ھ	بغداد	عراق
شیخ حسن بصری سے	۱۱۰ھ	مدینہ منورہ	سعودی عرب
امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے	۴۰ھ	نجف اشرف	عراق
حضرت رسول اکرم ﷺ			

[1] شیخ عبدالرحمٰن چشتی۔ مراۃ الاسرار' ترجمہ کپتان واحد بخش سیال' بزم اتحاد المسلمین' لاہور' ۱۴۱۲ھ' صفحہ ۶۹۵

ہند میں سلسلہ سہروردیہ کے پھیلانے میں شیخ بہاؤالدین زکریا کی بہت جد مسلسل رہی ہے۔ انہی کا یہ کرسی نامہ یا شجرہ مبارکہ پیش کیا گیا ہے۔[1] اس شجرہ میں اختلاف نہیں ہے۔ اس وجہ سے یہ صحیح ترین ہے۔ اس شجرہ کے بعد ملتان کو دیکھا جائے اس لئے کہ شیخ بہاؤالدین زکریا کی دینی و روحانی سرگرمیوں کا یہی شہر مرکز تھا۔

ملتان

پاکستان ملک کے ایک مشہور شہر کا نام ملتان ہے جس کا دارالخلافہ صوبائی شہر لاہور ہے۔ لاہور سے ۲۱۱ میل کے مغرب کی طرف واقع ہے۔ تاریخی اعتبار سے دو لاکھ سولہ ہزار چار سو تیس برس پرانا ہے۔ ہندوؤں کی رگ وید کتاب یہاں ہی تحریر کی گئی تھی۔ ۳۲۷ قبل مسیح سکندر اعظم نے اس کو فتح کیا تھا۔ محمد بن قاسم نے اس کو فتح کیا تھا۔ اس کے بعد ۱۰۱۰ء میں محمود غزنوی نے اس کو فتح کیا تھا۔[2] اس عبارت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ملتان شہر برصغیر پاک و ہند میں بڑا قدیم شہر ہے اور اس کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ جب یہ صوبہ تھا اس زمانہ میں ملتان کا طول فیروزپور (بھارت) سے سولستان (سندھ بلوچستان) تک چار سو ساٹھ کوس عرض خطپور سے (بنوں) جیسلمیر تک (بمبئی بھارت) ایک سو پچاس کوس ہے۔ مشرق میں ہندوستان، مغرب میں مکران، شمال میں شورکوٹ، جنوب میں اجمیر (بھارت) ہے۔[3] اب موجودہ اس کا محلِ وقوع دریائے چناب کے

[1] شیخ شہاب الدین سہروردی۔ عوارف المعارف، ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۰۴-۱۰۵

[2] مولانا حامد علی خان۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۶۰۸

[3] ایم۔ ایس۔ ناز۔ مسلم شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، سن ندارد، صفحہ ۲۶

کنارے آباد، مشرق میں ضلع ساہیوال، شمال میں ضلع جھنگ، مغرب میں ضلع مظفرگڑھ واقع ہے۔ اس کا پرانا قدیم نام کشب پورہ تھا۔ کئی بار اُجڑنے کی وجہ سے کبھی ہنس پورہ، بھاگ پورہ، نسب پورہ، مولستھان پور، پرپلاپور، ملتارن وغیرہ پڑتے رہے ہیں۔ ملی تھان بھی اس کا نام تھا جو بگڑ کر ملتان بن گیا۔[1] موجودہ ملتان ضلع کا رقبہ ۱۹۷۵ مربع میل ہے۔ اب ملتان زراعت، قالین سازی، ریشم، چمڑے، ظروف سازی اور روئی کی صنعت کے لئے مشہور ہے۔ حضرت شمس تبریزی، حضرت صدرالدین عارف، حضرت رکن عالم، حضرت شاہ یوسف گردیزی اور حضرت بہاؤالدین زکریا کے مزارات ملتان میں ہیں۔ کثیر تعداد میں اولیاء اللہ مدفن ہونے کی بناء پر ملتان شہر کو مدینۃ الاولیاء کہا جاتا ہے۔ ملتان کے بعد اب شیخ بہاؤالدین زکریا کی تعلیم کو دیکھا جائے۔

تعلیم

شیخ بہاؤالدین زکریا نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی تھی۔ آپؒ جب بارہ سال کی عمر کو پہنچے تو اس وقت آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ آپ نے دو سال میں قرآن پاک حفظ کیا اور سات قرأتوں کی تعلیم مکمل کی۔[2] معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت قرآن حکیم کو مختلف قرأتوں سے پڑھا جاتا تھا اور سات قرأت مشہور تھیں۔ اس وقت کے مطابق آپ نے ان سات قرأتوں کی تعلیم کو حاصل کیا اور علوم اسلامی کے لئے آپ خراسان تشریف لے گئے۔ وہاں آپ سات سال درس علوم اسلامی میں محو رہے۔ خراساں ملک ایران کے ایک صوبے کا نام اور شہر ہے۔ اس صوبہ کے نیشاپور

[1] سید قاسم محمود۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، بک فاؤنڈیشن، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۳۷۹

[2] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۴۴

مرو، شاہ جان، ہرات اور بلغ تھے۔ لیکن اب ہرات اور بلغ افغانستان میں ہیں۔ اس علاقے کو ۳۱ھ مطابق ۶۵۲ء میں عبداللہ بن عامر نے ضحاک بن قیس کی کمان میں جو لشکر فارس اور خوزستان سے روانہ ہوا تھا وہ خراساں پر حملہ آور ہوا۔ ابن قتیبہ کے مطابق یہاں کے باشندوں نے فوراً اسلام قبول کیا۔[1] خراساں کے لغوی معنوی سرزمین خورشید طالع، یعنی مشرقی سرزمین کے ہیں۔ آج کل خراساں ایران کے اس مشرقی صوبہ کو کہتے ہیں جس کا مرکز مشہد مقدس ہے[2] یعنی ایران کے اس شہر خراساں میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لئے شہر بخارا تشریف لے گئے۔ بخارا ملک ازبکستان کے ایک شہر اور صوبہ کا نام ہے۔ اسلامی ماخذ میں بخارا کے مقامی حکمران خاندان کو بخار خدات کے نام سے موسوم کیا گیا ہے جس سے وہاں کی مخدی زبان میں شاہ بخارا مراد ہے۔ عبداللہ بن زیاد کی کمان میں پہلا حملہ ۵۴ھ مطابق ۶۷۲ء کو ہوا۔ اس شہر میں عرب، افغان اور یہودی آبادی ہے[3] اسی شہر کی مساجد اور دینی مدرسے بہت مشہور رہے ہیں اور اب روس سے آزاد ریاست کا شہر ہے۔ اس شہر میں شیخ بہاؤالدین زکریا نے تعلیم کے حصول کو کمال تک پہنچایا اور اس تعلیم سے آپ نے درجہ اجتہاد حاصل کیا۔ اس زمانہ میں آپ کے علم کی بڑی شہرت ہو گئی تھی اور ساتھ ہی آپ عبادت و ریاضت میں یکتا ہو گئے تھے۔ اس زہد و پارسائی اور علم و فضل کی وجہ سے شہر بخارا کے رہنے والے آپ کو فرشتہ کہتے

---

۱ سید قاسم محمود۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا بک فاؤنڈیشن، کراچی ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۳۷۹
۲ مولانا حامد علی خان۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۵۷۰
۳ سید قاسم محمود۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا شہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۳۷۹

تھے[1] معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی عمر سے ہی آپ کو حصول علم و فضل اور عبادت و ریاضت کا بڑا شوق تھا۔ مزید تعلیم کے حصول کے لئے آپ بخارا سے مکہ معظمہ پہنچے اور حصول علم میں مشغول ہو گئے۔ مکہ معظمہ سے آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے شیخ کمال الدین محمد یمنی کو دیکھا جو علوم حدیث کے بڑے ماہر تھے اور وہ مسلسل کئی سالوں سے علم حدیث کی تدریس میں مشغول تھے اور یوں انہوں نے ترپن ۵۳ سال روضۂ رسول کی مجاوری میں بسر کر دیئے تھے۔ شیخ بہاؤالدین زکریا نے روضۂ رسول پر پانچ سال گزارے اور روزانہ شیخ کمال الدین محمد یمنی سے علم حدیث حاصل کیا اور علم حدیث میں اپنے آپ کو یکتا بنایا۔ اس کے بعد اپنے مشفق استاد سے علم حدیث کی سند اور اجازت زبانی اور تحریری حاصل کی جیسی کہ محققین و محدثین کی رسم ہے[2] مدینہ منورہ میں اپنے استاد شیخ کمال الدین احمد یمنی سے اجات حاصل کی اور بغداد تشریف لے گئے۔ بغداد میں آپ نے شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے ملاقات کی اور ان سے سترہ روز علم تصوف اور روحانیت کے علوم و اسرار کی تعلیم حاصل کی اور سترہویں دن آپ کو خرقہ پوشی سے مزین کیا گیا۔ یعنی آپ اب روحانیت میں بھی یکتا ہیں۔ اب روحانی تعلیم کو عام کرنے کے لئے مرشد کی طرف سے آپ کو اجازت مرحمت کی گئی اور ساتھ ہی مرشد نے فرمایا کہ آپ اب ملتان تشریف لے جائیں اور وہاں پہنچ کر مخلوقِ خدا کی اصلاح اور دین اسلام کی ترویج کا فریضہ انجام

---

۱ حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۳۰۵
۲ ایضاً صفحہ ۱۴۵
+ شہر مشہد مقدس کو جناب محمد شکیل، جناب سید شبیر ارشاد، جناب ڈاکٹر شبیر احمد کے ہمراہ جولائی ۱۹۹۳ء کو راقم نے تفصیل سے دیکھا۔

دیں[1] اس کے بعد آپ ملتان + تشریف فرما ہوتے ہیں اور اب آپ نے تعلیم کی تدریس کے لئے اپنے آپ کو وقف فرمادیا۔ آپ علم کے حصول میں بائیس سال سرگرداں رہے ہیں۔ آپ کی تعلیم کے بعد آپ کی سیاحت کو دیکھا جائے کہ آپ نے کہاں کہاں کی سیاحت فرمائی ہے۔

سیاحت

تعلیم کی معلومات میں معلوم ہوا کہ آپ خراساں تشریف لے گئے اور وہاں سے بخارا اور بخارا سے مکہ معظمہ اور وہاں سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ سے آپ بیت المقدس بھی تشریف لے گئے[2] بیت المقدس مسلمانوں کے لئے بڑی عظمت کا مقام ہے۔

بیت المقدس: یعنی پاک گھر، امت مسلمہ کا قبلۂ اوّل جس کی بنیاد حضرت داؤد علیہ السلام کی رکھی ہوئی ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو مکمل فرمایا۔ عام طور پر شہر یروشلم کو ہی بیت المقدس کہا جاتا ہے۔ اسی شہر کو نوعِ انسانی عزت سے دیکھتی ہے۔ یہودی، عیسائی اور مسلمان یکساں متبرک سمجھتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں فتح ہوا تھا۔ معراج کی پہلی منزل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی بیت المقدس مقام تھا۔ ۱۹۶۷ء میں اس پر اسرائیل ملک نے قبضہ کرلیا ہے اور اب یہ مقام اور شہر

---

[1] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۳۸

+ ملتان ٹھہرنے کے دوران بیس سال پہاڑی پر عبادت کیا کرتے تھے۔ اس پہاڑی کو بہاؤالدین کہا جاتا ہے۔

[2] سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔ بزم صوفیہ، علامہ ابوالبرکات اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۸ء، صفحہ ۸۷

اسرائیل ملک کی تحویل میں ہے[1] اس شہر میں کئی انبیاء کے مزارات ہیں۔ علاقہ سرسبز و شاداب یعنی مادی و روحانی مرکز ہے۔ شیخ بہاؤالدین زکریا اس شہر کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ بغداد سے واپسی پر آپ نیشاپور بھی تشریف لے گئے۔ راستہ وہی تھا تاکہ ہند میں واپس لوٹیں اور ان علاقوں کو دیکھتے ہوئے آئے ہیں۔ نیشاپور ملک ایران کا ایک شہر ہے اور یہ صوبہ خراساں کا شہر ہے جس کا مرکزی شہر مشہد ہے۔ اس شہر میں مشہور صوفی بزرگ فرید الدین عطا کی قبر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایران کے اس شہر کو قدیم شہرت حاصل ہے اور اس شہر میں اولیاء جلوہ گر رہے ہیں۔ اس شہر میں بہاؤالدین زکریا، شیخ جلال الدین تبریزی کے ساتھ ٹھہرے تھے۔ اس کے علاوہ شیخ بہاؤالدین زکریا سندھ میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ موضع آری ٹھٹھہ کے غار میں شیخ میٹھا دیلی سہروردی عبادت میں مصروف رہے تھے۔ اس غار سے شیخ بہاؤالدین اور شیخ لال شہباز قلندر گزرے اور انہوں نے میٹھا کو غار سے نکالا اور بیعت کیا۔[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ بہاؤالدین زکریا سندھ کا وقتاً فوقتاً دورہ کرتے تھے اور اس سیاحت کے دوران علم و عرفان لوگوں کو عطا کرتے تھے۔ جس طرح شیخ پیر میٹھا کو ٹھٹھہ میں عطا کیا۔ اس طرح اگر دیکھیں تو بعض اوقات لوگوں کی فرمائش کو بھی مدنظر رکھتے تھے جیسا کہ عوام کی مشکلات کو حل کرنے کے لئے اور دیگر کاموں کے لئے جہاں جہاں ضرورت محسوس فرماتے وہاں خود تشریف بھی لے جاتے تھے[3] مولانا نور احمد خان فریدی مزید تحریر کرتے

---

[1] سید قاسم محمود۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۱۴

[2] علامہ عالم فقیری۔ اولیاء اللہ، شبیر برادرز، لاہور، ۱۹۹۰ء، صفحہ ۲۵۵

[3] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۴۴

ہیں کہ موسم گرما میں یہ بزرگوار کشمیر' افغانستان' بخارا اور نیشاپور کی جانب دورہ کرتے تھے اور موسم سرما میں پنجاب' سندھ اور راجپوتانہ میں سفر کرتے تھے۔ ہر منزل پر تبلیغی مجالس ترتیب دیتے[1] معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی سیاحت کے چند مقاصد تھے۔ ایک تو قدرت کے مظاہر کا نظارہ کرنا تھا تاکہ یقین کی منزل مزید مستحکم ہو اور سیر و فی الارض کا عملی نمونہ ہو۔ دوسرا مقصد دینِ اسلام کو لوگوں تک پہنچانے کیلئے سفر کیا جائے تاکہ کفر کی تاریکی کو دینِ اسلام کی روشنی سے منور کیا جائے اور تیسرا مقصد یہ تھا کہ گنہ گاروں کے دل کی صفائی کی جائے تاکہ وہ گناہ اور معصیت سے توبہ کر کے عبادت و ریاضت کی طرف راغب ہوں اور واصل الی اللہ ہو جائیں اور چوتھا مقصد یہ بھی تھا کہ زمین میں چل کر مشاہداتی علم حاصل کیا جائے اور پانچواں مقصد تھا کہ نیک لوگوں سے ملاقات کر کے ان کی ہم نشینی کو حاصل کیا جائے اور چھٹا مقصد یہ بھی تھا کہ غریبوں کی داد رَسی کی جائے اور لوگوں کو ظلم سے روکا جائے۔ اگر غور سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ شیخ بہاؤالدین زکریا کی بیش بہا اور عظیم مقاصد کے لئے سیر و سیاحت تھی۔ اس سیاحت سے آپ کی شہرت کے متعلق اس قول کو دیکھا جائے کہ ملتان کی مدتِ قیام میں نہ صرف ملتان بلکہ سارا ہندوستان حضرت بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات کے انوار سے منور ہو گیا تھا اور ان کے عہد کو خیز الاعصار کہا جاتا ہے۔[2] سیر و سیاحت سے جو آپ کو شہرت ہوئی اس کی وجہ سے ملتان میں آپ کے پاس ہر طرف سے لوگوں کا آ کر جمع ہونا اور آپ کے فیوض و

[1] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان' جلد اول' قصر الادب' رائٹر کالونی' ملتان' ۱۹۷۲ء' صفحہ ۱۴۴

[2] سید صباح الدین عبدالرحمن۔ بزم صوفیہ' علامہ ابو البرکات اکیڈمی' لاہور ۱۹۸۸ء' صفحہ ۹۲

برکات سے مالا مال ہونا فوائد کثیر معلوم ہوتے ہیں۔ سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ سیر و سیاحت کو پسند کرتے تھے اور احوال کی اصلاح اور دل کی صفائی کا ذریعہ سفر کو سمجھتے تھے۔ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی نے فرمایا ہے کہ بعض بزرگوں کا معمول رہا ہے کہ وہ ہمیشہ سفر میں رہتے تھے کہیں قیام نہیں کرتے تھے۔ اس لئے کہ وہ اپنے احوال کی اصلاح اور تزکیہ نفس کا ذریعہ سفر ہی کو سمجھتے تھے [1] معلوم ہوتا ہے کہ سہروردی بزرگ سیاحت کرتے تھے۔ شیخ بہاؤالدین زکریا نے سیاحت فرمائی اور اپنے پیش رو بزرگوں کے طریقے کو زندہ رکھا۔ بہر صورت سیاحت کے بعد اب ہند میں سلسلہ کی آمد کو دیکھا جائے کہ سلسلہ ہند میں لے کر شیخ بہاؤالدین زکریا کب تشریف لائے۔

ہند میں سلسلہ کی آمد

شیخ بہاؤالدین زکریا ہند میں کب داخل ہوئے تاکہ ساتھ لائے ہوئے سلسلہ سہروردیہ کی آمد کو معلوم کیا جاسکے۔ شیخ بہاؤالدین زکریا ۵۶۶ھ میں کوٹ کروڑ ملتان کے قریب پیدا ہوئے۔ بارہ برس کے ہوئے تو والد انتقال کر گئے۔ اس کے بعد دو سال قرآن حفظ کیا۔ اور سات قرأتوں کو سیکھا۔ چودہ سال کے تھے کہ ہند سے باہر نکلے یعنی کروڑ سے خراساں تشریف لے گئے۔ وہاں سات سال قیام کیا۔ وہاں سے بخارا پہنچے۔ وہاں آٹھ سال قیام کیا۔ وہاں سے مکہ معظمہ اور روضۂ رسول پر تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے پانچ برس قیام کیا۔ وہاں سے بیت المقدس تشریف فرما ہوئے اور پھر وہاں سے بغداد تشریف لے گئے۔ سترہ دن بغداد میں ٹھہرنے کے بعد ہند میں تشریف لائے۔ آنے اور جانے میں ایک سال لگا۔ مختلف شہروں میں

[1] شیخ شہاب الدین عمر سہروردی۔ عوارف المعارف' ترجمہ شمس بریلوی' مدینہ پبلیشنگ کمپنی' کراچی' ۱۹۸۹ء' صفحہ ۲۶۸

ٹھہرتے ہوئے گئے اور شہروں میں ٹھہرتے ہوئے واپس آئے تھے[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ہند سے گئے اس وقت آپ کی عمر چودہ سال کی تھی اور جب ہند میں واپس آئے تو اس وقت آپ کی عمر پینتیس (۳۵) سال تھی۔ یعنی جب آپ چونتیس (۳۴) سال کے تھے اس وقت بغداد میں آپ شیخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت ہوئے تھے اور سترہ یوم مرشد کی خدمت میں رہے اور خرقہ خلافت مرشد نے عطا فرمایا۔ ان سے سلسلہ کو لے کر شیخ بہاؤالدین زکریا ہند میں وارد ہوئے تو اس وقت ۶۰۱ھ تھی اور ہند میں اس وقت سلطان معزالدین شہاب الدین غوری متوفی ۶۰۲ھ کا دورِ اقتدار تھا[2] شیخ بہاؤالدین زکریا جب ہند سے تشریف لے گئے تھے اس وقت ۵۸۰ھ تھی۔ اس زمانہ میں کروڑ کے علاقے پر سلطان شہاب الدین غوری کا قبضہ تھا کیونکہ ملتان اور اوچ کو ۵۷۲ھ میں سلطان شہاب الدین غوری نے اپنے بھائی غیاث الدین کے حکم سے حملہ کر کے فتح کیا تھا[3] اس سے پہلے ملتان پر قرامطہ کا قبضہ تھا۔ قرامطہ ایک باطنی فرقہ، جس کا بانی حمدان قرمط تھا۔ حمدان، عراق ملک کا ایک دیہاتی باشندہ تھا۔ اس نے ایک خفیہ تحریک قرامطہ کے نام سے شروع کی۔ بہت جلد اپنے انقلابی رجحانات کی بدولت سیاسیات اسلام میں ایک اہم عنصر بن گیا۔ اس کے نظریات میں مخالفین میں اگر مسلمان بھی کیوں نہ ہوں قتل کرنا جائز تھا[4] اس شخص کے پیروکار اور اس تحریک کے کارکن قرامطی کہلائے۔ سلطان شہاب الدین غوری کے

[1] سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔ بزم صوفیہ، ابوالبرکات اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۸ء، صفحہ ۹۰
[2] محمد قاسم فرشتہ۔ تاریخِ فرشتہ، جلد اول، ترجمہ عبدالحئی خواجہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، سن ندارد، صفحہ ۲۲۹
[3] ایضاً صفحہ ۲۱۷
[4] سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۲۴۲

ملتان فتح کے وقت یہی لوگ قرامطہ ملتان پر قابض تھے۔ اس بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ بہاؤالدین زکریا کی پیدائش کے وقت ملتان اور اس کے اطراف میں قرامطہ کی حکومت تھی۔ جب آپ ہند سے باہر حصولِ علم کے لئے تشریف لے گئے تو اس وقت ملتان اور اس کے اطراف کا علاقہ آپ کے واپس آنے تک سلطان شہاب الدین غوری کے قبضہ میں تھا۔ بہر صورت ہند میں سلسلہ کی آمد کے بعد اب شیخ بہاؤالدین زکریا کی خانقاہ کو دیکھا جائے۔

خانقاہ

شیخ بہاؤالدین زکریا جب ہند میں واپس آئے تو ملتان میں قیام فرمایا۔ اس زمانے کے اکابر نے حسد کی وجہ سے کہ آپ ملتان میں نہ ٹھہریں بلکہ کسی دوسرے شہر میں چلے جائیں۔ آپ کے پاس انہوں نے دودھ سے بھر کر ایک پیالہ آپ کی خدمت میں بھیج دیا۔ یعنی یہاں پہلے سے شہر اولیاء سے بھرا ہوا ہے۔ اب اس میں گنجائش نہیں ہے۔ جب لبالب پیالہ بھرا ہوا دودھ کا آپ کی خدمت میں پہنچا آپ نے اس پر ایک پھول رکھ کر واپس کر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ ہمارا مقام اس شہر میں اس طرح رہے گا جس طرح دودھ پر یہ پھول رکھا ہوا ہے۔ اکابر ملتان اس حسن ادا پر حیران رہ گئے[1] آپ ملتان میں بغرض اصلاحِ احوال عوام میں ٹھہر گئے تو آپ نے جس مقام کو اپنے لئے خانقاہ بنایا وہ پرھلاد جی مندر کے سامنے تھی پرھلاد جی یہ ہندوؤں کا ملتان میں ایک بڑا مندر تھا۔ بر صغیر ہندوپاک کے دور دراز علاقوں سے ہندو اس مندر میں آکر یاترا کرتے تھے۔ پرھلاد جی ایک موحد انسان تھا۔ اس نے کفر سے شدید ٹکر لی تھی۔ اس کی وفات کے بعد لوگوں نے استھان بنالیا۔ اب استھان شرک و

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، سن ندارد، صفحہ ۶۳

فسق کا مرکز بنا ہوا تھا۔[1] شیخ بہاؤالدین زکریا نے اس کے دروازے کے عین سامنے مسند ارشاد قائم کی اور اس کے ساتھ خانقاہ بنائی تاکہ عبادت و ریاضت کی جائے۔ آپ اپنی خانقاہ میں بڑی استغراقی کیفیت میں عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے۔ ایک روز عبادت میں مشغول تھے کہ ایک نورانی آدمی ایک سربمہر خط صدرالدین محمد عارف کو دے کر کہنے لگا کہ والد کو دیدیں وہ خط خانقاہ میں شیخ بہاؤالدین زکریا کو دیا گیا۔ وہ پڑھتے ہی آپ کا انتقال ہو گیا۔ خانقاہ کے چاروں کونوں سے آواز آئی دوست کے پاس دوست پہنچ گیا۔[2] معلوم ہوتا ہے کہ خانقاہ میں بڑی عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے اور آخری وقت بھی عبادت میں مصروف تھے۔ اسی طرح خانقاہ کا حق ادا کیا۔ لیکن مولانا نور احمد خان فریدی نے لکھا ہے کہ شیخ بہاؤالدین زکریا کی خانقاہ سے مراد صرف آپ کا مقبرہ نہیں بلکہ یہ اپنے دور کی بہت بڑی روحانی یونیورسٹی تھی۔[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خانقاہ میں عبادت کا فریضہ انجام دیا جاتا تھا لیکن اس کے ساتھ زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق تربیت اور تعلیم کا بندوبست بھی معلوم ہوتا ہے۔ اس خانقاہ میں آپ ختم قرآن فرماتے اور نوافل پڑھتے اور مسلمانوں کو بیعت کرتے اور غیر مسلموں کو اسلام کی دولت سے مستفید فرماتے۔ آپ کی عادت تھی کہ تہجد سے فارغ ہوتے اور صبح کی نماز کی سنت کے وقت تک کلام اللہ ختم کر لیا کرتے تھے۔

---

[1] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۴۱

[2] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۷۸

[3] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۵۷ء، صفحہ ۹۸

مرید کرتے تو فرماتے مجھے اپنا پیر سمجھنا ایک دروازہ پکڑو لیکن مضبوطی سے تھامو اور بھی نصیحت فرماتے۔[1] اس خانقاہ کے مشرق کی طرف متصل چبوترا وعظ کیلئے بنایا تھا۔ ہندو یاتری جو پرھلاد جی مندر سے نکلتے تھے وہ آپ کا وعظ سن کر مسلمان ہو جاتے تھے۔ خانقاہ معلیٰ کی موجودہ عمارت حضرت نے خود تعمیر کرائی تھی۔[2] اس خانقاہ کا مقصد اللہ تعالیٰ سے ذکر کے ذریعہ رابطہ کرنا تھا اور مخلوقِ خدا کو فیوض و برکات پہنچانا تھا اور صوفیا کی تربیت کی جاتی تھی۔ آپکا فرمان تھا کہ کوئی نہ کوئی مرکز ہوتا ہے اور صوفیا کا مرکز ان کی خانقاہ ہے۔ اس خانقاہمیں عبادت ہوتی اور ذکر پوشیدہ ہوتا تھا۔ اس خانقاہ کے بعد اب مدرسہ کو دیکھا جائے۔

مدرسہ

شیخ بہاؤالدین زکریا نے دین اسلام کی ترویج و اشاعت کے لئے ایک مدرسہ قائم فرمایا تھا جس میں دور دراز علاقوں سے طلباء آتے اور دینی علم سیکھتے تھے اور جس علاقے میں وہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد جانا چاہتے اس علاقے کی زبان اور رسم و رواج سے اس عالم کی تربیت کر دی جاتی تھی۔ مولانا نور احمد خان نے تحریر کیا ہے کہ اسلام کی اشاعت کے لئے ملتان میں مضبوط مرکز مدرسہ بہائیہ کے نام سے قائم فرمایا تھا جس میں علماء، قاری اور حفاظ پیدا کئے جاتے تھے۔ ان زبانوں میں تعلیم دی جاتی تھی سنسکرت، بنگالی، سندھی، فارسی، عربی، جاوی، برمی، مرہٹی جو اس دور کی مشہور زبانیں تھیں وہ

---

[1] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۶۸

[2] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۴۱

ذریعہ تعلیم تھیں۔[1] معلوم ہوتا ہے کہ اس مدرسہ میں علماء و فضلا بنا کر مصر سے انڈونیشیا تک علما کو تبلیغ کے لئے روانہ کیا جاتا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ بہت بڑا تھا اور لسانی شعبہ جات بہت زیادہ تھے۔ اسی حساب سے مدرس اور طلباء کی خدمت کے لئے دیگر لوگ تھے۔ اس مدرسے کے اخراجات آپ خود برداشت کرتے تھے۔ آپ صاحبِ حیثیت فرد تھے۔ اس مدرسہ کا نصاب مروجہ طریقہ کے مطابق تھا یعنی درس نظامی تھا۔ اس مدرسہ میں قرا' حفاظ' علماء کرام کے تزکیہ نفس کی ریاضتوں کا انتظام تھا[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ بہائیہ میں بڑا نظم و ضبط اور تربیت کا اور تعلیم کا بہترین مربوط قسم کا انتظام موجود تھا۔

اس مدرسہ کے بعد اب تبلیغ کو دیکھا جائے۔

تبلیغ

شیخ بہاؤالدین زکریا کے مدرسہ بہائیہ میں جو علم و فضل عام ہو رہا تھا اس علم و فضل سے پورا فائدہ اٹھایا جا رہا تھا۔ علماء و فضلاء تیار کر کے تبلیغ کے لئے مختلف دور دراز علاقوں میں بھیجے جاتے تھے اور وہ علماء ان علاقوں میں پہنچ کر دینِ اسلام کی ترویج و اشاعت کی پوری لگن سے فریضہ انجام دیتے تھے۔ ان علماء کے متعلق تحریر ہے کہ حضرت شیخ الاسلام اپنے ذاتی خزانہ سے پانچ پانچ ہزار اشرفی ایک ایک مبلغ کو عنایت فرماتے تھے اور وہ اپنے اتالیق کی ہدایت کے مطابق اس ملک کی ضرورت کی چیزیں خرید کر اپنی اپنی منزلوں کی طرف روانہ ہو جاتے تھے[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغ کے لئے بڑی

[1] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان' جلد اول' قصر الادب' رائٹر کالونی' ملتان' ۱۹۷۲ء' صفحہ ۶
[2] ایضاً
[3] ایضاً

منظم طریقے سے کام لیتے تھے۔ یعنی علماء بنانے کے لئے علما مقرر تھے جس علاقے میں تبلیغ کے لئے علماء جائیں گے اس علاقے کے رسم و رواج سکھانے کے لئے اتالیق کا تقرر تھا اور تجارت کی غرض سے اشیا خرید کر دی جاتیں اور آپ ان علماء کے سفر اور تجارت کے اخراجات کو برداشت کرتے تھے۔ شیخ بہاؤالدین زکریا کی طرف سے ہر مبلغ تاجر کی حیثیت سے روانہ کیا جاتا تھا۔ وہ اپنے ملک میں جا کر تجارت شروع کرتے اور عوام میں اپنی راست بازی' دیانت داری اور نیک نفسی کی وجہ سے اس قدر مقبول ہوتے کہ لوگ گرویدہ ہو جاتے اور جب ان کو یقین ہو جاتا کہ ان کی نیکی اور لین دین میں صفائی ان کے مذہب کے سبب سے ہے تو وہ خود بخود اسلام کی آغوش میں آپڑتے تھے[1] تبلیغ کے لئے آپ کے دو طریقہ کار تھے۔ ایک تو خود مسند ارشاد پر نصیحت اور وعظ فرماتے تھے جو آپ کے پاس لوگ آتے ان کو دینِ اسلام کی روشنی سے منور فرماتے اور کبھی آپ دور دراز علاقوں میں پہنچ کر تبلیغ فرماتے تھے اور دوسرا طریقہ یہ تھا کہ آپ نے جن علماء کو اپنے مدرسہ بہائیہ میں تعلیم و تربیت دی اور دلائی ان کو ان علاقوں کے رسم و رواج سکھا کر ان علاقوں میں متعین کر دیا تا کہ وہ ان علاقوں میں تبلیغ کا فریضہ انجام دیں۔ ایک بات اور بھی سامنے آتی ہے کہ دین اسلام کی اشاعت کے ساتھ تجارت بھی ہوتی تھی۔ اس تبلیغی مشن کے متعلق تحریر ہے کہ شیخ الاسلام کے تربیت یافتہ مبلغین لاکھوں اشرفیوں کا مال لے کر مشرق بعید سے مغرب بعید تک سفر کرتے تھے۔ سامان تجارت فروخت کرتے اور ساتھ ہی اسلام کی اشاعت بھی کرتے تھے۔[2] معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تبلیغ کا حلقہ بڑا وسیع

[1] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تذکرہ حضرت بہاؤالدین زکریا' قصر الادب' رائٹر کالونی' ملتان' ۱۹۵۷ء' صفحہ ۹۸
[2] ایضاً صفحہ ۱۴۳

تھا۔ آپ کے تربیت یافتہ مبلغین مصر سے انڈونیشیا اور فلپائن تک بڑی تندہی اور خوش اسلوبی سے تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ اس تبلیغی کام کے ساتھ آپ کے تربیت یافتہ مریدوں پر مشتمل تھے وہ اپنے علاقوں میں تبلیغ کا کام سرانجام دیتی تھیں۔ آپ کی تبلیغی کوشش کو دیکھنے کے بعد آپ کی تعلیمات کو دیکھا جانا چاہئے۔

تعلیمات

شیخ بہاؤالدین زکریا کی تعلیمات بڑی واضح اور اسلام کی آئینہ دار تھیں۔ آپ اور آپ کے مرید شریعت و طریقت میں مستقیم تھے۔ شیخ بہاؤالدین زکریا کا یہ قاعدہ نہیں تھا کہ ان کے معتقدین اور مریدین زمین پر سر رکھیں یا سجدہ + کریں۔ آپ جب ان کے سامنے آتے تھے تو سنت کے مطابق انہیں السلام علیکم کہتے تھے اور وہ بھی جواب میں وعلیکم السلام کہتے تھے[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کی پابندی آپ کا لازمہ تھی اور اسی کو طریقت کہتے تھے۔ مسجد میں آپ اس وقت تشریف لائے جب چند مرید وضو میں مشغول تھے۔ دورانِ وضو کچھ اُٹھ کر آپ سے مصافحہ کرنے لگے اور ایک نے وضو مکمل کیا تب آپ کے پاس حاضر ہوا۔ اس کے لئے آپ نے فرمایا انت افضلھم و ذاھدھم۔ یعنی تم ان سب سے افضل اور سب سے زیادہ زاہد ہو[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تعلیمات میں شریعت کی

+ سہروردیوں کے ہاں ہر قسم کا سجدہ انسان کا انسان کے لئے منع ہے صرف خدا کے لئے سجدہ جائز ہے لیکن ہند میں سجدہ تحیت سمجھا جاتا ہے جو بعض میں ماں، باپ استاد اور پیر کے لئے روا تھا اور اس کو صرف تعظیم کے لئے نہ کہ عبودیت کے لئے روا سمجھتے تھے۔ کلمات طیبات، صفحہ ۲۹

[1] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۷۲

[2] ایضاً۔ صفحہ ۱۷۳

پابندی پر زور دیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ مولانا عبدالحق محدث دہلوی فرماتے تھے آپ بڑے عبادت گزار اور شریعت کی بڑی اطاعت کرنے والے تھے۔ تعلیمات کے متعلق مزید تحریر فرماتے ہیں کہ کم کھانے سے جسم تندرست رہتا ہے۔ گناہوں کے ترک کردینے سے روح کو سلامتی ملتی ہے اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے سے دین سلامت رہتا ہے۔ آپ کی تعلیمات میں یہ بھی تحریر کرتے ہیں کہ مرید کو اپنے اوقات کی حفاظت کرنا چاہئے۔ غیر اللہ کو دل سے دور کردینا چاہئے۔ مخلوق سے رابطہ اپنے اوپر حرام کرلینا چاہئے اور ذکر حق سے انسیت حاصل کرنا چاہئے[1] آپ کی تعلیمات کے متعلق سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے لکھا ہے کہ بندہ پر واجب ہے کہ سچائی اور اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کی عبادات و اذکار میں غیر اللہ کی نفی کرے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے احوال کو درست کرے اور اپنے افعال و اقوال میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے۔ ضرورت کے سوا کوئی نہ بات کرے اور نہ کوئی کام انجام دے۔ ہر قول و فعل سے پہلے اللہ تعالیٰ سے التجا کرے اور اس سے نیک عمل کی توفیق کی مدد چاہے۔[2] آپ کی تعلیمات سے جو باتیں سامنے آتی ہیں وہ اس طرح ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے (۲) اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجا جائے (۳) کم کھایا جائے (۴) کم سویا جائے (۵) غیر اللہ کو دل سے نکال دیا جائے (۶) افعال اور اقوال کا محاسبہ کیا جائے (۷) اللہ تعالیٰ سے محبت کی جائے (۸) سنت نبوی پر پابندی کی جائے

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، سن ندارد، صفحہ ۶۵

[2] سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔ بزم صوفیہ، علامہ ابوالبرکات اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۸ء، صفحہ ۱۰۴

(۹) گناہوں سے بچا جائے۔

معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے سے دنیا اور آخرت کی بھلائی نصیب ہوگی اور یہی فلاح دارین کی کنجی ہے۔ آپ کی تعلیمات کے بعد اب آپکی معیشت کو دیکھا جائے۔

معیشت

آپ نے معیشت کی طرف خاص توجہ دی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صوفیا میں سے دنیا کے لحاظ سے امیر ترین ولی اللہ اور صوفی تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے ہوا افتادہ جنگلوں کو آباد کرایا۔ چاہات اور نہریں احداث کرائیں اور تجارت کی طرف ملتان کے اطراف میں کنوئیں کھدوائے تھے اور ملتان شہر کی زمین کو زرخیز بنایا تھا۔ شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے کہ حضرت نے عامہ خلائق کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے زراعت اور تجارت کے کام کو رفتہ رفتہ بڑھایا۔ اطراف ملتان میں جہاں کہیں بھی اچھا حصہ ہوا افتادہ جنگلوں کو آباد کرایا۔ چاہات اور نہریں احداث کرائیں اور تجارت کی طرف بھی حضرت نے بہت توجہ فرمائی[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے معیشت کو بہتر بنانے کے لئے ملتان کی زمین کی طرف خصوصی توجہ فرمائی تھی اور اس سے فائدہ اس علاقے کے تمام لوگوں کو پہنچانا مقصود تھا اور دوسرا معیشت کے حوالے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تجارت کی طرف بھی خاصی رغبت تھی۔ مولانا نوراحمد خان فریدی نے لکھا ہے کہ شیخ بہاؤالدین زکریا کے زمانے میں دریائے راوی قلعے سے ٹکرا کر بہتا تھا۔ اس کے ذریعے بڑی بڑی کشتیوں پر سامانِ تجارت سکھر، بکھر، منصورہ اور پھر وہاں سے عراق، عرب اور مصر تک جاتا تھا۔ یہ تو سمندر اور دریائی راستے

[1] شیخ محمد اکرام۔ آبِ کوثر، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۵۶

سے آپ مالِ تجارت روانہ کرتے تھے۔ اس کے علاوہ خشکی کے راستے کابل، ایران، دہلی، لاہور اور دکن حیدرآباد سے آپ کی تجارت ہوتی تھی[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تجارت کی طرف آپ کی بڑی نظر تھی تاکہ معاشی طور پر خود بھی اور مسلمانوں کو بھی مضبوط کیا جائے اور اس کے ذریعہ اسلام کی دعوت کو عام کیا جائے۔ آپ نے باقاعدہ تجارت کے اصول مرتب کئے تھے اور مبلغین سوداگرین روانہ ہونے لگتے تو یہ ہدایات تجارت کے لئے ان کو عطا کرتے تھے۔

۱۔ دیکھو تم ایک سوداگر کی حیثیت سے جا رہے ہو۔ تجارت کے بارے میں اسلام کے زریں اصول کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا۔

۲۔ چیزوں کو کم منافع پر فروخت کرنا۔

۳۔ خراب چیزیں ہرگز فروخت نہ کرنا بلکہ انہیں تلف کر دینا۔

۴۔ خریدار سے انتہائی اخلاق اور شرافت سے پیش آنا۔

۵۔ جب تک لوگ آپ کے قول و کردار کے گرویدہ نہ ہو جائیں ان پر اسلام پیش نہ کرنا[2]

یہ تھے ان کے تجارت کے سلسلے میں ہدایات اور اصول جو وہ اپنے مبلغ تاجروں کو عطا کرتے تھے۔ اپنی معیشت اور متعلقین کی معیشت کو بہتر کرنے اور دین اسلام کو پھیلانے میں آپنے منظم طریقہ سے تجارت سے کام لیا تھا۔ معیشت کو ملاحظہ کرنے کے بعد اب آپ کی عبادات کو دیکھا جائے۔

[1] مولانا نوراحمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۳۲

[2] شیخ خواجہ نظام الدین اولیا، فوائد الفواد، ترجمہ حسن نظامی، اردو اکادمی، دہلی، بھارت، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۸۰۳

عبادات

شیخ بہاؤالدین زکریا کی عبادات وریاضت کو دیکھنے کے لئے خواجہ نظام الدین اولیاء کی اس بات کو دیکھیں کہ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا آپ روزہ کم رکھتے تھے البتہ اطاعت وریاضت بہت کرتے تھے[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ روزہ رکھتے تھے لیکن کم رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ نوافل بہت پڑھتے تھے اور یہی بات شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تحریر کی ہے کہ آپ ایک مرید کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول رہو کیونکہ ذکر سے طالب اپنے مطلوب تک پہنچتا ہے اور محبت ایسی آگ ہے جو ہر قسم کے میل کچیل کو جلاڈالتی ہے اور جب محبت مستحکم ہو جاتی ہے تو ذکر مشاہدہ مذکور کے ساتھ ہو جاتا ہے اور یہی وہ ذکر کثیر ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے فلاح وکامیابی کا وعدہ فرمایا ہے[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کثرت سے عبادت گزار تھے اور مریدوں کو بھی کثرت سے عبادات کرنے کی نصیحت فرماتے تھے اور ذکر کے نتیجے کا بھی اظہار فرماتے تھے۔ آپ اپنی خانقاہ میں عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ خانقاہ میں جو بزرگ آپ کے ساتھ عبادت میں مصروف رہتے تھے ان کے متعلق تحریر ہے کہ وہ کتنا اچھا زمانہ تھا جب یہ پانچ بزرگ حیات تھے۔ شیخ ابوالغیث یمنی، شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ سعدالدین حمویہ اور شیخ بہاؤالدین زکریا اور شیخ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اجمعین[3]

1. شیخ خواجہ نظام الدین اولیا، فوائد الفواد، ترجمہ حسن نظامی، اردو اکادمی، دہلی، بھارت، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۸۰۳
2. شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، سن ندارد، صفحہ ۸۰۳
3. شیخ نظام الدین اولیا، فوائد الواد، ترجمہ حسن نظامی، اردو اکادمی، دہلی، بھارت، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۹۳۵

اس کا اظہار شیخ نظام الدین اولیا نے کیا تھا۔ اس کے علاوہ شیخ بہاؤالدین زکریا، سید جلال الدین بخاری، شیخ فریدالدین گنج شکر اور لعل شہباز قلندر عبادت میں یکجا مصروف رہتے تھے۔ ان کی بیٹھکیں پورے پاکستان میں چپے چپے پر یارانِ طریقت کے نام سے موجود ہیں[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انفرادی واجتماعی عبادت میں آپ حد کمال کو پہنچے ہوئے تھے+ شیخ بہاؤالدین زکریا کا معمول تھا کہ تہجد کی نماز پڑھتے اور اس کے بعد فجر نماز کی سنتوں تک قرآن مجید پورا ختم فرماتے تھے[2] معلوم ہوتا ہے کہ عبادت میں آپ کو نوافل اور قرآن حکیم کی تلاوت بہت مرغوب تھی اور قرآن حکیم کو بڑے تھوڑے وقت میں مکمل پڑھ لیتے تھے۔ مذکورہ بحث سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ روحانیت کے حصول کے لئے ریاضت ضروری ہے اور اس کا طریقہ کار شیخ بہاؤالدین زکریا کے نزدیک یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنے کے لئے عبادت کی جائے اور اس عبادت میں انہوں نے قرآن حکیم کی تلاوت اور نوافل کو زیادہ اہمیت دی۔ یہی وجہ ہے کہ باقی اوراد شیخ بہاؤالدین زکریا کے ہاں بہت کم ملتے ہیں۔ اس عبادت کے بعد اب آپ کی تصانیف کو دیکھا جانا چاہئے۔

تصانیف

شیخ بہاؤالدین زکریا نے کتب بھی تصنیف فرمائی تھیں۔ ایک کتاب

1. مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۴۴

+ بلکہ حضرت کی خادمائیں چکی پیسنے بیٹھتی ہیں تو قرآن ختم کر کے اُٹھتی ہیں۔ جب نوکروں کا دینی معیار اتنا بلند ہو تو شہر کے اکابر اور اشراف کی خدا پرستی کا کیا کہنا۔
ایضا۔ صفحہ ۱۷۶

2. سید صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم صوفیہ، علامہ ابوالبرکات اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۸۷

"اوراد" کے نام سے تھی جس میں آپ نے نماز، روزہ، طہارت، توبہ اور اخلاص کے مسائل پر تصوف کے انداز میں بحث کی ہے اور یہ لوگوں میں ابتدا بڑی مقبول تھی اور اس کا باقاعدہ لوگ ورد کرتے تھے۔ ایک دوسری کتاب "شروط اربعین" احادیث کریمہ کے حوالے سے چلہ کشی کے طریقوں پر مشتمل ہے۔ ایک قلمی نسخہ قرآن پاک اور ایک نسخہ کشف الجوب اپنے دست مبارک سے رقم فرمایا تھا[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اصلاح احوال کے لئے جن چیزوں کی ضرورت تھی صرف وہی قلمبند کی تھیں۔ علمی مباحث میں نہیں پڑتے تھے بلکہ جو فائدہ مند باتیں تھیں ان کی طرف لوگوں کی رغبت کراتے تھے۔ تاکہ عملی طور پر کسی چیز کو سامنے لایا جائے۔ سو آپ نے اوراد، شروط اربعین، قرآن حکیم اور کشف الجوب تحریر کی ہیں۔ آپ کی تصانیف کے بعد آپ کی وفات کے سن کو دیکھا جائے۔

وفات

شیخ بہاؤالدین زکریا کے وصال کے سن میں مؤرخین میں اختلاف رہا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کی وفات کے سن مختلف کتب میں اختلاف سے موجود ہیں۔ مثلاً مولانا نوراحمد خان نے آپ کا سن وفات ۶۶۱ھ تحریر کیا ہے۔[2] سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے ۵۶۵ھ، ۶۶۱ھ، ۶۶۵ھ اور

---

[1] مولانا نوراحمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۸۴۔۱۸۵

+بلکہ حضرت کی خادمائیں چکی پیسنے بیٹھتی ہیں تو قرآن ختم کر کے اٹھتی ہیں۔ جب نوکروں کا دینی معیار اتنا بلند ہو تو شہر کے اکابر اور اشراف کی خدا پرستی کا کیا کہنا۔ ایضاً صفحہ ۱۷۶

[2] مولانا نوراحمد خان فریدی، تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۷۹

۶۶۶ھ مختلف حوالوں سے تحریر کیا ہے[1] اور ان میں کسی ایک سن کو منتخب نہیں کیا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے سن ۶۶۱ھ کا ذکر کیا ہے[2] انوار ہاشمی نے آپ کا سن وفات ۱۲۸۶ء تحریر کیا ہے[3] شیخ محمد اکرام نے ۶۶۱ھ / ۱۲۶۲ء درج کی ہے[4] شہزادہ داراشکوہ قادری نے ۶۶۶ھ تحریر کی ہے[5] شیخ عبدالرحمٰن چشتی نے ۶۶۵ھ تحریر کی ہے[6] محمد ایوب قادری نے آپ کا سن وفات ۶۶۵ھ / ۱۲۶۶ء تحریر کیا ہے[7] ان مختلف تاریخوں میں شہزادہ داراشکوہ قادری کی تحریر کردہ سن وفات ۶۶۶ھ / ۱۲۶۷ء صحیح معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ داراشکوہ قادری رقمطراز ہیں کہ میں نے ان حالات وواقعات مستند اور معتبر کتب سے تلاش کر کے اس کتاب (سفینۃ الاولیاء) میں جمع کئے ہیں[8] اس کے علاوہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے بھی ایک سن وفات ۶۶۶ھ تحریر کیا ہے اور اس سن وفات

---

[1] سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔ بزم صوفیہ، علامہ ابوالبرکات اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۸ء، صفحہ ۱۰۴

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، سن ندارد، صفحہ ۸۵

[3] انوار ہاشمی، تاریخ پاک وہند، کراچی بک سینٹر، کراچی، ۱۹۸۴ء، صفحہ ۱۷۴

[4] شیخ محمد اکرام۔ آب کوثر، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۲۱

[5] شہزادہ داراشکوہ قادری۔ سفینۃ الاولیاء، ترجمہ محمد علی لطفی، نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۸۶ء، ۱۹۸۶ء، صفحہ ۱۵۲

[6] شیخ عبدالرحمٰن چشتی۔ مراۃ الاسرار، ترجمہ کپتان واحد بخش سیال، بزم اتحاد المسلمین، لاہور، ۱۴۱۲ھ، صفحہ ۷۲۳

[7] محمد ایوب قادری۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ایم ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۴۸

[8] شہزادہ داراشکوہ قادری۔ سفینۃ الاولیاء ترجمہ محمد علی لطفی، نفس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۶ء، صفحہ ۱۷

کے بالکل قریب ۶۶۵ھ کا تذکرہ شیخ عبدالرحمٰن چشتی نے اور محمد ایوب قادری نے کیا ہے جو صرف ایک سال کا فرق ہے۔ لہٰذا شیخ بہاؤالدین زکریا کے سن وفات ۶۶۵ھ / ۱۲۶۷ء کو صحیح تسلیم کیا جائے گا۔

شیخ بہاؤالدین زکریا جس خانقاہ میں عبادت و ریاضت فرمایا کرتے تھے ملتان شہر میں اسی خانقاہ میں مصروف عبادت و ریاضت تھے۔ ایک نورانی شکل و صورت کا آدمی آیا اس نے ایک سربمہر رقعہ آپ کے صاحبزادے شیخ صدرالدین محمد عارف کو دیا اور کہا کہ یہ رقعہ شیخ الاسلام شیخ بہاؤالدین زکریا کو ان کی خانقاہ میں پہنچا دیں۔ حضرت صدرالدین محمد عارف رقعہ لے کر والد بزرگوار کے پاس خانقاہ کے اندر گئے اور وہ رقعہ والد کو دیا۔ آپ نے اس رقعہ کو کھولا اور اس کو پڑھا اور اس کے بعد آپ نے ایک نعرہ مارا اور عمارت کے چاروں کونوں سے آواز بلند ہوئی کہ دوست بدوست رسید۔ رحلت کے بعد آپ کو شیخ عمر عمودی نے غسل دیا۔ شیخ صدرالدین محمد عارف نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ جس خانقاہ میں عبادت میں مصروف رہتے تھے اس خانقاہ میں آپ کو صفر کے مہینے میں منگل کے دن دفن کیا گیا[۱]۔ آپ کی وفات کے تذکرہ کے بعد اب ہند میں سلسلہ سہروردیہ کی تبلیغی و تعلیمی کاوشیں سامنے لائی جائیں۔

ہند میں سلسلہ سہروردیہ کی تبلیغی و تعلیمی کاوشیں

سلسلہ سہروردیہ کی تبلیغی و تعلیمی کاوشوں کو دیکھنے کے لئے اوائل میں آنیوالے اس سلسلہ کے بزرگوں کو دیکھا جائے۔ سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ نصف چھٹی صدی ہجری کے بعد اور ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں ہند تشریف لائے ہیں۔ جیسا کہ دوسرے باب میں بیان کیا گیا تھا کہ شیخ سخی سرور (متوفی ۵۷۰ھ) نے لاہور کے نواح اور ملتان کے نواح میں تبلیغی

[۱] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، ڈائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۳۲

سرگرمیوں کو اچھے انداز میں جاری رکھا جس کی وجہ سے دُور دَراز سے مخلوقِ خدا آنے لگی اور اس چشمۂ فیض سے سیراب ہونے لگی کوئی آپ کے دروازے سے محروم نہ جاتا تھا۔ اسی وجہ سے سخی سرور اور لکھ داتا کے نام سے مشہور ہو گئے[۱]۔ اس کے علاوہ شیخ نورالدین مبارک غزنوی (متوفی ۶۳۲ھ) نے بغداد سے دہلی پہنچنے کے بعد تبلیغ کے لئے خوب محافل برپا کیں۔ مہمات کے دوران بھی اور سلطان شمس الدین التمش (متوفی ۶۳۳ھ) کے دربار میں بھی متعدد بار وعظ فرمائے۔ انتہائی بیباکی و جرأت کے ساتھ دربار کی غلط رسومات پر تنقید بھی کی۔ لوگ احتراماً آپ کو میر دہلی کہتے تھے[۲] اور بادشاہ کے مذہبی مسائل کو حل کرنے کے لئے شیخ الاسلام کے عہدے پر بھی تقرر تھا۔ شیخ سخی سرور اور شیخ سید نورالدین مبارک غزنوی نے تبلیغ کے لئے اپنی حد تک کوشش و سعی فرمائی تھی لیکن تعلیم کے لئے ان بزرگوں کے مدرسے کس قسم کے تھے تاریخ تصوف خاموش ہے۔ شیخ قاضی حمیدالدین ناگوری (متوفی ۶۴۳ھ / ۱۲۴۵ء) سلطان شمس الدین التمش (متوفی ۶۳۳ھ / ۱۲۳۶ء) کے دور میں مکہ معظمہ سے دہلی تشریف لائے۔ آپ شہاب الدین عمر سہروردی (متوفی ۶۳۲ھ) کے مرید و خلیفہ تھے اور خواجہ بختیار کاکی سے بہترین مراسم تھے اور خواجہ بختیار کاکی (متوفی ۶۳۳ھ / ۱۲۳۶ء) نے آپ سے ظاہری علوم شریف کی تعلیم حاصل کی تھی[۳]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی حمیدالدین ناگوری وعظ کے

[۱] مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، ترجمہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ، لاہور، ۱۹۹۰ء، صفحہ ۱۹۱

[۲] پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ادارۂ ادبیات دلی، دہلی، بھارت، ۱۹۸۱ء، صفحہ ۱۰۹

[۳] سید صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم صوفیہ، علامہ ابوالبرکات اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۸۵

ذریعہ اور اپنی خانقاہ کے ذریعہ تبلیغ اور تعلیم کے رواج کو عام کر رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ خواجہ بختیار کاکی جیسے عظیم الشان بزرگ بھی آپ کے شاگرد تھے۔ گو کہ آپ نے خواجہ بختیار کاکی کی ہمیشہ خدمت اور تعظیم کی تھی۔ آپ کی تبلیغی و تعلیمی کاوشوں میں آپ کی کتب "راحۃ الارواح" اور "لوائح" نے بڑا کردار ادا کیا لیکن آپ کی کتاب طوالع الشموس کو بہت شہرت حاصل ہوئی تھی۔[1] ان کے علاوہ ایک شیخ جلال الدین تبریزی (متوفی ۶۴۱ھ / ۱۲۴۳ء) جنہوں نے شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا، وہ سلطان شمس الدین التمش کے دور میں دہلی براستہ ملتان آئے تھے۔ آپ کی تبلیغ سے بدایوں میں ایک ڈاکو آپ کے دست اقدس پر مسلمان ہو گیا۔[2] جس کا نام علی رکھا اور بعد میں وہ ولی کامل بن گیا تھا اور بدایوں میں تبلیغی کام وہی انجام دیتا تھا۔

شیخ جلال الدین تبریزی بنگال تشریف لے گئے ہیں اس سے پہلے آپ کی تبلیغی کوشش کا تذکرہ نہیں ملتا۔ بنگال پہنچتے ہی خلقت آپ کی طرف متوجہ ہوئی اور مرید ہونے لگی۔ اس مقام کو دیو محل کہتے ہیں۔ اس کو اپنی جیب خاص کی رقم سے خرید کر یہاں کے بت خانہ کو توڑ دیا اور خانقاہ بنائی اور بہت سے کافروں کو مسلمان کیا۔[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بنگال میں بڑی محنت سے دین اسلام کی تبلیغ فرمائی جس وجہ سے وہاں کثیر تعداد میں

[1] شیخ مصباح الدین عبدالرحمٰن۔ بزم صوفیہ۔ علامہ ابوالبرکات اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۸ء، صفحہ ۸۸

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، سن ندارد، صفحہ ۸۵

[3] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۲۵۰

لوگ مسلمان ہوئے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خانقاہ تعمیر کر کے اس میں تعلیم و تربیت کا آپ نے انتظام فرمایا تھا۔ اس خانقاہ میں آپ عبادت کرتے تھے اور آنے والوں سے ملاقات اور ان کو تعلیم اسی خانقاہ سے ملتی تھی۔ اس خانقاہ کے پہلے معلم بھی آپ ہی تھے اس لئے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے تعلیم و تبلیغ کا فریضہ بنگال میں بڑی تندہی سے انجام دیا۔ اس کے علاوہ کشمیر میں گو کہ دین اسلام بر صغیر کے تمام خطوں کی نسبت دیر سے پہنچا لیکن اس خطہ کی قسمت کو دین اسلام سے وابستہ کرنے کے لئے شیخ مشرف الدین بلبل شاہ (متوفی ۷۲۷ھ) کو اللہ نے بھیجا۔ یہ کامیاب مبلغ تھے اور یہ دور رنچن دیو راجہ متوفی (۷۲۷ھ) کا تھا۔ شیخ سید نعمت اللہ ولی سہروردی کے مرید تھے۔ آپ نے رنچن دیو راجہ کو مسلمان کیا اور اس کے اہل خانہ اور امرا بھی اور دس ہزار افراد بھی مسلمان کئے۔ اس راجہ کا اسلام لانے کے بعد نام صدر الدین رکھا۔ اس سلطان نے ایک خانقاہ اور مسجد تعمیر کرائی۔[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ بلبل شاہ کی تبلیغی خدمات بہت تھیں۔ مسجد اور خانقاہ میں عوام الناس کی تعلیم و تربیت کا بندوبست فرمایا تھا۔ لوگ آپ کے پاس آتے تھے آپ ان کو دین اسلام کی باتوں سے روشناس کراتے تھے اور جو ضروری تعلیم تھی وہ آپ ان کو زبانی عطا فرماتے تھے۔ اشاعت اسلام کے لئے مسجد سے انہوں نے بہت کام لیا۔ عبادت و ریاضت کے لئے آپ خانقاہ میں مصروف رہتے تھے۔ ان کے علاوہ بمبئی، گجرات (بھارت) کے علاقے میں سلسلہ سہروردیہ کے نامور بزرگ شیخ راجو قتال (متوفی ۸۲۷ھ / ۱۴۲۴ھ) اور انکے بڑے بھائی سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کی تبلیغی خدمات اور بڑی

[1] ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر۔ سید میر علی ہمدانی، گلشن پبلشرز، سری نگر، کشمیر، ۱۹۹۱ء، صفحہ ۱۲۵

تعلیمی خدمات تھیں۔ شیخ راجو قتال کے متعلق کہ ان کا اصل کام اوچ میں اشاعت اسلام اور گجرات وغیرہ کے صاحب ہمت لوگوں کی تربیت تھی جنہیں انہوں نے علوم باطنی سے مالا مال کر کے گجرات کے قدیمی دارالحکومت میں اشاعت اسلام کے لئے بھیجا[1] معلوم ہوتا ہے کہ شیخ راجو قتال بڑے منظم انداز میں تعلیمی و تبلیغی کوششوں کو انجام دیتے تھے۔ شیخ جہانیاں جہاں گشت (متوفی ۷۸۵ھ / ۱۳۸۴ء) بھی باقاعدہ لوگوں کی تعلیم و تربیت فرماتے تھے۔ آپ کی خدمت میں اکثر ہندو حاضر ہوتے تھے اور مشرف بہ اسلام ہوتے تھے۔ آپ فارسی، سندھی اور ہندی میں گفتگو فرماتے تھے۔ یہ چیز مقامی آبادی سے ربط و ضبط قائم کرنے اور ان میں تبلیغ کرنے کے لئے بہت ضروری تھی۔ اور سندھ اور گجرات میں حضرت مخدوم کے ذریعہ اسلام کی خوب تبلیغ ہوئی اور غیر مسلموں کی بڑی تعداد اسلام سے مشرف ہوئی[2] اس سے آپ کی تبلیغی کاوش کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ آپ کی تبلیغی کاوش بڑی مؤثر نظر آتی ہے۔ آپ نے ایک ہندو زناردار کو مسلمان کیا۔ اس کا نام عبداللہ گجراتی اور ایک اور کو مسلمان فرما کر عبدالسلام اور ایک اور علاقہ سنبل ترانیر کی ایک عورت اور اس کا شوہر اور اس کے دیگر گھر کے افراد کو مسلمان فرمایا۔ ان کی باقاعدہ تربیت کی اور ان کو ضروری تعلیم دی اور سہارن اور سادھو دونوں بھائیوں کو مسلمان کر کے حکومت دلائی۔ مذکورہ افراد سے دین اسلام کی گجرات کاٹھیاواڑ اور مالابار کے علاقوں میں خدمات لیں[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیمی و تبلیغی کاوشوں میں سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ

---

[1] پروفیسر محمد ایوب قادری۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۱۶۴

[2] ایضاً صفحہ ۱۶۱

[3] ایضاً صفحہ ۱۶۳

بمبئی اور گجرات کے اطراف میں بڑے متحرک رہے ہیں۔ اس کے علاوہ سندھ کو دیکھا جائے کہ اس میں تبلیغی و تعلیمی کاوش کس طرح کی تھیں۔

سندھ میں پہلے سہرودی بزرگ شیخ نوح بھکری کے نام سے تذکرہ وہ بھی بالکل مختصر سا ملتا ہے۔ شیخ نوح بھکری کو ان کے مرشد شیخ شہاب الدین عمر سہروردی نے تبلیغ دین کے لئے سندھ بھیجا تھا۔ شیخ بہاؤالدین سہروری نے مرید شیخ بہاؤالدین زکریا سے فرمایا تھا کہ بھکر سندھ میں شیخ نوح بھکری سے ملنا[1] جب وہ تشریف لائے تو شیخ نوح بھکری (متوفی ۶۰۰ھ) انتقال کر چکے تھے۔ ان کی تبلیغی و تعلیمی سرگرمیاں سندھ میں تھیں۔ وعظ فرماتے تھے اور لوگوں کو مرید بھی کرتے تھے۔ آپ کے کسی مدرسے کا علم نہیں ہو سکا۔ اب بھی بھکر سکھر میں آپ کی قبر کے نشانات موجود ہیں۔ راقم مئی ۱۹۹۴ء کو خود سکھر ان کی قبر پر گیا۔ آپ کی تبلیغی کوششیں اس وقت نمایاں نہیں ہو سکی شاید یہ زمانہ خاموشی کے ساتھ کام کرنے یا پس پردہ رہ کر تبلیغی خدمات انجام دینے کا تھا[2] معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نوح بھکری کے وقت کے حالات سازگار نہ تھے کہ دین اسلام کی کھلے عام تبلیغ کی جائے۔ ایک بات ذہن میں آتی ہے کہ سندھ وہ علاقہ ہے جہاں سب سے پہلے اسلام پہنچا تھا اور محمد بن قاسم کے دور میں سکھر بھی مسلمانوں کے زیر قبضہ تھا اور محمد بن قاسم نے ۹۲ھ میں دیبل کو فتح کیا تھا[3] دیبل سندھ کے ایک شہر کا نام ہے جو سمندر کے کنارے تھا۔ اس شہر میں ایک مندر "دیول" نام سے تھا جس کی

---

[1] علامہ عالم فقری۔ اولیاء اللہ، شبیر برادران، لاہور، ۱۹۹۰ء، صفحہ ۴۴۳

[2] اشتیاق حسین قریشی۔ برعظیم پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ، کراچی یونیورسٹی کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۵۸

[3] اعجاز الحق قدوسی۔ تاریخ سندھ، جلد اول، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۵ء، صفحہ ۹۴

وجہ سے اس شہر کا نام دیول مندر کے نام پر دیبل رکھا گیا[1] اس علاقے کو محمد بن قاسم نے فتح کیا تھا۔ اس کے بعد یہ علاقہ کسی نہ کسی صورت مسلمانوں کے قبضہ میں رہا تھا اور چھٹی صدی ہجری کے اختتام پر بھی سلطان شہاب الدین غوری (متوفی ۶۰۲ھ) کے سندھ قبضہ میں تھا جس کی بناء پر اشتیاق حسین قریشی کا تبصرہ لائق توجہ نہیں ہے۔ اس لئے پہلی صدی ہجری سے لے کر چھٹی صدی ہجری تک سندھ کا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ مسلمانوں کے اقتدار کی وجہ سے شیخ نوح بھکری اور دیگر مسلمان مبلغین خاموش اور درپردہ تبلیغ نہیں کرتے تھے بلکہ عام انداز میں اور علی الاعلان تبلیغ کرتے تھے۔ شیخ نوح بھکری کی تبلیغی و تعلیمی کاوشیں اس لئے سامنے نہیں آسکیں کہ اس وقت آپ نے یا آپ کے مریدین میں سے کسی نے نہ تو تاریخ اور واقعات قلمبند کئے اور نہ اس سلسلہ کو آگے بڑھانے کے لئے کسی عقیدت مند نے کوشش کی تھی۔ اس سلسلہ کو آگے بڑھانے کے لئے سہون شہر میں تھوڑے عرصہ بعد شیخ لعل شہباز قلندر (متوفی ۶۷۴ھ) نے کوشش کی۔ آپ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی (متوفی ۶۶۵ھ) مرید و خلفیہ تھے۔ ان کا نام عثمان مروندی تھا۔ مروند ایران ملک کے شہر تبریز کے قریب ایک گاؤں تھا۔ اس کا نام مروند تھا۔ اس گاؤں میں پیدا ہوئے اور تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر ہند تشریف لائے۔ آپ شیخ بہاؤالدین زکریا، شیخ فرید الدین گنج شکر اور شیخ صدر الدین محمد عارف سے اکثر ملاقات اور صحبت رہتی تھی [2] آپ تبلیغی دورہ اندرون سندھ بہاؤالدین زکریا اور شیخ صدر الدین محمد عارف کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ لال لباس کی وجہ سے آپ کے مرشد نے آپ کو لعل شہباز کا

[1] اعجاز الحق قدوسی۔ تاریخ سندھ، جلد اول، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۵ء صفحہ ۹۶

[2] شیخ محمد اکرام۔ آبِ کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۹۳

خطاب دیا تھا۔ آپ کی وفات ۶۷۴ھ میں سہون شہر میں ہوئی[1] جب آپ سہون میں پہنچے اس وقت ہندو معاشرہ تھا۔ اس علاقے کے لوگ غلط کاموں میں محو تھے۔ آپ کی تبلیغ سے لوگ گناہوں سے تائب ہوئے اور ہندو آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ آپ نے اس علاقے کو اسلام کی تبلیغ سے منور کیا۔ آپ کی کسی تصنیف کا اور مدرسے کا پتہ نہیں چل سکا۔ ان کے مرید بلوچستان میں پیر لاکھا کے نام سے مشہور تھے۔ علاقہ لورالائی جھل مگسی میں پیر لاکھا رہتے تھے۔ ان کو شیخ لعل شہباز قلندر نے مسلمان کیا تھا[2] اس کے بعد پیر لاکھا نے بلوچستان میں اسلام کی تبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔ بلوچستان کے علاقے شیرانی وادی ژوب میں احمد جوانمرد جو شیخ بہاؤالدین زکریا کے مرید تھے بڑی کاوش اسلام کی خدمات میں انجام دی تھیں۔ ان کے پورے خاندان نے سہروردی سلسلہ کو بلوچستان میں جاری رکھا[3] بلوچستان جو پاکستان کا ایک صوبہ ہے اس کی آبادی بنسبت دوسرے صوبوں کے بہت کم ہے لہٰذا وہاں سہروردی بزرگ بھی کم ہی ہیں۔ علاقہ ملتان میں ۶۰۱ھ کو شیخ بہاؤالدین زکریا بغداد سے شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے خرقہ خلافت حاصل کر کے ہند میں تشریف لائے۔ آپ نے ملتان میں مدرسہ بہائیہ کے نام سے عظیم الشان ادارہ قائم کیا۔ اس ادارے میں دین اسلام کی تبلیغ و ترویج کے لئے سنسکرت، بنگالی، سندھی، فارسی، عربی، جاوی، برمی، مرہٹی، الغرض مشہور مشہور زبانوں کے الگ الگ شعبے تھے۔ جو عالم رضاکارانہ طور پر اپنے

[1] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۵۸

[2] ڈاکٹر انعام الحق کوثر۔ تذکرہ صوفیائے بلوچستان، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۶ء، صفحہ ۲۲۵

[3] ایضاً۔ صفحہ ۲۴

آپ کو تبلیغ کے لئے پیش کرتا اسے اسی شعبہ میں داخل کیا جاتا تھا جہاں اس کو بھیجنا مقصود ہوتا تھا[1]۔ مثلاً جو عالم انڈونیشیا میں جانے اور وہاں تبلیغی فریضہ انجام دینے پر آمادگی کا اظہار کرتا اسے اس شعبہ میں داخلہ ملتا تھا۔ اس طرح ماہر علاقوں کے علماء علاقوں کی زبان سکھانے اور ان علاقوں کے رسم ورواج سے واقفیت کرانے کے لئے موجود تھے۔ اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ بہاؤالدین زکریا بڑی مضبوط بنیاد پر تبلیغ اور تعلیم میں مصروف رہے ہیں۔ ایک تو آپ تبلیغ فرماتے تھے اور وعظ اور تقریر سے تبلیغ وتربیت فرماتے تھے۔ جیسا کہ آپ نے ہلادجی مندر کے داخلی دروازے کے عین سامنے مسند ارشاد قائم کی تھی۔ آپ اس پر جلوہ گر ہو کر روزانہ عصر اور مغرب کے درمیان وعظ فرماتے تھے اور سامعین کی تعداد ہندو اور مسلمان دونوں کی ہزاروں ہوتی تھی اور نتیجہ اس کا یہ نکلتا تھا کہ ہندو یاتری جو مندر سے برآمد ہوتے حضرت کا وعظ سن کر مسلمان ہو جاتے تھے[2]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا وعظ بڑا موثر اور دلوں میں اتر جانے والا تھا۔ یعنی آپ تعلیمی و تبلیغی کاوشیں بڑے بھرپور انداز میں انجام دے رہے تھے۔ اس وجہ سے آپ کو شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں سہروردیہ سلسلے کے موسس اعلیٰ شیخ بہاؤالدین زکریا تھے[3]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام کو علاقے کے لوگوں میں پھیلانے اور پہنچانے کا فریضہ اس قدر عمدہ انداز میں انجام دیا کہ دین اسلام خوب پھیلا اور سلسلہ سہروردیہ بھی ہند کے دور دراز علاقوں میں پہنچا۔ شیخ بہاؤالدین زکریا ایسے بزرگ ہیں جن کی تبلیغی و تعلیمی

---

[1] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۴۲

[2] ایضاً۔ صفحہ ۱۴۱

[3] شیخ محمد اکرام۔ آبِ کوثر، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۵۵

کاوشیں ہند میں بام عروج پر پہنچی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ شیخ بہاؤالدین زکریا اور شیخ لعل شہباز قلندر ٹھٹھہ موضع آری کے قریب ایک پہاڑ کے غار سے گزرے۔ اس غار میں حسین بمعروف شیخ پٹھا دیلی سہروردی عبادت میں مصروف تھے۔ ان کو غار سے نکالا اور مرید کیا[1]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ بہاؤالدین زکریا تبلیغی کاموں کے لئے سندھ کے مختلف علاقوں میں جاتے تھے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان دوروں میں آپ کے ساتھ اور مشائخ بھی ہوتے تھے جیسے سندھ کے دورے میں شیخ لعل شہباز قلندر آپ کے ساتھ تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تعلیمی و تبلیغی کاوشیں کچھ اس طرح کیتھیں کہ ایک تو آپ نے مدرسہ بہائیہ کے نام سے بنایا تھا۔ اس میں علماء کا تقرر تھا جو تعلیم دیتے تھے۔ دوسرا آپ خود وعظ و تقریر سے تبلیغی فریضہ انجام دیتے تھے۔ تیسرا آپ مختلف علاقوں کا دورہ کر کے وہاں وعظ و نصیحت سے اسلام کو پہنچاتے تھے اور چوتھا یہ تھا کہ آپ کی تصانیف کے ذریعے تبلیغی سرگرمیوں کو جاری رکھا جاتا تھا۔ جیسے آپ نے کشف المجوب کتاب اوراد اور ایک رسالہ "شروط اربعین" تحریر فرمائی تھیں[2]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیمی و تبلیغی کوششیں ہمہ پہلو اور چہار سو تھیں۔ ملتان کے قریب ایک پرانا شہر اوچ میں شیخ سید جلال الدین بخاری تشریف فرما تھے۔ آپ شیخ بہاؤالدین زکریا کے مرید اور خلیفہ تھے۔ انہوں نے اوچ اور اس کے گرد و نواح میں تبلیغ فرمائی تھی۔ آپ بخارا سے بھکر شہر میں تشریف لائے تھے اور بھکر سے ملتان پہنچے اور شیخ بہاؤالدین زکریا کے مرید ہوئے اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ آپ ۵۹۰ھ میں پیدا ہوئے تیس سال تک اپنے

---

[1] علامہ عالم فقیری۔ اولیاء اللہ، شبیر برادرز، لاہور، ۱۹۹۰ء، صفحہ ۲۵۵

[2] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۸۴

مرشد کی خدمت میں رہے[1] آپ تبلیغی دورہ اوچ میں فرمایا کرتے تھے۔ لیکن شیخ بہاؤالدین زکریا کی وفات کے بعد مستقل اوچ میں تشریف لے گئے۔ اوچ کو پہلے دیوگڑھ کہتے تھے۔ ایک راجہ کا نام دیو تھا۔ اس شہر کو اس راجہ کے نام پر راجہ دیو گڑھ کہا جاتا تھا۔ شیخ سید جلال الدین سرخ بخاری کے دیوگڑھ پہنچنے کے بعد اس مقام کا نام اوچ یعنی اونچے مقام کی وجہ سے رکھا گیا۔ ایک تو یہ علاقہ اردگرد کے علاقے سے اونچا ہے اور دوسرا یہ کہ اس بزرگ کے پہنچنے سے اونچ یعنی نیک لوگوں کے نام پر اس مقام کو اوچ کہا جانے لگا۔ اس شہر میں پہنچنے کے بعد اصلاح و تبلیغ کا کام پوری مستعدی کے ساتھ شروع کردیا۔ اس کے نتیجے میں علاقہ اوچ کی اقوام چوہر' ڈہر' سیال اور وارم نے حضرت کی ہدایت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا اور اس علاقے کا ایک راجہ گلوان بھی اپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا [2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تبلیغی کاوشیں بڑے مؤثر اور دوررس نتائج کی حامل تھیں جس کی وجہ سے مختلف قومیں اور حکمران متاثر ہو کر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ آپ کی وفات ۶۹۰ھ اوچ میں ہوئی۔ آپ نے جو اوچ میں اپنی خانقاہ بنائی تھی اس میں ان لوگوں کی تربیت کا بندوبست تھا جو ابھی نئے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ انہیں دینی مسائل اور اصولوں سے آگاہ کیا جاتا تھا۔ آپ نے راجپوتوں کے کئی قبائل کو مسلمان کیا تھا اور جھنگ شہر کی بنیاد رکھی تھی [3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغ کے ساتھ تعلیمی ادارہ بھی تھا یعنی آپ تبلیغ اور تعلیم دونوں میں مصروف رہے اور نئے شہر بھی بسائے۔ اس کے نتیجہ میں

---

[1] علامہ عالم فقیری۔ اولیاء اللہ' شبیر برادرز' لاہور' ۱۹۹۰ء' صفحہ ۲۴۴

[2] پروفیسر محمد ایوب قادری۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت' ایچ ایم سعید کمپنی' کراچی' ۱۹۷۵ء' صفحہ ۷۵

[3] علامہ عالم فقیری۔ اولیاء اللہ' شبیر برادرز' لاہور' ۱۹۹۰ء' صفحہ ۲۴۶

باثر لوگ دین اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر اس کو قبول کرتے نظر آتے ہیں۔ اس طرح علاقہ بہار کو دیکھا جائے تو اس علاقہ میں شیخ شہاب الدین بمعروف شیخ جگجوت (متوفی ۶۶۶ھ) نے دین اسلام کی تبلیغ میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ گوکہ آپ کے کسی مدرسہ کا پتہ نہیں چلتا۔ تاریخ خاموش ہے لیکن آپ کی قبر آج بھی گنگا کے کنارے کچی درگاہ کے نام سے مشہور و موجود ہے۔ آپ پٹنہ شہر اور بہار کے درمیان موضع عالم پور جھٹلی میں پہنچ کر رشد و ہدایت خلق میں مشغول ہوئے اور آپ کی خانقاہ عرصہ تک رشد و ہدایت کا سرچشمہ بنی رہی[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بہار کے علاقے میں تبلیغ اور تعلیم کا فریضہ انجام دیا تھا۔ وہ خانقاہ کی صورت میں مدرسہ تھا۔ یہاں روحانی تربیت اور آنے والوں پر اسلام کو پیش کیا جاتا تھا۔ آپ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید و خلیفہ تھے۔ بہت اوائل میں بہار آئے تھے۔ اس کے علاوہ لاہور میں سلسلہ سہروردیہ کی بنیاد رکھنے والے شیخ بدر بجستانی سہروردی ہیں جو شیخ بہاؤالدین زکریا کے مرید تھے[2] آپ نے لاہور میں دین اسلام کی تبلیغ اور رشد و ہدایت کے لئے خانقاہ بنائی تھی۔ مذکورہ معلومات سے علم ہوتا ہے کہ ہند میں سلسلہ سہروردیہ کے بزرگوں نے دین اسلام کو خانقاہیں بنا کر' مدرسہ بنا کر اور علاقوں کے تبلیغی دورے کر کے پہنچایا اور پھیلایا تھا۔ ہند کے مسلمان ان کی مساعی جمیلہ کے علامات و نشانات ہیں۔ ہند کے مختلف علاقوں میں مندرجہ ذیل سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ تبلیغ و تعلیم میں مصروف رہے ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی اور وفات کا سن اور علاقہ ذیل کے چارٹ سے دیکھا جا سکتا ہے۔

---

[1] شاہ مراد اللہ۔ آثارِ منیر' مطبوعہ برقی مشین پریس' باقی پورہ' پٹنہ' بھارت' ۱۹۴۸ء' صفحہ ۱۱

[2] محمد دین کلیم۔ مدینۃ الاولیاء' المعارف گنج بخش روڈ' لاہور' ۱۹۷۶ء' صفحہ ۳۲۲

نمبر شمار	نام	سنِ وفات	شہر علاقہ
۱	شیخ بدر سجستانی	ندارد	لاہور / پنجاب پاکستان
۲	حامی اسحاق سندھی	ندارد	//
۳	سید صوف	۷۸۶ھ / ۱۲۸۴ء	//
۴	سید اسحاق گازرونی	۷۸۶ھ / ۱۲۸۴ء	//
۵	مفتی محمد قریشی	۸۹۱ھ / ۱۴۸۶ء	//
۶	بہاؤالدین	۱۶۶۴ء	//
۷	عبدالجلیل چوہڑ بندگی	۱۵۰۴ء	//
۸	شیخ سادھا	ندارد	//
۹	سید بایزید ہاشمی	ندارد	//
۱۰	جلال گوجر	ندارد	//
۱۱	ملا قرن	ندارد	//
۱۲	شیخ اتی راؤ	ندارد	//
۱۳	چھوہا جھنبٹ	ندارد	//
۱۴	پیر ڈھل	ندارد	
۱۵	علی غازی	ندارد	//
۱۶	عین الدین غازی	ندارد	//
۱۷	شہاب الدین منج	ندارد	//
۱۸	ابوالفتح ثانی	ندارد	//
۱۹	سید عثمان شاہ جھولا	۹۱۲ھ / ۱۵۰۶ء	//

نمبر شمار	نام	سن وفات	شہر علاقہ
۲۰	موسی آہنگر	۹۲۵ھ / ۱۵۱۹ء	لاہور پنجاب پاکستان
۲۱	شیخ اسحاق	ندارد	//
۲۲	میر ہاشم	ندارد	//
۲۳	کمال الدین	۹۲۸ھ / ۱۵۲۱ء	//
۲۴	میاں فرید	۱۵۹۱ء	//
۲۵	سید بہاؤالدین گھوڑے شاہ	۱۵۹۴ء	//
۲۶	سید شاہ محمد	۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۲ء	//
۲۷	حسن تیلی	۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۲ء	//
۲۸	سید میراں محمد	۱۰۱۳ھ / ۱۶۰۴ء	//
۲۹	سید سلطان جلال الدین حیدر	۱۰۱۶ھ / ۱۶۰۷ء	//
۳۰	مفتی محمد طاہر	۱۰۱۴ھ / ۱۶۳۱ء	//
۳۱	شہاب الدین نہرا	۱۰۴۱ھ / ۱۶۳۱ء	//
۳۲	سید عماد الملک	۱۰۳۹ھ / ۱۶۲۹ء	//
۳۳	مفتی عبدالسلام	۱۰۳۵ھ / ۱۶۴۵ء	//
۳۴	سید شاہ عالم	ندارد	//
۳۵	سید بہاون شاہ	ندارد	//
۳۶	سید صفی الدین	ندارد	//
۳۷	سید بہاؤالدین	۱۰۵۳ھ / ۱۶۴۳ء	//
۳۸	سید محمود شاہ نورنگ	۱۰۶۱ھ / ۱۶۴۳ء	//
۳۹	شاہ برہان بخاری	۱۰۸۰ھ / ۱۶۶۹ء	//

نمبر شمار	نام	سن وفات	شہر علاقہ
۴۰	شاہ کمال	۱۰۸۶ھ / ۱۶۷۲ء	لاہور، پنجاب، پاکستان
۴۱	شیخ جان محمد	۱۰۸۴ھ / ۱۶۷۳ء	//
۴۲	شاہ عبدالرزاق مکی	۱۰۸۴ھ / ۱۶۷۳ء	//
۴۳	شیخ محمد اسماعیل وڈا	۱۰۸۵ھ / ۱۶۷۴ء	//
۴۴	مفتی کمال الدین خورد	۱۰۹۰ھ / ۱۶۷۹ء	//
۴۵	میاں جان محمد	۱۱۲۰ھ / ۱۷۰۸ء	//
۴۶	مفتی محمد تقی	۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۸ء	//
۴۷	میاں محمد صالح	۱۱۴۰ھ / ۱۷۲۷ء	//
۴۸	میاں محمد حسین	ندارد	//
۴۹	میاں محمد ابراہیم	ندارد	//
۵۰	مولوی تیمور	ندارد	//
۵۱	سید فرزند علی	ندارد	//
۵۲	مفتی محمد تقی	۱۱۴۶ھ / ۱۷۳۳ء	//
۵۳	خواجہ ایوب قریشی	۱۱۱۴ھ / ۱۷۰۲ء	//
۵۴	حامد قاری	۱۱۶۶ھ / ۱۷۵۳ء	//
۵۵	سید کریم شاہ	ندارد	//
۵۶	حافظ میاں محمود	۱۱۸۲ھ / ۱۷۶۸ء	//
۵۷	پیر سکندر علی	۱۷۹۹ء	//
۵۸	سید ہاشم علی شاہ	ندارد	//
۵۹	سید فضل شاہ	ندارد	//

نمبر شمار	نام	سن وفات	شہر علاقہ
۶۰	غلام فرید	۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء	لاہور، پنجاب، پاکستان
۶۱	شاہ رحمت اللہ قریشی	ندارد	//
۶۲	میاں معزالدین	۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۶ء	//
۶۳	حافظ مفتی رحمت اللہ	۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء	//
۶۴	مفتی رحیم اللہ	۱۲۳۵ھ / ۱۸۱۹ء	//
۶۵	شاہ حسن ولی کامل	ندارد	//
۶۶	مفتی غلام محمد	۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء	//
۶۷	حافظ میاں شرف الدین	۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء	//
۶۸	حافظ میاں احمد دین	۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۸ء	//
۶۹	مفتی غلام سرور لاہوری	۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء	//
۷۰	حافظ امام الدین	۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۱ء	//
۷۱	حافظ میاں محمد عظیم	۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء	//
۷۲	حافظ حاجی غلام محمد	۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۴ء	//
۷۳	حافظ حاجی میاں محمد دین	۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء	//
۷۴	حافظ میاں محمد خلیل	۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۳ء	//
۷۵	صوفی قلندر علی	۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء	//
۷۶	پیر غلام دستگیر نامی	۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء	//
۷۷	سید جلال الدین بخاری	۶۹۰ھ	اوچ۔ پنجاب، پاکستان
۷۸	بہاؤالدین محمد غوث	ندارد	//

نمبر شمار	نام	سن وفات	شہر علاقہ
۷۹	سید احمد کبیر	ندارد	اوچ، پنجاب، پاکستان
۸۰	جمال خنداں رو	۷۰۰ھ / ۱۳۰۱ء	//
۸۱	رضی الدین گنج عالم	۷۷۰ھ / ۱۳۶۸ء	//
۸۲	جہانیاں جہاں گشت	۷۸۵ھ / ۱۳۸۴ء	//
۸۳	راجو قتال	۸۲۷ھ / ۱۴۲۴ء	//
۸۴	فضل الدین	ندارد	//
۸۵	کبیر الدین اسماعیل	ندارد	//
۸۶	اسماعیل قریشی	ندارد	//
۸۷	مخدوم جہاں شاہ	ندارد	//
۸۸	باباشرف الدین عراقی	۶۸۷ھ	دکن، حیدر آباد، بھارت
۸۹	سید شرف الدین	۸۰۸ھ / ۱۴۰۵ء	بمبئی، بھارت
۹۰	تاج الدین	ندارد	گجرات، بھارت
۹۱	سید محمود	ندارد	گجرات، بھارت
۹۲	سکندر بن مسعود	ندارد	گجرات، بھارت
۹۳	علاؤالدین علی	۸۲۵ھ	گجرات، بھارت
۹۴	شرف الدین	ندارد	گجرات، بھارت
۹۵	مولانا محمد عطا	ندارد	گجرات، بھارت
۹۶	شیخ شہاب الدین	۶۶۶ھ	بہار، بھارت
۹۷	شاہ محمد مجیب اللہ	۱۱۹۱ھ / ۱۷۷۷ء	بہار، بھارت

نمبر شمار	نام	سن وفات	شہر علاقہ
۹۸	سید محمد معروف پیرو پڑیا	ندارد	بہار، بھارت
۹۹	شاہ محمد مبارک	ندارد	بہار، بھارت
۱۰۰	شیخ قیام الدین قوام	۸۲۰ھ	اودھ، بھارت
۱۰۱	شیخ سارنگ	۸۵۵ھ / ۱۴۵۱ء	بارہ بنکی، بھارت
۱۰۲	شیخ عبدالرسول شاہ	ندارد	الور، بھارت
۱۰۳	شیخ بلبل شاہ	۷۲۷ھ	کشمیر، سری نگر
۱۰۴	جمال الدین بخاری	ندارد	کشمیر، سری نگر
۱۰۵	شیخ برہان الدین قطب عالم	۸۵۶ھ	احمد آباد، گجرات
۱۰۶	شیخ یوسف بدھ	۸۳۴ھ	ایرچ، بھارت
۱۰۷	عثمان سیاح	۷۵۸ھ	دہلی، بھارت
۱۰۸	خواجہ حسن افغانی	۶۸۹ھ	ژوب، بلوچستان، پاکستان
۱۰۹	خواجہ علی	۸۴۰ھ	بدایوں، بھارت
۱۱۰	شیخ ضیاء الدین رومی	۷۲۱ھ	دہلی، بھارت
۱۱۱	صلاح الدین درویش	۷۴۹ھ	دہلی، بھارت
۱۱۲	شیخ بہاؤالدین زکریا	۶۶۵ھ	ملتان، پاکستان
۱۱۳	شیخ صدرالدین محمد عارف	۶۸۴ھ	ملتان پاکستان
۱۱۴	شیخ رکن الدین ابوالفتح	۶۹۰ھ	ملتان، پاکستان
۱۱۵	مولانا ناصح الدین	۷۱۲ھ	دہلی، بھارت
۱۱۶	مجد الدین حاجی	۶۲۳ھ	دہلی بھارت

نمبر شمار	نام	سن وفات	شہر علاقہ
۱۱۷	محمود موئینہ دوز	۶۵۵ھ	دہلی بھارت
۱۱۸	شاہی موئے تاب	۶۵۸ھ	بدایوں، بھارت
۱۱۹	ترک بیابانی	۷۷۱ھ	دہلی، بھارت
۱۲۰	احمد نہروالی	۶۶۱ھ	بدایوں، بھارت
۱۲۱	سید جلال الدین تبریزی	۶۴۱ھ	بنگال
۱۲۲	قاضی حمید الدین ناگوری	۶۴۳ھ	دہلی بھارت
۱۲۳	نور الدین مبارک	۶۳۲ھ	دہلی، بھارت
۱۲۴	شیخ سخائی	۹۷۵ھ	کاٹھیاواڑ، بھارت
۱۲۵	قطب عالم	۸۵۷ھ	گجرات، بھارت
۱۲۶	شاہ عالم	۸۸۰ھ	گجرات، بھارت
۱۲۷	رفقۃ الدین	۸۹۹ھ	مبارک پور، بھارت
۱۲۸	شیخ انور	۸۹۸ھ	مبارک پور، بھارت
۱۲۹	شمس الدین طاہر	۷۴۱ھ	رنھتور، بھارت
۱۳۰	شیخ حسام الدین	۱۴۴۹ء	مانک پور، بھارت
۱۳۱	شیخ نوح بھکری	۶۰۰ھ	سکھر، پاکستان
۱۳۲	شیخ نوح ہالائی	۹۹۸ھ	ہالہ، سندھ، پاکستان
۱۳۳	حمید الدین حاکم	۷۳۷ھ	رحیم یار خان، پاکستان
۱۳۴	شیخ پٹھا دیلی	۶۶۶ھ	ٹھٹھہ، سندھ، پاکستان
۱۳۵	شیخ احمد معشوق سہروردی	۹۳۳ھ	ملتان، پاکستان

نمبر شمار	نام	سن وفات	شہر علاقہ
۱۳۶	میراں موج بخاری	۱۰۱۳ھ	لاہور، پاکستان
۱۳۷	صوفی شاہ عنایت اللہ	۱۱۳۰ھ	ٹھٹھہ، سندھ، پاکستان
۱۳۸	سید عبد الکریم بلڑوی	۱۰۳۱ھ	بلڑی، سندھ، پاکستان
۱۳۹	احمد جوانمرد	ندارد	شیرانی، بلوچستان
۱۴۰	شیخ اعلیٰ	ندارد	ژوب، بلوچستان
۱۴۱	لال شہباز قلندر	۶۷۳ھ	سیہون، سندھ، پاکستان
۱۴۲	پیر لاکھا	ندارد	جھل مگسی، بلوچستان
۱۴۳	یحیی کبیر غرغشتی	۸۳۴ھ	ژوب، بلوچستان، پاکستان
۱۴۴	شیخ حسن	ندارد	قلات، بلوچستان، پاکستان
۱۴۵	شیخ متی قلات	۶۶۸ھ/۱۲۶۹ء	غلزائی، قلات، پاکستان
۱۴۶	شیخ کٹر	ندارد	پشین، بلوچستان، پاکستان
۱۴۷	سخی سرور	۵۷۰ھ	ڈیرہ غازی خان
۱۴۸	شہر اللہ لنگاہ	ندارد	ملتان، پاکستان
۱۴۹	پیر سہری	ندارد	بگٹی، بلوچستان
۱۵۰	امیر حسین سادات	۷۱۸ھ	مفرح ہرات
۱۵۱	شیخ ابو العباس	۶۴۳ھ	دہلی، بھارت
۱۵۲	شیخ اسماعیل قریشی	ندارد	جلال پور، پنجاب، پاکستان
۱۵۳	سید جلال سلہٹی	۷۴۰ھ	بنگال
۱۵۴	شیخ نور الہادی	ندارد	بنگال

نمبرشمار	نام	سن وفات	شہر علاقہ
۱۵۵	شیخ شیر علی	ندارد	بنگال
۱۵۶	شاہ ارزانی شہید	ندارد	بہار 'بھارت
۱۵۷	حاجی چراغ ہندی	ندارد	ظفر آباد 'بھارت
۱۵۸	سید جلال	ندارد	قنوج 'بھارت
۱۵۹	عبداللطیف	ندارد	جوناگڑھ 'بھارت
۱۶۰	سید میر ماہ	ندارد	بھڑائچ 'بھارت
۱۶۱	سید تاج ماہ	ندارد	بھڑائچ 'بھارت
۱۶۲	شیخ اسماعیل	ندارد	الہ آباد 'بھارت
۱۶۳	شیخ علی غوری	ندارد	جوناگڑھ 'بھارت
۱۶۴	شیخ کرم شاہ	ندارد	شاہجہاں پور 'بھارت
۱۶۵	بہاؤالدین	ندارد	آگرہ 'بھارت
۱۶۶	شیخ راجن	ندارد	اوچ 'پاکستان
۱۶۷	شیخ حسن	۸۹۶ھ	اوچ 'پاکستان
۱۶۸	شیخ محمد	۸۲۷ھ	اوچ 'پاکستان
۱۶۹	شیخ محمود	ندارد	اوچ 'پاکستان
۱۷۰	بہاؤالدین	ندارد	اوچ 'پاکستان
۱۷۱	شیخ محمد	ندارد	ماتھیلو 'سندھ 'پاکستان
۱۷۲	فاضل قریشی	ندارد	کوٹ بھیرا 'پاکستان
۱۷۳	قائم دین قلندر	ندارد	کوٹ بھیرا 'پاکستان

نمبرشمار	نام	سن وفات	شہر علاقہ
۱۷۴	نشاۃ اللہ یار	ندارد	ٹنڈو الہیار 'پاکستان
۱۷۵	شیخ موسو	ندارد	ٹنڈو الہیار 'پاکستان
۱۷۶	شیخ ابوبکر	ندارد	سلطانپور لودیاں 'بھارت
۱۷۷	شیخ صدرالدین قریشی	ندارد	مالیر کوٹلہ 'بھارت
۱۷۸	شیخ عبدالرحیم	ندارد	حصار 'بھارت
۱۷۹	مولانا مسعود مہونی	ندارد	مہون 'بھارت
۱۸۰	عبداللہ بیابانی	ندارد	مندور 'بھارت
۱۸۱	شیخ یوسف	ندارد	چتور گڑھ 'بھارت
۱۸۲	خواجہ بہاؤالدین	ندارد	کنووال 'بھارت
۱۸۳	شیخ مینا	ندارد	لکھنئو 'بھارت
۱۸۴	خواجہ کرک	ندارد	الہ آباد 'بھارت
۱۸۵	شاہ محمود	ندارد	بدین سندھ 'پاکستان
۱۸۶	حسام الدین	ندارد	بدین سندھ 'پاکستان
۱۸۷	شاہ عبدالرحمٰن	ندارد	کوٹ گوہر سندھ 'پاکستان
۱۸۸	شیخ سلیمان	ندارد	کوٹ گوہر سندھ 'پاکستان
۱۸۹	شیخ شاہ جلال	ندارد	کوٹ گوہر سندھ 'پاکستان
۱۹۰	سید ناصر علی شاہ	ندارد	ہنگورجہ 'سندھ 'پاکستان
۱۹۱	محمد شریف	ندارد	اکھامائی 'سندھ 'پاکستان
۱۹۲	شاہ یوسف	ندارد	اکھامائی 'سندھ 'پاکستان

نمبر شمار	نام	سن وفات	شہر علاقہ
۱۹۳	شاہ ابراہیم	ندارد	اکھامائی، سندھ، پاکستان
۱۹۴	عبدالغنی نوح	ندارد	ونجری، سندھ، پاکستان
۱۹۵	بلاوی شاہ	ندارد	ونجری، سندھ، پاکستان
۱۹۶	جرکس ڈنڈانی	ندارد	میرپور، سندھ، پاکستان
۱۹۷	شیخ ناگوانی	ندارد	میرپور، سندھ، پاکستان
۱۹۸	شیخ گاڑھو	ندارد	میرپور، سندھ، پاکستان
۱۹۹	شیخ بھرکیو	ندارد	ماتلی، سندھ، پاکستان
۲۰۰	شفیع عثمان	ندارد	ٹنڈوغلام علی، پاکستان
۲۰۱	شیخ خان شاہ	ندارد	ٹنڈوباغو، پاکستان
۲۰۲	نہال شاہ	ندارد	ٹنڈوباغو، پاکستان
۲۰۳	محمد یوسف لعل عیسیٰ	ندارد	مظفرگڑھ، پاکستان
۲۰۴	شیخ محمود شاہ	ندارد	مظفرگڑھ، پاکستان
۲۰۵	علی اکبر قریشی	ندارد	مظفرگڑھ، پاکستان
۲۰۶	شاہ عبداللہ	ندارد	مظفرگڑھ، پاکستان
۲۰۷	یوسف قریشی	ندارد	مظفرگڑھ، پاکستان
۲۰۸	نواب غازی خان	ندارد	مظفرگڑھ، پاکستان
۲۰۹	نواب اسماعیل خان	ندارد	مظفرگڑھ، پاکستان
۲۱۰	نواب فتح خان	ندارد	مظفرگڑھ، پاکستان
۲۱۱	پیر علی قتال	ندارد	سرگودھا، پاکستان

نمبر شمار	نام	سن وفات	شہر علاقہ
۲۱۲	خواجہ نوری شاہ	ندارد	سرگودھا، پاکستان
۲۱۳	مصطفیٰ شاہ	ندارد	سرگودھا، پاکستان
۲۱۴	طیب قریشی	ندارد	سرگودھا، پاکستان
۲۱۵	شاہ جمال	ندارد	سرگودھا، پاکستان
۲۱۶	کرم شاہ قریشی	ندارد	سرگودھا، پاکستان
۲۱۷	پیر اعظم	ندارد	سرگودھا، پاکستان
۲۱۸	پیر امیر	ندارد	سرگودھا، پاکستان
۲۱۹	پیر فتح شاہ	ندارد	سرگودھا، پاکستان
۲۲۰	پیر محمد شریف	ندارد	سرگودھا، پاکستان
۲۲۱	پیر حسن شاہ	ندارد	سرگودھا، پاکستان
۲۲۲	پیر رنگا شاہ	ندارد	سرگودھا، پاکستان
۲۲۳	عمادالدین اسماعیل	ندارد	ملتان، پاکستان
۲۲۴	عمادالدین محمد	ندارد	ملتان، پاکستان
۲۲۵	صدرالدین محمد ثالث	ندارد	ملتان، پاکستان
۲۲۶	بہاؤالدین ثانی	ندارد	ملتان، پاکستان
۲۲۷	کبیر المنیر	ندارد	ملتان، پاکستان
۲۲۸	محمد قائم قریشی	ندارد	ملتان، پاکستان
۲۲۹	کبیر ثانی	ندارد	ملتان، پاکستان
۲۳۰	بہاؤالدین قریشی	ندارد	ملتان، پاکستان

نمبر شمار	نام	سن وفات	شہر علاقہ
۲۳۱	شیخ وجیہ الدین قریشی	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۳۲	شیخ محمد زکریا قریشی	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۳۳	شیخ محمد زماں قریشی	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۳۴	شیخ محمد غوث قریشی	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۳۵	بہاون شاہ	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۳۶	مخدوم ولایت شاہ	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۳۷	مخدوم بی بی مراجی	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۳۸	مخدوم بہاول بخش	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۳۹	مخدوم حسن بخش	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۴۰	مرید حسین قریشی	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۴۱	مخدوم محمد ساجد حسین قریشی	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۴۲	شیخ علاؤالدین	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۴۳	قدرت الدین محمد	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۴۴	شمس الدین محمد	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۴۵	شیخ محبوبِ خدا	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۴۶	شیخ شہاب الدین محمد	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۴۷	ضیاء الدین محمد	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۴۸	شیخ برہان الدین محمد	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۴۹	شیخ نورالدین	ندارد	ملتان 'پاکستان

نمبر شمار	نام	سن وفات	شہر علاقہ
۲۵۰	شیخ عبدالغفار	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۵۱	شیخ موسیٰ	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۵۲	شیخ یحییٰ	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۵۳	شیخ معین الدین	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۵۴	شیخ محمد قطب الدین	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۵۵	شیخ محبوب حقانی	ندارد	ملتان پاکستان
۲۵۶	شیخ عاشق حسین	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۵۷	شیخ مراد شاہ	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۵۸	محمد حیات قریشی	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۵۹	غلام رکن الدین	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۶۰	شیخ ظہیر الدین محمد	ندارد	ملتان 'پاکستان
۲۶۱	صلاح الدین درویش	ندارد	دہلی بھارت
۲۶۲	شیخ نصر اللہ	ندارد	دہلی 'بھارت
۲۶۳	شیخ رکن الدین	ندارد	دہلی 'بھارت
۲۶۴	شیخ احمد شاہ	ندارد	دہلی 'بھارت
۲۶۵	سید عبدالوہاب بخاری	ندارد	دہلی 'بھارت
۲۶۶	سید جمال الدین بخاری	ندارد	دہلی 'بھارت
۲۶۷	شیخ زین العابدین	ندارد	دہلی 'بھارت
۲۶۸	شیخ اسماء الدین	ندارد	دہلی 'بھارت

نمبر شمار	نام	سن وفات	شہر علاقہ
۲۶۹	شیخ جمال	ندارد	دہلی، بھارت
۲۷۰	شیخ رحمت اللہ	ندارد	دہلی، بھارت
۲۷۱	شیخ داؤد خاکی	ندارد	کشمیر
۲۷۲	شیخ حمزہ	ندارد	کشمیر
۲۷۳	شیخ نوروز	ندارد	کشمیر
۲۷۴	شیخ فیروز الدین مفتی	ندارد	کشمیر
۲۷۵	بابا روجی ریشی	ندارد	کشمیر
۲۷۶	بابا نصیب	ندارد	کشمیر
۲۷۷	شیخ مسعود پانی پتی	ندارد	پان پور
۲۷۸	عبدالرحیم	ندارد	کشمیر
۲۷۹	شیخ یعقوب	ندارد	اسلام آباد، کشمیر
۲۸۰	شیخ بہرام	ندارد	کشمیر
۲۸۱	شیخ مولانا حیدر	ندارد	کشمیر
۲۸۲	شیخ حسن لالو	ندارد	کشمیر
۲۸۳	شیخ شاہ محمد	ندارد	کشمیر
۲۸۴	شیخ محمد مہدی	ندارد	کشمیر
۲۸۵	شیخ محمد علی	ندارد	کشمیر
۲۸۶	شیخ عنایت اللہ	ندارد	کشمیر
۲۸۷	شیخ بدھن بہرائچی	۸۸۰ھ	جونپور، بھارت

نمبر شمار	نام	سن وفات	شہر علاقہ
۲۸۸	شیخ جلال الدین ابوالفتح	۸۸۱ھ	قنوج بھارت
۲۸۹	شیخ جمشید	۸۴۲ھ	راج گیر، بھارت
۲۹۰	شیخ حسن الحسینی	۸۹۶ھ	اوچ، پاکستان
۲۹۱	شیخ سراج الدین	۸۸۸ھ	نہروال، بھارت
۲۹۲	شیخ سعد الدین	۸۸۲ھ	خیر آباد، بھارت
۲۹۳	شیخ محمد بن احمد بخاری	۸۲۷ھ	اوچ، پاکستان
۲۹۴	شیخ محمد بن عبداللہ بخاری	۸۸۰ھ	گجرات، بھارت
۲۹۵	شیخ محمد عبداللہ	۸۹۲ھ	گجرات، بھارت
۲۹۶	شیخ محمد بن العلاء	۸۹۲ھ	جونپور، بھارت
۲۹۷	شیخ محمد بن القاسم	۸۹۶ھ	اودھ، بھارت
۲۹۸	شیخ محمد بن قطب	۸۸۸ھ	لکھنؤ، بھارت
۲۹۹	شیخ محمود بن عبداللہ	۸۸۰ھ	بٹوہ، گجرات، بھارت
۳۰۰	شیخ موسیٰ بن عزیز اللہ	۸۶۹ھ	بہار، بھارت
۳۰۱	شیخ نصیر بن الجمال	۸۵۱	گجرات، بھارت
۳۰۲	شیخ یحییٰ ابن علی	۸۵۰ھ	گجرات، بھارت
۳۰۳	شیخ یوسف ابن احمد	۸۳۴ھ	ایرچی، بھارت
۳۰۴	شیخ رکن الدین	۸۷۴ھ	جونپور، بھارت
۳۰۵	شیخ حماد بن محمد	۸۳۶ھ	گجرات، بھارت
۳۰۶	شیخ سید قلندر علی شاہ	۱۳۷۸ء	بجروال، پنجاب، پاکستان

مندرجہ بالا فہرست شیوخ سہروردیہ مندرجہ ذیل کتب سے تیار کی گئی ہے

۱۔ اخبار الاخیار، مصنف شیخ عبدالحق محدث دہلوی،
مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، سن ندارد

۲۔ نزہۃ الخواطر، مصنف علامہ سید عبدالحئی،
مقبول اکیڈمی، لاہور، سن ندارد

۳۔ آفتاب سہروردیہ، مصنف مرزا اختار احمد بیگ،
مجلس سلسلہ عالیہ سہروردیہ، حیدر آباد، سن ندارد

۴۔ مدینۃ الاولیاء، مصنف محمد دین کلیم،
المعارف گنج بخش روڈ، لاہور، ۱۹۷۶ء

۵۔ سفینۃ الاولیاء، شہزادہ دارا شکوہ قادری،
نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۷۵ء

۶۔ تاریخ ملتان، جلد اول، مولانا نور احمد خان فریدی،
قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء

۷۔ تذکرۃ الاولیاء اللہ، مصنف علامہ عالم فقری،
شبیر برادرز، لاہور، ۱۹۹۰ء

۸۔ تذکرہ صوفیائے بلوچستان، مصنف ڈاکٹر انعام الحق
کوثر، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۶ء

۹۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، مصنف پروفیسر محمد
ایوب قادری، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۹۷۵ء

اس فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ سہروردیہ کے بزرگوں نے ہند میں تعلیم و تربیت اور تبلیغی کام میں اہم کردار ادا کیا اور مذکورہ حضرات نے لوگوں کو اسلام سے روشناس کرانے کے ساتھ ساتھ حلقۂ اسلام میں داخل کرنا اور تعلیم دینا اور تبلیغ کرنا اپنا فریضۂ اولین سمجھا اور اس کو خوب نبھایا ہے۔

اس کے بعد اب شیخ بہاؤالدین زکریا کے حوالے سے سیاست کا تذکرہ کرنا مناسب ہوگا۔

شیخ بہاؤالدین زکریا اور سیاست

ملکی سوجھ بوجھ سے تعلق رکھنا ہر شہری کے لئے ضروری ہے۔ شیخ بہاؤالدین زکریا کو ملکی سیاست کے حوالے سے دیکھا جانا چاہئے جب آپ بغداد سے ہند ملتان تشریف لائے اس وقت سلطان شہاب الدین غوری (متوفی ۶۰۲ھ / ۱۲۰۶ء) کا دور تھا۔ اس سے آپ کے تعلقات نہیں تھے لیکن سلطان شہاب الدین غوری کے بعد سلطان قطب الدین ایبک برسر اقتدار ہوا۔ اس سے شیوخ کے تعلقات کے متعلق کہ اس عہد کے ان علماء میں جو کسی نہ کسی حد تک سلطان قطب الدین ایبک سے وابستہ رہے وہ قاضی حمید الدین افتخار علی، فخر مدبر، صدر الدین حسن نظامی اور مولانا بہاؤالدین اوشی کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں[1]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کوئی بھی سہروردی بزرگ کے تعلقات نہ تھے۔ سلطان قطب الدین ایبک (متوفی ۶۰۷ھ / ۱۲۱۰ء) کے بعد ملتان کا سلطان ناصر الدین قباچہ (متوفی ۶۲۵ھ) اور سلطان شمس الدین التمش (متوفی ۶۳۳ھ / ۱۲۳۶ء) برسر اقتدار آئے۔ ان دونوں کے متعلق دیکھنا ضروری ہے کہ ان سے تعلقات کیسے تھے۔ سلطان ناصر الدین قباچہ کے زمانہ میں ملتان میں قحط پڑ گیا اور لوگ بھوک سے مرنے لگے۔ اس وقت سلطان ناصر الدین قباچہ نے آپ سے گندم لینے کیلئے رجوع کیا۔ آپ کا صبح و شام لنگر جاری رہتا تھا۔ آپ نے سلطان کو خاصی مقدار میں غلہ عطا فرمایا۔ آپ نے فرمایا فلاں انبار خانے کی

۱۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ادارۂ ادبیات دلی، دہلی، بھارت، ۱۹۸۱ء، صفحہ ۹۵

گندم دے دی جائے۔[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ دنیاوی لحاظ سے امیر تھے۔ آپ کے پاس وافر گندم رہتی تھی اور گندم کے کئی انبار ہوتے تھے اور آپ کی گندم سے صبح اور شام کو بھوکے اور مسافروں کو کھانا کھلایا جاتا تھا اور سلطان ناصر الدین قباچہ کی آپ نے مدد کی تاکہ ملکی سطح پر عوام کو قحط سے بچایا جا سکے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت کے حکمران کے ساتھ تعلقات اچھے تھے اور حکمرانوں کے آپ کام آتے تھے۔ گو کہ آگے چل کر سلطان ناصر الدین قباچہ سے آپ کے تعلقات اچھے نہیں رہے تھے اور قباچہ آپ سے خوفزدہ رہتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سلطان ناصر الدین قباچہ نے دہلی حکومت کی مخالفت کر دی تھی۔ اور شیخ نے قباچہ کی فتنہ انگیزی اور مخالفت پر مشتمل خط سلطان شمس الدین التمش کو بھیجا[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی رغبت سلطان شمس الدین التمش سے تھی اور حق پر سلطان شمس الدین التمش کو سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے اس طرف سے رغبت تھی اور قباچہ کو معلوم تھا کہ عوام میں آپ کے اثرات ہیں۔ آپ پر ہاتھ ڈالنا مشکل تھا۔ آپ کا خط راستہ میں سلطان قباچہ کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گیا اور آپ کو دربار میں سلطان قباچہ نے بلا کر کہا کہ خط آپ نے لکھا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ میرا خط ہے اور اللہ کے حکم سے لکھا ہے[3] اس سے آپ کا رعب و جلال دیکھ کر آپ کو واپس گھر بھیج دیا۔ سلطان شمس الدین التمش دہلی کا حکمران تھا اور ملتان دہلی کے تحت تھا۔ جب متفقہ طور پر سلطان شمس الدین التمش کو دہلی میں سلطان بنا دیا گیا۔ سلطان ناصر الدین قباچہ کو اس سے حسد پیدا ہو گیا تھا۔

[1] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۵۹

[2] ایضاً۔ صفحہ ۱۵۸

[3] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۵۹

یہ دونوں سلطان قطب الدین ایبک کے آزاد کردہ غلام اور داماد تھے۔ شیخ بہاؤالدین زکریا دہلی کے حکمران کے عدل وانصاف کی وجہ سے مدح تھے اور قباچہ سے آپ کی رنجش کی وجہ بھی خواجہ نظام الدین اولیا کے مطابق یہی تھی[1] اس سے ایک اور بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ حکمرانوں کے رعب و دبدبہ سے مرعوب نہ ہوتے تھے اور جس بات کو آپ حق سمجھتے تھے وہ کر گزرتے تھے اور اس بات کا بھی افشا ہوا کہ ملکی سطح کے معاملات میں آپ سمجھ بوجھ رکھتے تھے اور ان کے حل کے لئے عملی کوشش کرتے تھے۔ اس حکمران قباچہ کا آپ کی خانقاہ سے تعلق رہتا تھا اس کو دیکھنے کے لئے مولانا نور احمد خان فریدی نے تحریر کیا ہے کہ طرطائی کے حملہ کے وقت سلطان قباچہ نے شیخ زکریا کی خانقاہ میں حاضر ہو کر کہا:

"اے خدا کے یاد کرنیوالے درویشو! کوئی چارہ گری کرو۔ خدا کی قسم اگر مغل شہر میں گھس آئے تو ایک متنفس بھی زندہ نہ بچے گا"[2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان قباچہ شیخ بہاؤالدین زکریا کے اثر و نفوذ کو تسلیم کر رہا تھا اور مدد کے لئے آیا تھا اور آپ کی خانقاہ سے یہ مسئلہ حل ہو سکتا تھا۔ بہر صورت شیخ بہاؤالدین زکریا کی خانقاہ ایک مرکزی حیثیت رکھتی تھی۔ اس وقت شیخ قطب الدین بختیار کاکی نے سلطان قباچہ کو ایک تیر دیا اور فرمایا کہ مغل فوج کی طرف پھینک دینا۔ خدا کی شان کہ رات کی تاریکی میں وہ بے پناہ لشکر اس طرح غتر بود ہوا کہ صبح کو اس کا نشان تک نہ رہا[3] اس سے

[1] خواجہ نظام الدین اولیا، فوائد الفواد، ترجمہ حسن نظامی، اردو اکادمی، دہلی، بھارت، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۶۲

[2] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۱۶۶

[3] ایضاً۔ صفحہ ۱۶۶

معلوم ہوتا ہے کہ نیک بندوں سے مدد لینا سلطان قباچہ ضروری سمجھتا تھا اور اس مدد سے اس کو فتح بھی ہوئی اور مصائب سے بھی بچ گیا۔ اس کے ساتھ شیخ بہاؤالدین زکریا کے اثرات کا علم ہوتا ہے اور آپ کو عوامی اور روحانی طاقت حاصل تھی۔ سلطان شمس الدین التمش ان دونوں بزرگوں حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی اور شیخ اوحد الدین کرمانی کا منظور و مقبول ہے[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے پیرومرشد کی وجہ سے بھی سلطان شمس الدین التمش کی طرف شیخ بہاؤالدین زکریا کا جھکاؤ تھا۔ اور سلطان شمس الدین التمش بھی اسی وجہ سے بزرگوں کا عقیدت مند تھا۔ جب سلطان شمس الدین التمش نے ۶۲۵ھ میں جب دیکھا کہ سلطان ناصر الدین قباچہ نے پنجاب پر حملہ کر کے قبضہ کرنا چاہا تو سلطان التمش نے آگے بڑھ کر قلعہ اوچ کا محاصرہ کر لیا اور اپنے وزیر نظام الملک جنیدی کو ناصر الدین قباچہ کے تعاقب میں روانہ کیا۔ ایک مہینہ تک اوچ کا محاصرہ رہا پھر صلح سے فتح ہو گیا۔ سلطان التمش کی آمد کی خبر سن کر سلطان ناصر الدین قباچہ اوچ سے ملتان اور ملتان سے بکھر چلا گیا اور خوف کی وجہ سے کشتی پر سوار ہو کر دریا کو عبور کرتے ہوئے غرق ہو گیا[2] آپ نے اس دوران خاموشی اختیار کی اور آپ کا تعلق اور دلی رغبت سلطان شمس الدین التمش کی طرف رہی۔ حالانکہ جب مغلوں نے ملتان پر حملہ کیا تھا اس وقت ملتان کا حکمران سلطان قباچہ ہی تھا اور مغل فوج کی یہ حالت تھی کہ طوفانِ نوح کی طرح مصیبت بن کر انسانی آبادیوں کو تہ و بالا کرتی چلی جا رہی

[1] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین ترجمہ محمد ایوب قادری' اردو سائنس بورڈ' لاہور' ۱۹۸۹ء' صفحہ ۱۵۸

[2] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تذکرہ شیخ بہاؤالدین زکریا' قصر الادب' رائٹر کالونی' ملتان' ۱۹۵۷ء' صفحہ ۳۴

تھی[1] قباچہ بہت خوفزدہ تھا۔ شیخ بہاؤالدین زکریا کے پاس آیا تو آپ نے اس کی بھرپور مدد کی تھی لیکن سلطان شمس الدین التمش کے مقابلے میں سلطان قباچہ کی آپ نے مدد نہیں کی۔ سلطان شمس الدین التمش نے شیخ زکریا ملتانی کو دہلی آنے کی اس وقت دعوت دی جب شیخ الاسلام نجم الدین صغری کی طرف سے شیخ جلال الدین تبریزی پر تہمت لگی اس وقت آپ دہلی تشریف لے گئے اور کثیر تعداد میں علماء و مشائخ موجود تھے۔ جمعہ کی نماز کے بعد مسجد میں حضر منعقد کیا اور تہمت کی تصدیق میں تہمت غلط ثابت ہوئی اور شیخ اسلام کے عہدے سے نجم الدین صغری کو الگ کر دیا گیا[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سلطان کے بلانے پر جایا کرتے تھے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہم پیچیدہ مسائل کو نمٹانے کے لئے سلطان کی آپ مدد کرتے تھے اور سلطان آپ کو بڑی عقیدت سے دیکھتا تھا اور اپنے ملکی سطح کے مسائل کو آپ سے حل کرواتا تھا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس وقت کے علماء و مشائخ میں آپ کا بڑا اہم مقام تھا۔ ہند میں اس سے پہلے سہروردی بزرگوں نے ملکی سطح پر سیاست میں حصہ نہیں لیا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ ملکی سطح پر سہروردیوں کا سیاسی تعلق حکمرانوں سے اہم اور ابتدائی آغاز تھا تو یہ بے جا نہ ہوگا۔ بالکل اس طرح جیسا کہ فاتح سندھ محمد بن قاسم نے برہمناباد کی فتح کے بعد سندھ کے غیر مسلموں سے جو تصفیہ کیا وہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ بت پرست ہندوؤں اور بدھ مت کے پیروؤں سے مسلمانوں کے سیاسی تعلقات کا یہ پہلا

[1] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان' جلد اول' قصر الادب' رائٹر کالونی' ملتان' ۱۹۷۵ء' صفحہ ۱۶۵

[2] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین ترجمہ محمد ایوب قادری' اردو سائنس بورڈ' لاہور' ۱۹۸۹ء' صفحہ ۲۴۷

موقع تھا۔[1] بالکل اس طرح شیخ بہاؤالدین زکریا کے ہند میں حکمرانوں سے سیاسی تعلقات کا یہ پہلا موقع تھا۔ ہو سکتا ہے کہ شیخ بہاؤالدین زکریا اپنے مرشد شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی اقتدا میں ایسا کرتے ہوں۔ شیخ الشیوخ امیر المسلمین ناصرالدین باللہ کی طرف سے خوارزم شاہ کے پاس تشریف لے گئے جو بغداد پر حملہ آور ہونے کے لئے ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ روانہ ہو چکا تھا۔ آپ نے اس کو اس ارادہ سے باز رکھنے کے لئے بہت کچھ پند و نصائح فرمائے۔ لیکن وہ باز نہ آیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ابھی راستہ ہی میں تھا کہ بغیر موسم کے اس کے لشکر پر بیس روز تک مسلسل سخت ژالہ باری ہوئی جو شیخ الشیوخ کی بد دعا کا نتیجہ تھی۔ اور اس کو بے نیل و مرام واپس ہونا پڑا۔ آپ کے بطور سفیر اربل تشریف لے جانے کا ذکر بھی ملتا ہے[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ بہاؤالدین زکریا سیاست اپنے بزرگوں سے ورثہ میں حاصل کئے ہوئے تھے۔ سہروردیوں کے مقتداء نے یہی روش مخلوقِ خدا کی خدمت کے لئے اختیار کی تھی وہی اثر شیخ بہاؤالدین زکریا میں موجود تھا۔ حکمرانوں سے تعلقات اور ملکی سطح پر حصہ لینا سہروردیوں کا شیوا رہا ہے۔ یہ صرف انہی کی خصوصیت ہے۔ شیخ بہاؤالدین زکریا کے سیاسی کردار کو دیکھنے کے لئے اس بات کو دیکھا جائے کہ جب دوسری بار پھر ۶۴۳ھ میں ملتان پر عیدالاضحیٰ کے موقع پر "توسالے نوئین" نام کا ایک مغل سردار حملہ کے لئے آگیا تھا۔ اس سردار کو ہیرات کے حاکم ملک شمس الدین کی حمایت حاصل تھی۔ اس مشکل وقت میں شیخ بہاؤالدین زکریا کو اطلاع ہوئی تو آپ نے حاکم ملتان کے ذریعہ حاکم ہرات کو بلایا۔ وہ ملتان میں خود آیا۔

[1] شیخ محمد اکرام۔ دربارِ ملی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۱ء، صفحہ ۱

[2] شیخ شہاب الدین سہروردی۔ عوارف المعارف، ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۰۶

اس نے آپ کی قدم بوسی کی اور بلانے کا مقصد دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا بھئی! جس طرح بھی ممکن ہو اس بلا کو دفع کرو اور میرے بچوں کو عید کرنے دو۔ ملک شمس الدین اسی وقت منگول سردار کی خدمت میں گیا اور طے پایا کہ اگر گورنر ملتان ایک لاکھ اشرفی بطور تاوانِ جنگ ادا کرے تو محاصرہ اُٹھایا جاسکتا ہے۔ حضرت بہاؤالدین زکریا نے اپنی جیب خاص سے ایک لاکھ اشرفی عطا کی۔[1]

اس سے بہت باتیں سامنے آتی ہیں۔ ملتان کے حکمران سے تعلقات تھے۔ وہ آپ کے اثرات کو جانتا تھا۔ ملتان کے علاوہ ہند سے باہر علاقہ افغانستان ہرات شہر کا حکمران آپ کا عقیدت مند تھا۔ آپ کے بلانے پر وہ خود حاضرِ خدمت ہوا۔ مغل سردار کی جنگ کو ہرات کے حاکم سے دفع کرایا اور آپ کو مخلوقِ خدا سے بڑی محبت تھی۔ آپ نے ملتان کی عوام کو قتل ہونے سے بچالیا۔ اقتصادی لحاظ سے آپ مستحکم تھے اسی وجہ سے اپنی جیب سے ایک لاکھ اشرفی عطا کی۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ملتان کی عوام کو باپ جیسی شفقت عطا کرتے تھے اور جنگ وجدل کی بجائے صلح کراتے تھے۔ یہ بات آپ کے اثرات اور حکمرانوں سے تعلقات کو ظاہر کرتی ہے۔ حکومت کے کاموں میں ہاتھ بٹانے کے لئے دیکھا جائے تو شیخ الاسلام ایک حکومت کا عہدہ ہوتا تھا اور سلطان کسی جید عالم اور پرہیزگار عالم کو شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز کرتا تھا جو دینی مسائل کو حل کرتا تھا۔ شیخ نجم الدین صغری کو جب سلطان نے شیخ الاسلام کے عہدے سے الگ کیا تو اس وقت شیخ الاسلام کا عہدہ شیخ بہاؤالدین زکریا کو دیا گیا جو آپ نے قبول فرمایا۔ اس وقت سے اب تک یہ عہدہ

[1] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۱۷۵

شیخ الاسلامی اس بزرگ خاندان میں چلا آرہا ہے[1] یعنی جب تک ہند میں شیخ اسلامی کا عہدہ رہا۔ لیکن اب یہ عہدہ ہند میں نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہی کہ حکومت کی طرف سے سونپی گئی ذمہ داری کو قبول کرتے تھے۔ حکمرانوں سے جہاں تعلقات کا پتہ چلتا ہے وہاں آپ کے جید عالم اور متقی ہونے کا علم ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اس کے بعد اس عہدے کے ذریعہ حکومت میں براہِ راست عمل دخل رکھتے تھے۔ جب شیخ نجم الدین صغری کو عہدے سے الگ کیا گیا تو ان کو تہمت لگانے کی سزا نہیں دی گئی۔ حالانکہ سلطان شمس الدین التمش نے حکم دیا تھا کہ تہمت لگانے کے بدلے میں نجم الدین صغری کو قتل کر دیا جائے۔ اس موقع پر سلطان التمش کو اس قتل سے باز رکھنے کے لئے شیخ بہاؤالدین زکریا نے فرمایا کہ نجم الدین اپنے کئے کی سزا خود پائے گا۔ آپ اس سے درگزر فرمائیں[2] اس سے آپ کی نرمی اور درگزر کا پہلو سامنے آنے کے ساتھ ایک دوسرا پہلو بھی سامنے آتا ہے کہ حضرت بہاؤالدین زکریا نے سلطان سے کہہ کر سزا کیوں نہیں دلائی بلکہ درگزر کرنے کے لئے کہہ کر نجم الدین صغری کو بچالیا۔ آپ کی طبیعت اور حالات کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ آپ نیک خو اور نرم طبیعت کے مالک تھے۔ دوسرا یہ کہ شیخ جلال الدین تبریزی کی طرف سے نجم الدین صغری کو سزا دینے کے لئے کوئی تحریک نہ تھی اور ہند میں بادشاہت

[1] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۲۴۷

[2] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۱۷۴

تھی نہ کہ اسلامی حکومت تھی کیونکہ اسلامی حکومت میں اسلامی سزا کا تصور راسخ ہے۔ اس وقت کا بادشاہ بھی نرم اور نیک انسان تھا اور نیک لوگوں کی قدر کرتا تھا۔ ان وجوہات کی بناء پر نجم الدین صغری سزا پانے سے بچ گیا تھا۔ سلاطین و امراء سے تعلقات کے حوالے سے پروفیسر خلیق احمد نظامی نے لکھا ہے کہ سہروردیہ سلسلہ کے مشائخ نے جن کے نزدیک سلاطین و امراء سے تعلقات رکھنا کسی روحانی سعادت کے خلاف نہیں تھا۔ اس کو حدود سلطنت وسیع کرنے میں مدد دی[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمرانوں سے تعلقات سہروردی رکھتے تھے اور ان تعلقات کو روحانیت کے منافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس سے اپنے تعلقات کو وسیع کر کے اپنی حدود کو بڑھاتے تھے۔ جب حالات کا تقاضا ہوتا تھا تو سیاست میں بھی حصہ لیتے تھے[2] معلوم ہوتا ہے تقاضائے وقت پر شیخ بہاؤالدین زکریا سیاست میں حصہ لیتے تھے۔ اس بات کی تائید میں سید محمد سلطان سہروردی تحریر کرتے ہیں کہ آپ (شیخ الشیوخ) کی اتباع میں آپ کے خلفاء نے خصوصاً شیخ بہاؤالدین زکریا سہروردی ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے اور ان کے جانشینوں نے بھی سلاطین وقت کی ہدایت و راہنمائی فرمائی اور عوام و خواص کے ساتھ ساتھ حاکمانِ وقت کو بھی فیض پہنچایا۔ اس طرح سلاطین وقت بڑی بڑی گمراہیوں سے بچے رہے اور عوام کی بھی حاجت براری ہوتی رہی[3] معلوم ہوتا ہے کہ سہروردی سیاست میں اس لئے قدم رکھتے ہیں کہ حکمرانوں کو گمراہیوں سے بچایا جائے

[1] پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ادارۂ ادبیات دلی، دہلی، بھارت، ۱۹۸۱ء، صفحہ ۱۱۵

[2] ایضاً۔ صفحہ ۱۱۵

[3] سید محمد سلطان سہروردی۔ جدید کلیہ سہروردیہ، مرکزی انجمن سہروردیہ، حیدر آباد، س ن ندارد، صفحہ ۱۳

اور عوام کی حاجات جو حکمرانوں سے ہوں ان کو پورا کرایا جائے۔ اس طرح وہ دینِ اسلام کے ظاہری و باطنی تقاضات کو پورا کرتے تھے۔ سو شیخ بہاؤالدین زکریا نے سیاست سے عوام کے لئے بہترین خدمات انجام دیں۔ گو کہ سہروردی سلطنت حاصل کرنے کی کوشش تو نہیں کرتے مگر اصلاحِ احوال کے لئے ضرور سعی کرتے نظر آتے ہیں۔ اب آپ کی اولاد کو دیکھا جائے۔

شیخ بہاؤالدین زکریا کی اولاد

آپ کی دو بیویاں تھیں۔ ایک کا نام رشیدہ بانو تھا۔ ان کے بطن سے شیخ صدرالدین محمد عارف، شیخ علاؤالدین محمد، شیخ شہاب الدین انور اور شیخ برہان الدین متولد ہوئے اور دوسری بیوی کا نام بی بی شہربانو تھا۔ ان کے بطن عفت سے شیخ قدوۃ الدین محمد، شیخ شمس الدین محمد اور شیخ ضیاء الدین پیدا ہوئے[1] شیخ بہاؤالدین زکریا نے اپنے ان صاحبزادوں کی اچھی تعلیم و تربیت فرمائی تھی۔ آگے چل کر ان صاحبزادوں نے علم اور عبادت میں شہرت حاصل کی تھی اور وقت کے حکمرانوں سے عمدہ تعلقات تھے۔ جیسا کہ شیخ صدرالدین محمد عارف سے شہزادہ سلطان محمد گورنر ملتان کے تعلقات ابتداء میں خاصے تسلی بخش تھے وہ اکثر و بیشتر حضور کی خدمت میں حاضر ہوتا اور حضرت بھی اس کی خاطر گاہے گاہے مجلس خاص میں تشریف لے جاتے تھے[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ بہاؤالدین زکریا کے بڑے صاحبزادے اور خلیفہ کے سلطان محمد سے اچھے تعلقات کی بناء پر ان کی مجلس میں تشریف لے جاتے تھے اور شہزادہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ اسی بناء پر حکومت کے

[1] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۱۸۲

[2] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تذکرہ صدرالدین عارف، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۵۷ء، صفحہ ۹۵

اندر شیخ صدرالدین محمد عارف کے اثرات تھے۔

شیخ بہاؤالدین زکریا کا طریقہ بیعت

آپ کی اولاد کے بعد آپ کی بیعت کے طریقہ کار کو دیکھا جائے۔ بیعت کے لغت میں معنی البیع سے بیچنے کے ہیں۔ قرآن کریم میں واحل اللہ البیع و حرم الربوا (۲۔۲۷۵) حالانکہ سودے کو خدا نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔ اس آیت میں اشیا کے بیچنے کو حلال قرار دیا گیا یعنی بیچنے کے معنی میں قرآن کریم نے اس لفظ کو استعمال کیا ہے۔ اس طرح کہا جاتا ہے کہ بایع السلطان 'بادشاہ کی بیعت کرنا' یعنی اس قلیل مال کے عوض جو بادشاہ عطا کرتا ہے اس کی اطاعت کا اقرار کرنا اس اقرار کو بیعۃ یا مبایعۃ کہا جاتا ہے[1] اور قرآن میں فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ (۹۔۱۱۱) تو جو سودا تم نے اس سے کیا ہے اس سے خوش رہو۔ اس آیت میں بیعت رضوان کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر ذیل کی آیت میں دیکھیں۔

لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذیبا یعونك تحت الشجرہ (۴۸۔۱۸) اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو خدا ان سے خوش ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بیعت کا طریقہ مسلمانوں میں دورِ رسالت سے معرضِ وجود میں آیا اور مسلمانوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس بیعت کے معنی بیچنے کے ہیں تو اس سے مراد یہی ہے کہ جو انسان بیعت کرتا ہے وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ جو آپ کہیں گے بغیر کسی چوں و چرا کے اس پر عمل کیا جائے گا۔ اگر آپ بیچ بھی دیں تو یہ آپ کا حق ہے جو آپ کسی وقت استعمال

[1] امام راغب اصفہانی۔ مفردات القرآن، ترجمہ مولانا محمد عبدہ، اہل حدیث اکادمی، کشمیری بازار، لاہور، ۱۹۷۱ء، صفحہ ۱۳۴

کر سکتے ہیں۔ دیکھا جائے تو بچنے کے بعد بھی انسان زندہ رہ سکتا ہے لیکن بیعت الرضوان میں تو لڑائی کے وقت جہاد کرنا تھا اس میں انسان شہید ہو سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیعت سے مراد مکمل اور ہمہ پہلو سے اطاعت ہے۔ بیعت کے طریقے کو دیکھیں کہ اس کا طریقہ کس طرح تھا۔

بیعت : اس کا طریقہ کچھ اس طرح سامنے آتا ہے کہ بیعت کی اصطلاح میں بیعت سے مراد کسی پیغمبر، ولی یا صاحبِ نسبت بزرگ کے ہاتھ میں دے کر ہاتھ اپنے گناہوں سے تائب ہونا اور اس بزرگ کی اطاعت کا اقرار کرنا[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔ ہاتھ میں ہاتھ لینے کے بعد اس سے چند باتوں کا اقرار کر لیا جاتا ہے جو وہ آدمی زندگی بھر نبھاتا ہے۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کے انجام دینے سے کوئی بھی شخص یا جماعت کسی دوسرے شخص کے اقتدار کو تسلیم کر لیتا ہے۔

مقاصد بیعت : ایک مقصد اصولاً کسی عقیدے سے وابستگی اور کسی شخص کی تعلیمات کو قبول کرنا ہے اور دوسرا مقصد کسی کی حاکمیت کو تسلیم کرنا ہے اور تیسرا مقصد کسی شخص کی اطاعت قبول کرنا ہے اور چوتھا مقصد ثانوی لحاظ سے ایک معاہدہ ہے یعنی بیعت میں ایجاب و قبول اور باہمی رضامندی ضروری ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے اور دینِ اسلام کی اشاعت کے لئے بیعت لی تھی[2] اور

---

[1] سید قاسم محمود۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی ۱۹۸۴ء، صفحہ ۴۱۶

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اشعۃ اللمعات۔ جلد اول۔ مترجم علامہ عبدالحکیم فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۹۸۱ء، صفحہ ۲۳۴۔ نیز بخاری کتاب الایمان نیز بخاری کتاب التعبیر نیز موطا امام مالک۔ مترجم علامہ وحید الدین صفحہ ۶۸۶

اَصل : آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس فرد سے بیعت لیتے تھے جو دائرہ اسلام میں داخل ہوتا اور اس سے برے اعمال چھوڑنے اور اچھے کام کرنے کا وعدہ لیتے تھے۔ یہی بات صوفیا کرام میں رائج ہے۔ اور اس کی تین قسمیں ہیں۔ ایک بیعت تو یہ ہے جو گناہوں سے توبہ کرنے کے لئے ہو نیک آدمی کے ہاتھ پر کی جا سکتی ہے۔ ہر نیک آدمی بیعت لے سکتا ہے اور دوسرا بیعت تبرک ہے کہ نیک لوگوں کے سلسلہ میں داخل ہونے کے لئے کسی سے بیعت کر لے اور تیسرا شیخ کو بیعت کرانے والا سلوک کے طریقہ مجاہدہ میں اپنے آپ پر حاکم مقرر کر لے۔ یہ بیعت خاص ارباب ارادت کیلئے ہے[1] معلوم ہوتا ہے کہ گناہوں سے تائب ہونے یا حصول برکت کے لئے یہ عام بیعت تھی اور خصوصی بیعت طریقۂ مجاہدہ کے حصول اور منازل کو طے کرنے کے لئے تھی۔ بیعت میں قول و اقرار کے بعد ہند کے سلسلہ سہروردیہ کے بانی شیخ بہاؤالدین زکریا جس شخص کو مرید کرتے تھے تو بیعت کے وقت اور نصیحتوں سے پہلے یہ فرمایا کرتے تھے کہ جب میرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہو تو مجھ کو اپنا پیر سمجھنا اور ہر دروازے پر ہر شخص کے پاس نہ جانا۔ ایک دروازہ پکڑنا چاہئے اور مضبوطی سے پکڑنا چاہئے[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آدمی پیر پر مکمل اعتماد کرے تب ہی فیض حاصل کر سکتا ہے۔ آپ کے اس جملہ میں کہ مجھے اپنا پیر سمجھنا میں توجہ خاص پیر کی طرف دینے کی ضرورت ہے یعنی یک در گیر، محکم گیر کا مفہوم ہے۔

ہند میں بیعت کرتے وقت ایک رسم مرید کے بال کٹوانا بھی تھی اور وہ

---

[1] ابو فیض سید قلندر علی سہروردی۔ انوار سہروردیہ، مرکزی مجلس سہروردیہ لاہور، سن ندارد، صفحہ ۳۵

[2] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۷۶

کچھ اس طرح تھی۔

بال کٹوانا

شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے کہ بیعت کے وقت سب سلسلوں میں مرید کا سر تراشا جاتا ہے[۱] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیعت کے طریقہ میں سر کے بال کچھ یا مکمل طور پر کاٹ دیئے جاتے تھے۔ یہ اس طرح معلوم ہوتا ہے جس طرح حاجی احرام کھولنے سے پہلے اپنے سر کے مکمل بال کٹواتے ہیں یا سر کے کچھ بال کٹواتے ہیں اور یہ چیز حج کے فرائض میں شامل ہے۔ صوفیا کرام مرید کرتے وقت ہند میں بال کٹواتے تھے۔ حج کرنے کے بعد مسلمان ایک نئی روحانی زندگی کا آغاز کرتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح یہ کوشش کی جاتی تھی کہ مرید کے لئے بیعت ایک نئی روحانی اور اخلاقی زندگی کا آغاز ہو۔ یہ رسم سہروردیوں میں بھی اتم موجود تھی جیسا کہ ایک بخارا شہر کا رہنے والا عالم ملتان میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیعت ہوا۔ سر منڈایا+ اور آپ کی خدمت میں رہا[۲] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سہروردیوں میں بال کٹوانے کی رسم تھی اور شیخ بہاؤالدین زکریا بیعت کے وقت مرید کے بال کٹواتے تھے۔ شیخ بہاؤالدین زکریا جب شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے بیعت ہوئے تھے تو اس وقت ان کے سر کے بال کاٹنے کا تذکرہ نہیں ملتا۔ لیکن بیعت کے بعد خرقہ خلافت

---

[۱] شیخ محمد اکرام۔ آبِ کوثر' ادارہ ثقافت اسلامیہ' لاہور' ۱۹۹۲ء' صفحہ ۲۵۴

[۲] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین' ترجمہ محمد ایوب قادری' اردو سائنس بورڈ لاہور' ۱۹۸۹ء' صفحہ ۱۷۶

+ مسلمانوں میں ایک طریقہ عقیقے کے وقت سر منڈایا جائے۔ ساتویں دن بکری قربان کی جائے اور نو مولود کا نام رکھا جائے۔ زاد المعاد' جلد دوم صفحہ ۱۳

X آپ ﷺ کے عمامے کا نام سحاب جو حضرت علیؓ کو دیا' احیاء العلوم جلد دوم صفحہ ۶۱۶

کا تذکرہ شیخ بہاؤالدین زکریا کے حوالے سے ضرور ملتا ہے۔

شیخ بہاؤالدین زکریا کا خرقہ

شیخ بہاؤالدین زکریا جب بغداد تشریف لے کر گئے وہاں شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے ملاقات ہوئی اور ان سے آپ نے بیعت کی اور سترہ یوم ان کی خانقاہ میں قیام فرمارہے۔ اسی دوران آپ کے خرقہ + کی بات سامنے آئی۔

خرقہ

قرآن حکیم میں ہے کہ اخرقتها لتغرق اهلها (۱۸۔۷۱) ترجمہ: کیا آپ نے اس کو اس لئے پھاڑا ہے کہ مسافروں کو غرق کر دیں۔ اس طرح دیکھا جائے تو الخرق کے معنی کسی چیز کو بلا سوچ سمجھے بگاڑنے کے لئے پھاڑ ڈالنا کے ہیں[۱] دراصل ایک کپڑے کو مختلف جگہوں سے کاٹ کر اس کے بعد اس کو سی کر کرتے کی شکل دے دی جاتی ہے اور اس سِلے ہوئے کپڑے کو خرقہ کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کے معنی کپڑے کا پھٹا ہوا ٹکڑا' اور کسی صوفی کو موٹا جھوٹا اونی لبادہ کے بھی لئے جاتے ہیں اور یہ صوفی کے فقر و قناعت کی ظاہری علامت ہے[۲] دراصل خرقہ پوشی شیخ اور مرید کے درمیان ایک رشتہ ارتباط ہے اور خرقہ پوشی اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اب شیخ کو اس پر پورا پورا تصرف حاصل ہو گیا ہے اور جب مرید نے خرقہ پہن لیا تو گویا اس نے خود کو شیخ کے سپرد کر دیا۔

شیخ شہاب الدین سہروردی نے خرقہ کی دو قسمیں خرقہ ارادت

---

[۱] امام راغب اصفہانی۔ مفردات قرآن' ترجمہ مولانا محمد عبدہ' اہل حدیث اکادمی' لاہور' ۱۹۷۱ء' صفحہ ۲۹۳

[۲] سید قاسم محمود' اسلامی انسائیکلوپیڈیا شاہکار بک فاؤنڈیشن' کراچی ۱۹۸۴ء' صفحہ ۸۳۸

اور خرقہ تبرک کی ہیں۔ مشائخ اپنے مریدین کے لئے جو خرقہ اختیار کرتے ہیں اور انہیں پہناتے ہیں وہ خرقہ ارادت ہے اور دوسری قسم خرقہ تبرک ہے۔ یہ بھی خرقہ ارادت سے ملتا جلتا خرقہ ہوتا ہے اور وہ مشتبہ غیر مرید کے لئے ہوتا ہے۔ یعنی شیخ جب کسی پر مہربان ہو تو اس کو خرقہ عطا کرتا ہے[۱] معلوم ہوتا ہے کہ مریدین کے لئے شیخ جو خرقہ عطا کرتا ہے وہ ارادت کہلاتا ہے اور جو غیر مرید کو خوشی سے عطا فرماتا ہے وہ تبرک خرقہ کہلاتا ہے۔ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے شیخ بہاؤالدین زکریا مرید تھے اس وجہ سے جو آپ کو شیخ نے خرقہ پہنایا وہ خرقہ ارادت تھا۔ اس خرقہ کے سلسلہ میں دیکھا جائے تو آپ بیعت کے بعد اپنے مرشد کے پاس ٹھہر گئے اس انتظار میں کہ یہ مجھے خرقہ کب پہناتے ہیں۔ ایک رات سوئے ہوئے تھے کہ خواب میں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ گھر میں تشریف رکھتے ہیں۔ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی ان کے حضور دست بستہ کھڑے ہوئے ہیں۔ اس گھر میں ایک طناب بندھی ہوئی ہے اور اس طناب پر خرقے لٹکے ہوئے ہیں۔ حضور ﷺ نے مجھے طلب فرمایا، شیخ نے میرے ہاتھ کو پکڑ کر حضور سے قدم بوس کرایا۔ حضور نے ان خرقوں میں سے ایک خرقے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا عمر! اس خرقے کو بہاؤالدین کو پہناؤ۔ شیخ نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر علی الصبح مجھے اندر طلب کیا۔ جب میں اندر گیا وہی مکان اور اس پر اسی طرح طناب پر خرقے لٹکے ہوئے ہیں۔ شیخ نے وہی خرقہ جس کی طرف حضور ﷺ نے اشارہ فرمایا تھا طناب سے اتار کر مجھے پہنایا۔ اور کہا اے بہاؤالدین! یہ خرقہ حضور ﷺ کی طرف سے بخشا ہوا ہے اور میں درمیان میں صرف ایک واسطہ

---

[۱] شیخ شہاب الدین عمر سہروردی۔ عوارف المعارف، ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۲۴۱

ہوں اور کسی کو بغیر اجازت کے نہیں دے سکتا[۱] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ بہاؤالدین زکریا کو بشارت کے ذریعہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خرقہ عطا فرمایا اور خواب میں یہ بشارت دی گئی۔ اس خواب کو شیخ شہاب الدین عمر سہروردی نے اور شیخ بہاؤالدین زکریا نے بغداد میں ایک ہی رات میں دیکھا اور صبح ہوتے ہی شیخ نے آپ کو خرقہ پہنا دیا۔ نیک خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتے ہیں[۲] اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخ بہاؤالدین زکریا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف ایک واسطہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کا ہے۔ خرقہ خلافت کی یہ قدیم رسم اب بھی موجود ہے اور تمام سلاسل میں رائج ہے۔ الاماشااللہ۔

لیکن جو خرقہ پہنایا جاتا ہے باقاعدہ اس کے رواج کو دیکھنے کے لئے ابولفیض سید قلندر علی سہروردی کی اس تحریر کو ملاحظہ کریں کہ یہ رسم خرقہ حضرت سید الطائفہ ابوالقاسم جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ظاہر ہوئی[۳] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خرقہ خلافت کی رسم باقاعدہ شیخ جنید بغدادی نے شروع کی اور وہ اس رسم خرقہ کے بانی ہیں۔ اس وقت سے اب تک خرقہ کی رسم سلاسل میں جاری وساری ہے اور یہ خرقہ کلاہ، عمامہ، قمیض یا چادر کی صورت میں ہوتا ہے۔ شیخ بہاءالدین زکریا کو جو خرقہ خلافت عطا ہوا وہ قمیض کی صورت میں تھا۔ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی

---

[۱] شہزادہ دارا شکوہ قادری۔ سفینۃ الاولیاء، ترجمہ محمد علی لطفی، نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی، ۱۹۸۶ء، صفحہ ۱۵۲

[۲] امام مالک۔ موطا امام مالک، مترجم علامہ وحید الزماں، اسلامی اکادمی لاہور ۱۴۰۲ھ صفحہ ۶۶۶

[۳] ابوالفیض سید قلندر علی سہروردی۔ انوار سہروردیہ، مرکزی مجلس سہروردیہ لاہور، سن ندارد، صفحہ ۳۴

فرماتے ہیں کہ ایک فقیر چھوٹی آستین کا لباس پہنتا تھا تاکہ وہ خدمت کے وقت اس کا معاون ہو۔ شیخ کے لئے اس امر میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ مرید کو متعدد خرقے پہنائے[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی اس عبارت سے آستین چھوٹی کا تذکرہ اور پہنا کا لفظ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ شیخ شہاب الدین سہروردی نے قمیض کی صورت میں شیخ بہاؤالدین زکریا کو خرقہ پہنایا تھا۔ اب اس کے رنگ کو دیکھتے ہیں۔

خرقہ کا رنگ

ابتداء میں بالعموم خرقہ نیلے رنگ کا ہوتا تھا[2] کہ خرقہ ابتداء ہی سے پہنا جاتا تھا اور اس کا رنگ نیلا ہوتا تھا۔ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی بھی اس رنگ کی تائید فرماتے ہیں کہ نیلی فام خرقہ مشائخ کی نظر میں مستحسن اور پسندیدہ ہے اور اگر شیخ کی خواہش ہے کہ مرید نیلگوں خرقہ یا لباس کے علاوہ کسی اور رنگ کا لباس یا خرقہ پہنے تو اس پر کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ مشائخ کی آرا وقت کے تقاضا کے مطابق ہوتی ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ نیلا رنگ میل کو چھپاتا ہے اور اس کو جلد جلد دھلوانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس لئے یہی رنگ درویش کے لئے زیادہ مناسب سمجھا گیا[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر رنگ کا خرقہ پہنا جا سکتا ہے لیکن مشائخ کے نزدیک نیلا رنگ پسندیدہ ہے کہ وہ میل کو چھپاتا ہے تاکہ عبادت کے لئے زیادہ وقت

---

1. شیخ شہاب الدین عمر سہروردی۔ عوارف المعارف، ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۲۴۴
2. سید قاسم محمود۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی ۱۹۸۴ء، صفحہ ۸۳۸
3. شیخ شہاب الدین عمر سہروردی۔ عوارف المعارف، ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۲۴۴

مل سکے اور بار بار دھونے سے وقت کا نقصان نہ ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی نے جو خرقہ شیخ بہاؤالدین زکریا کو عطا کیا وہ نیلے رنگ کا تھا کیونکہ شیخ اسی رنگ کو پسند فرماتے تھے۔ شیخ بہاؤالدین زکریا کو خرقہ خلافت پہنانے کے بعد شیخ شہاب الدین عمر سہروردی نے فرمایا ملتان جاؤ اور مخلوقِ خدا کو راہِ ہدایت دکھاؤ اور بغداد سے ملتان تشریف لائے اور پھر مستقل ملتان رشد و ہدایت کے لئے ٹھہر گئے۔ مشائخ بیعت کرتے ہیں اور مخصوص لوگوں کو خرقہ پہناتے ہیں۔ ان کی وجوہات کچھ اس طرح سامنے آتی ہیں کہ ایک تو جو لوگ حلقۂ ارادت میں شامل ہو جاتے ہیں وہ اپنی روحانی عقیدت کی وجہ سے اپنے مرشد کے احکام پر اپنی جانوں پر کھیل کر عمل کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ بہاؤالدین زکریا نے سلطان ناصرالدین قباچہ کی حکومت میں سلطان شمس الدین التمش کی عقیدت و محبت کا اظہار کیا اور سلطان ناصرالدین عوامی مقبولیت اور عوامی عقیدت کو دیکھتے ہوئے شیخ بہاؤالدین زکریا پر ہاتھ نہ ڈال سکا اور اس طرح شیخ صدرالدین محمد عارف کے عقیدت مندوں نے سلطان محمد تغلق سے ٹکرانے کی تیاری کی تھی۔ ایک طرف ان مشائخ کا عوام سے بھرپور رابطہ تھا لیکن تمام تر لوگوں کے متوجہ اور عقیدت کے باوجود ان سہروردیوں نے کبھی بھی اقتدار پر قبضہ نہیں کیا۔ اس کی وجہ سلطنت میں اثرا اسلام کی تبلیغ کے لئے اور عوام کے مسائل کے حل کے لئے تھا۔ اقتدار کا حصول ان کے نظریات میں شامل نہ تھا اور اس ہند کے علاقے میں مسلمان بادشاہ بڑے علاقوں کے بعد چھوٹے چھوٹے علاقوں کو بھی مسلم ریاست میں شامل کر رہے تھے۔ اس وجہ سے ان بادشاہوں کو سہروردی بزرگ کسی پریشانی میں ڈالنے کے لئے تیار نہ تھے۔ ان بزرگوں کا منصب عبادت و ریاضت اور اشاعتِ دین اور عوام

کی بہبود و فلاح اور حکمرانوں سے بہتر تعلقات کے علاوہ کچھ اور نہ تھا۔ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی، شیخ بہاؤالدین زکریا، شیخ نورالدین مبارک، شیخ قاضی حمید الدین ناگوری، شیخ صدرالدین محمد عارف، شیخ رکن دین عالم، شیخ سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت اور سید جلال سلطنی کے عوام اور حکمرانوں سے روابط اور اچھے مراسم تھے جس سے مندرجہ ذیل قسم کے نتائج سامنے آئے۔

۱۔ لوگوں کی اصلاح احوال پر توجہ مرکوز کی گئی۔

۲۔ کفر سے اسلام کی طرف بلایا گیا۔

۳۔ ان کے قلوب کو آلودگیوں سے پاک کر کے ان میں توحید کا نور داخل کیا گیا۔

۴۔ ان میں جو خصوصی امتیاز بنسبت دوسرے سلاسل کے رہا وہ یہ بزرگ سیاسی معاملات کو دینوی باتیں سمجھ کر ان سے کبھی روگرداں نہیں رہے بلکہ انہوں نے ملکی معاملات اور اُمورِ سلطنت میں کافی حصہ لیا اور اپنی کوششوں سے مطلق العنان بادشاہوں کو جادۂ اعتدال سے بھٹکنے نہیں دیا۔

۵...... اور اسلامی روح کو حکومت کے کاموں میں داخل کیا۔

اس باب کے بعد اب سلسلہ سہروردیہ کے عوام و سلاطین پر اثرات کے باب کو دیکھا جائے۔

باب پنجم

سلسلۂ سہروردیہ کے عوام وسلاطین پر اثرات

تمہید

باب چہارم میں ہند کی سرزمین پر سہروردیہ سلسلہ کی تبلیغ و تعلیمی کاوشوں کو شیخ بہاؤالدین زکریا کے حوالے سے بیان کیا گیا تھا۔ زیر نظر پنجم باب میں سلسلہ سہروردیہ کے عوام وسلاطین پر اثرات کا جائزہ لیا جائے گا اور اس باب میں ہند کا نقشہ، تمہید، چھٹی صدی ہجری کا ہند، ہند میں سلسلہ سہروردیہ کا مرکز، ذیلی مراکز، علاقے میں حکمران، عوام پر اثرات اور سلاطین پر اثرات شامل ہیں۔

ہند کا نقشہ

اس نقشہ سے یہ دیکھنا ہوگا کہ آج سے آٹھ سو برس پہلے برصغیر پاک و ہند کن علاقوں پر مشتمل تھا تاکہ ہند کے علاقوں کو سمجھنے میں مدد ملے اور اس بات کا اندازہ کیا جاسکے کہ سہروردی بزرگ اس دور میں ہند کے علاقوں میں کس طرح پہنچے۔

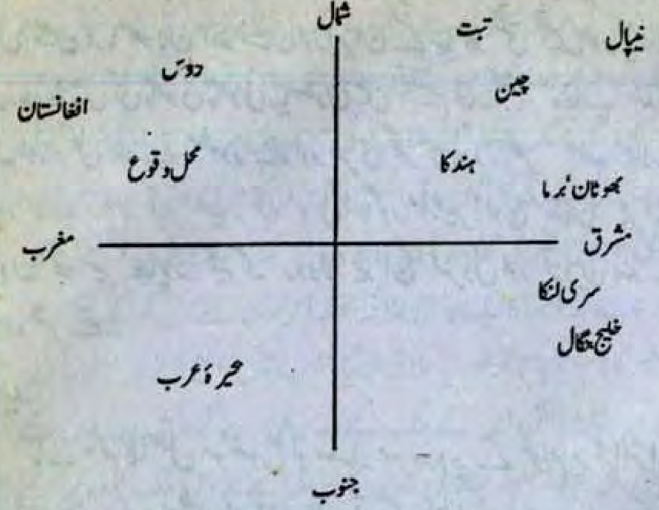

بالا نقشہ میں دکھائے گئے علاقے چھٹی صدی ہجری میں برصغیر پاک و ہند میں شامل تھے اور اس کے بعد ۱۹۴۷ء میں ہند کا علاقہ تقسیم ہوا اور ہند کے تقسیم ہونے میں ایک نیا ملک مشرقی اور مغربی پاکستان کے نام سے وجود میں آیا اور اس کے ساتھ ہی ایک اور ہند سے الگ ہونے والا علاقہ آزاد کشمیر کے نام سے موسوم کیا گیا اور اس کے بعد مشرقی حصہ جو پاکستان کہلاتا تھا وہ ۱۹۷۱ء کو بنگلہ دیش نئے ملک کے نام سے وجود میں آیا۔ اب اس وقت برصغیر پاک و ہند بنگلہ دیش، بھارت، پاکستان اور آزاد کشمیر کے نام سے مختلف ممالک پر مشتمل ہے۔ چھٹی صدی ہجری میں برصغیر پاک و ہند کے اطراف میں مندرجہ ذیل ممالک تھے۔

یعنی ہند کے شمال میں ملک نیپال اور چین واقع ہیں اور مشرق میں برما اور بھوٹان واقع تھا اور جنوب میں بحیرۂ عرب واقع تھا اور اس کے مغرب میں ایران واقع تھا اور شمال مغرب میں افغانستان واقع تھا۔ چھٹی صدی ہجری کے

ہند کے ساتھ جنوب کی طرف سمندری سرحد اور باقی خشکی کی سرحدیں نیپال، چین، برما، بھوٹان، افغانستان اور ایران کے ساتھ لگتی تھیں اور یہ علاقہ اس زمانے میں کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم تھا۔ کشمیر، پنجاب، سندھ، بنگالہ اور دکن علاقے مشہور تھے اور سری نگر، لاہور، بھکر، ٹھٹھہ، قلات، پشاور، مالابار، احمد آباد، حیدر آباد، دہلی، ناگور، اجمیر، اوچ، ملتان، گجرات، بدایوں، تھانیسر، بیجاپور، گلبرگہ، ردولو، بہرائچ، نہرول اور قزوین ہند کے مشہور شہر تھے۔

تمہید

باب پنجم کا اصل موضوع تو سلسلہ سہروردیہ کے عوام پر کیا اثرات ہوئے اور ہند کے سلاطین اور اس علاقے کے راجوں نے سہروردیہ کے کیا اثرات قبول کئے اور وہ کس طرح اور کس نوعیت کے اثرات تھے۔ ان اثرات کو سمجھنے کے لئے اس علاقہ کے محل وقوع کو دیکھا جائے گا اور اس ضمن میں چھٹی صدی ہجری یعنی بارہویں صدی عیسوی میں بر صغیر پاک و ہند کس قسم کا تھا اور عوام و سلاطین اور راجوں کے طور اطوار اور نظریات کو دیکھا جائے گا اور ہند میں سہروردی بزرگ پہنچے اور ان کا سب سے بڑا مرکز کون سا تھا اور اس کو دیکھنے کے ساتھ ساتھ سہروردیوں کے ذیلی مراکز کو دیکھنا ضروری ہے اور اس وقت ان علاقوں میں جو حکمران تھے ان کو دیکھنا بھی مقصود ہے تاکہ ان تمام باتوں کو دیکھنے سے عوام پر اور سلاطین پر سلسلۂ سہروردیہ کے جو اثرات مرتب ہوئے ان سے واقفیت حاصل کی جاسکے۔ اس تمہید کے بعد اب چھٹی صدی ہجری کا ہند کیسا تھا اس کے متعلق معلومات ملاحظہ ہوں۔

چھٹی صدی ہجری کا ہند

اس زمانہ میں اور اب مکمل ہند کا علاقہ جو چار ممالک میں تقسیم ہے یعنی

بنگلہ دیش، بھارت، کشمیر اور پاکستان یہ علاقے براعظم ایشیا کا بر صغیر ہے۔ اس علاقے کا کل رقبہ مشرق سے مغرب تک ڈھائی ہزار میل اور شمال سے جنوب تک دو ہزار کی زمین پر مشتمل ہے اور اس علاقے کی خشکی کی سرحدیں چھ ہزار میل لمبی تھیں جبکہ اس علاقے کی سمندری سرحدیں پانچ ہزار میل لمبی تھیں۔ اس علاقے کا مکمل رقبہ تقریباً بیس لاکھ مربع میل تک پھیلا ہوا تھا[1] چھٹی صدی ہجری کا ہند بیس لاکھ مربع میل علاقے پر مشتمل تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایشیا کا ایک وسیع علاقہ تھا۔ اس وجہ سے اس کو ایک چھوٹا بر یعنی بر صغیر کا نام دیا جاتا تھا اور یہ علاقہ ایشیا جنوب میں واقع تھا۔ بر صغیر پاک و ہند پر خط سرطان بالکل اس کے ملک کے درمیان سے گزرتا ہے۔ اس کے انتہائی شمال میں ایک مشہور پہاڑ کوہِ ہمالیہ کا سلسلہ ہے جو اس ملک کو دوسرے ملک چین سے الگ کرتا ہے۔ یہی پہاڑ ہند اور چین کے درمیان سرحد کا کام دیتا ہے[2] اس ہمالیہ پہاڑ کے دوسری طرف چین ملک کے علاوہ تبت کا علاقہ بھی ہے۔ اس پہاڑ کی وجہ سے بر صغیر پاک و ہند پر شمال کی طرف سے حملہ کا امکان نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے اس طرف کے علاوہ دوسری طرف سے مسلسل حملے ہوتے رہے کیونکہ اس طرف راستے موجود تھے۔ یعنی پہاڑوں میں شمال مغرب کے علاقے میں سلیمان پہاڑ مشہور ہے اور اس کے ساتھ ہندوکش پہاڑ ہے۔ یہ دونوں پہاڑ زیادہ اونچے نہیں ہیں۔ ان پہاڑوں کی اہمیت ان میں موجود دروں کی وجہ سے ہے اور وہ درے خیبر، ٹوچی، کرم، گومل اور بولان کے نام سے مشہور ہیں[3] ہند میں داخل ہونے کے لئے یہی درے

---

[1] انوار ہاشمی۔ تاریخ پاک و ہند، کراچی بک سینٹر، کراچی، ۱۹۸۴ء، صفحہ ۱۱
[2] سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلو پیڈیا شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی ۱۹۸۴ء، صفحہ ۳۹
[3] انوار ہاشمی۔ تاریخ پاک و ہند، کراچی بک سینٹر، کراچی، ۱۹۸۴ء، صفحہ ۱۱

استعمال کئے جاتے تھے۔ یہ اس وقت کے بہترین راستے تھی اور درۂ خیبر ہند کا شہر پشاور کا وہ راستہ ہے جس سے کابل شہر تک افغانستان میں لوگ پہنچتے تھے۔ اس راستے سے برصغیر پر زیادہ حملے ہوتے تھے۔ اس درے کے علاوہ ٹوچی، کرم اور گومل کے درے کے ذریعے بھی ہند میں داخل ہونے کا راستہ تھا اور ہند سے افغانستان یا افغانستان سے ہند میں داخل ہونے کے راستے تھے۔ ان دروں کے علاوہ ایک درہ بولان کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ یہ درہ افغانستان کے شہر قندھار سے ہند میں داخل ہونے کا راستہ تھا جو اب پاکستان کے صوبہ بلوچستان کے علاقے میں واقع ہے۔ ان راستوں کے علاوہ عرب بھی ہند میں داخل ہوتے تھے اور وہ بری اور بحری راستہ اختیار کرتے تھے۔ بری راستہ ایران، سمرقند، کشمیر سے ہوتا ہوا ہند کو جاتا تھا۔ بحری راستہ سراف اور عدن سے تھا۔ خشکی کے راستے سے ان لوگوں کی تجارت کشمیر، قنوج وغیرہ ممالک میں ہوتی تھی۔ بحری راستے سے سندھ، مالابار اور سیلون وغیرہ سے تجارت کیا کرتے تھے[۱] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حملہ آوروں کے علاوہ ان راستوں سے تجارت بھی ہوتی تھی اور مختلف اقوام ہند سے انہی راستوں سے رابطہ رکھتی تھیں۔ ان ہی راستوں اور دروں سے مسلمانوں کے علاوہ ایرانی، یونانی، کشان، ہون، ترک و تاتاری، منگول اور مغل، احمد شاہ ابدالی اور نادر شاہ جیسے حملہ آور برصغیر میں داخل ہوئے[۲] اور محمد بن قاسم نے اور انگریزوں نے بھی انہی راستوں میں سے بعض کا انتخاب کیا اور ہند میں پہنچے۔ یعنی یہ راستے حملے کے لئے، تجارت کے لئے، سیر و سیاحت کے لئے اور مختلف رابطوں کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ ان راستوں سے مشائخِ دین

---

[۱] پیامِ شاہجہاں پوری۔ تاریخ نظریۂ پاکستان مکتب خانہ انجمن حمایت اسلام' لاہور' ۱۹۷۰ء، صفحہ ۳۳

[۲] انوار ہاشمی۔ تاریخ پاک و ہند، کراچی بک سینٹر، کراچی' ۱۹۸۴ء، صفحہ ۱۱

اسلام کی ترویج و اشاعت اور دعوت و تبلیغ، سیر و سیاحت اور جہاد کے لئے تشریف فرما ہوئے تھے۔ ہند کے اس علاقے میں صحرا، پہاڑ، میدانی علاقے، دریا، جنگلات، شہر اور کھیت جملہ اشیا موجود تھیں۔ اس زمانے میں ہند کی تیز، دیبل، تھانہ، کھنبایت، سوبارہ، جیبور، کولم ملی، ملبار، قمار اور کام روپ مشہور بندرگاہیں تھیں[۱] معلوم ہوتا ہے کہ یہ علاقہ تجارت کے لحاظ سے بندرگاہوں کی وجہ سے بہت مشہور اور نفع بخش تھا۔ اسی وجہ سے کئی بندرگاہوں کا استعمال ہوتا تھا۔

ہند میں اس وقت ہندومت، بدھ مت، عیسائیت اور اسلام مذاہب موجود تھے۔ ہندومت میں بے شمار خداؤں کا تصور تھا۔ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق ان کے معبودوں کی تعداد ۳۳ کروڑ ہے جن میں سے لاکھوں ان روحوں اور فرشتوں پر مشتمل ہیں جو آسمانوں پر مقیم ہیں[۲] معلوم ہوتا ہے کہ ہند میں ہندومت کثرت سے تھا اور ان کے عقائد میں کثرت خدا کا تصور تھا۔ اس کے علاوہ بدھ مت بھی ایک اس علاقے کا مشہور مذہب تھا۔ ابتداء میں ایک خدا کا تصور دھندلا سا تھا۔ یہ لوگ بے شمار خداؤں کے ماننے والے نہ تھے۔ اس کو گوتم بدھ نامی آدمی نے قائم کیا تھا۔ اس کی اشاعت میں اشوک اور ہرش جیسے مہاراجوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا[۳] ہندومت کی جو برائیاں تھیں ان کو ختم کرنے کے لئے بدھ مت اور جین مت وجود میں آئے تھے۔ ہند میں اس زمانے میں ذات پات کا نظام موجود تھا۔ ہندوؤں کی سب

---

[۱] پیامِ شاہجہاں پوری۔ تاریخ نظریۂ پاکستان مکتب خانہ انجمن حمایت اسلام' لاہور' ۱۹۷۶ء، صفحہ ۵۵

[۲] پیامِ شاہجہاں پوری۔ تاریخ نظریۂ پاکستان مکتب خانہ انجمن حمایت اسلام' لاہور' ۱۹۷۰ء، صفحہ ۲۰

[۳] انوار ہاشمی۔ تاریخ پاک و ہند، کراچی بک سینٹر، کراچی' ۱۹۸۴ء، صفحہ ۱۵

سے زیادہ پرانی کتاب رگ وید میں لکھا ہے کہ برہمن لوگ برہماجی کا منہ، چھتری، ان کے بازو اور ویش ان کی رانیں اور شودر ان کے پاؤں سے نکلے ہیں[۱] ہند میں انسانوں کی تقسیم کی وجہ سے سب سے زیادہ عزت برہمن کو اور سب سے زیادہ ذلت شودر کو تھی اور غریب شودر پر ظلم کی انتہا کر دی جاتی تھی۔ ان وجوہات کی بناء پر بدھ مت اور جین مت وجود میں آئے جن کے عقائد میں انسان کو بلکہ ہر جان دار کو تکلیف نہ دیئے جانے کا تصور سامنے آیا اور اس علاقے میں بسنے والے لوگوں کے نظریہ کے مطابق برہمن کو برہما کے عطا کردہ اختیارات تصور کیا گیا تھا اور اس برہما کی ایک کتاب دنیا و عقبیٰ کے فوائد کے لئے وید نامی لکھی گئی۔ اس کتاب میں برہما نے اپنے غیبی علم اور تائیدِ الہامی کی مدد سے ایسے قوانین بنائے ہیں کہ جن پر عمل کر کے انسان دنیا کی ہر شئے سے وابستہ رہتے ہوئے بھی خدا کو فراموش نہیں کرسکتا[۲] یعنی انسانی تقسیم اور سزا و جزا دنیا کی وید کے مطابق تھی جس کی وجہ سے اصلاح کے لئے چھ سو قبل مسیح مہاتما بدھ نے فریضہ انجام دیا۔ اس کے علاوہ عیسائیت اس علاقہ میں بہت تھوڑی تھی جس کی نشاندہی کرنا مشکل ہے۔ عرب خشکی کے راستے اور بحری راستے تجارتی غرض اور سیاحت کی غرض سے سمندر کے کنارے حضر موت، عمان، بحرین اور عراق کے کناروں سے فارس خلیج سے بلوچستان کے ساحل تیز پر یا اس سے آگے دیبل اور بمبئی (کھمبایت) بندرگاہوں پر پہنچے تھے[۳] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر کسی

۱ پیام شاہجہاں پوری۔ تاریخ نظریۂ پاکستان، مکتب خانہ انجمن حمایت اسلام، لاہور، ۱۹۷۰ء، صفحہ ۲۱

۲ محمد قاسم فرشتہ۔ تاریخ فرشتہ، جلد اول، ترجمہ عبدالحیٔ خواجہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، سن ندارد، صفحہ ۴۸

۳ مولانا سید سلیمان ندوی، عرب و ہند کے تعلقات، کریم سنز، کراچی، ۱۹۷۶ء، ص ۷

تخصیص کے ان لوگوں کا آنا جانا تھا۔ اس وجہ سے ان میں عیسائی بھی تھے جو ان علاقوں تک پہنچے ہیں اور عیسائی مذہب اسلام سے قدیم ہے اور ہر دور میں اس کے اندر تبلیغ کا جوش بھی رہا ہے جس کی بناء پر عیسائیت تھی ضرور لیکن آثار معدوم ہوگئے تھے۔ اس کے علاوہ ہند کے علاقہ میں چھٹی صدی ہجری میں اسلام ایک اہم مذہب کی حیثیت سے داخل ہو چکا تھا۔ اسلام کو ہند میں لانے والے محمد بن قاسم، محمود غزنوی، شہاب الدین غوری وقت کے حکمران تھے اور ان کے علاوہ مسلمان تاجر اور صوفیا شیخ علی ہجویری، شیخ معین الدین چشتی، شیخ سید یوسف گردیزی اور شیخ سخی سرور، شیخ شہاب جگجوت اور قاضی حمید الدین ناگوری ہند کے علاقے میں دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے آموجود ہوئے تھے۔

معاشرتی طور پر اس زمانہ میں ہند کے علاقے میں ہندو راجاؤں میں عیش و عشرت تھی۔ ذات پات تھی لڑکیوں کو قتل کرنا اور عورت کا ستی ہو جانے کا رواج تھا اور غلامی کا رواج بھی تھا۔ ہندو قوم کے افراد اپنے ملک اپنے راجہ اور اپنے علم کو دوسروں سے برتر سمجھتے تھے اور بڑے تنگ نظر واقع ہوئے تھے[۱] اس معاشرت کے مدِ مقابل جب مسلمان آئے تو ملاحظہ کریں کہ داعیانِ اسلام جب بنگال پہنچے تو نیچ ذات کے ہندو اور وہاں کے اصل باشندے جو ہندوؤں کے مذہب سے قریب قریب خارج سمجھے جاتے تھے اور اپنے آریوں سرداروں کے ہاتھوں سے طرح طرح کی ذلتیں اور اذیتیں

+۔ ہندوؤں کا اعتقاد تھا کہ ملک ہے تو ان کا ملک، انسان ہیں تو ان کی قوم کے لوگ، بادشاہ ہیں تو ان کے بادشاہ، دین ہے تو وہ ہی جو ان کا مذہب ہے، علم ہے تو وہ جو ان کے پاس ہے۔ کتاب الہند، صفحہ ۴۹

۱ انوار ہاشمی۔ تاریخ پاک و ہند، کراچی بک سینٹر، کراچی، ۱۹۸۴ء، صفحہ ۱۹

اُٹھاتے تھے مسلمانوں کی طرف ہاتھ پھیلا کر بڑھے۔ ان لوگوں کے نزدیک جن میں مفلس مچھلی پکڑنے والے، شکاری، قزاق اور ادنیٰ قوم کے کاشت کار تھے اسلام ایک اوتار تھا جو ان کے لئے آکاش سے اُترا تھا۔ وہ حکمران قوم کا مذہب تھا۔ اس کے پھیلانے والے وہ باخدا لوگ تھے جو توحید کی خبر اور سب انسانوں کے برابر ہونے کا مژدہ ایسی قوم کے پاس لائے تھے جس کو سب ذلیل و خوار سمجھتے تھے[1] اس دور کی تمام برائیاں بیان کی گئی ہیں جنکی بناء پر اسلام کا علاقے میں قبول کیا جانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اچھی صفات کی بناء پر لوگوں نے وسیع پیانے پر دائرہ اسلام میں داخل ہونا مقدس جانا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس زمانے میں ہند میں ہندو اور مسلم معاشرت واضح فرق رکھتی تھی۔ معاشرت کے علاوہ ہند اس زمانے میں خوش حال تھا جس کی وجہ ہند پر مسلسل حملے ہوتے رہتے تھے۔ محمد قاسم فرشتہ کی اس بات سے اندازہ کریں کہ ۵۹۱ھ میں جب قطب الدین ایبک نے اجمیر، گجرات اور نہروالا کو فتح کیا۔ رائے پتھوا کا رشتہ دار بھیج راج مارا گیا۔ قطب الدین بہت سا مال غنیمت لیکر غزنی گیا اور شاہی عنایتوں سے سرفراز ہو کر واپس دہلی آیا[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں ہند بہت مالدار تھا اور علاقے کی فتح کے ساتھ مالِ غنیمت حاصل کرنا مقصود ہوتا تھا۔ جاگیر دارانہ نظام تھا۔ لوگ محنتی تھے، سمندری تجارت مصر، روم کے ممالک اور مشرقِ بعید سے ہوتی تھی۔

---

[1] پروفیسر محمد ایوب قادری۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۴۱

[2] محمد قاسم فرشتہ۔ تاریخ فرشتہ، جلد اول، ترجمہ عبدالحیٔ خواجہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، سن ندارد، صفحہ ۲۲۵

اونچے طبقے کے لوگ خوش حال اور فارغ البال تھے۔ عوام حکمرانوں سے مطمئن نہ تھے۔ صنعتی طور پر ملک پس ماندہ تھا[1] اس ابتری سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی باہر سے حملہ آور یا اپنا نظریہ دینے والا مبلغ کامیاب ہوگا۔ ان وجوہات کی بناء پر مسلم صوفیا کرام سید جلال الدین تبریزی، بہاؤالدین ذکریا، سید جلال الدین سرخ بخاری، لال شہباز قلندر، سید شرف الدین دکن حیدر آباد اور شیخ بلبل شاہ کشمیر میں اسلام کو پہنچانے میں بڑے کامیاب ثابت ہوئے۔ سیاسی طور پر اس زمانہ میں ہند کئی ریاستوں میں تقسیم تھا اور ان ریاستوں میں راجاؤں کا اقتدار تھا لیکن ہند کے وسیع علاقوں پر چھٹی صدی ہجری میں مسلمان قابض ہو چکے تھے۔ مسلمانوں کے اقتدار میں پشاور، قلات، سیالکوٹ، لاہور، ملتان، ٹھٹھہ، دہلی، اجمیر، نہروال، گوالیار، کالنجر، بدایوں، تھنکر، گجرات، چندواڑہ، اٹاوہ، بنارس، قنوج، کہرام علاقے شامل تھے۔ جیسا کہ سلطان شہاب الدین غوری نے اپنے لائق سپہ سالار قطب الدین ایبک کے ذریعہ ۵۹۱ھ بھیم راج کو شکست دیکر دوبارہ اجمیر پر قبضہ کیا۔ نہروال اور گجرات پر حملہ کر کے بھیم دیو کو شکست دی اور ان علاقوں پر قبضہ کیا۔ ۵۹۲ھ کو شہاب الدین غوری نے تھنکر کو فتح کیا۔ گوالیار کو فتح اپنے سپہ سالار بہاؤالدین طغرل کے ذریعہ کیا اور شہاب الدین نے ۵۹۳ھ کو نہروال فتح کیا۔ ۵۹۹ھ کو کالنجر اور بدایوں کے قلعوں پر قبضہ کیا[2] معلوم ہوتا ہے کہ ہند کے زیادہ حصہ پر سلطان شہاب الدین غوری نے مسلمانوں کا اقتدار قائم کیا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بنگال، دکن اور کشمیر پر اس زمانے میں ہندو راج تھا اور وہاں پر اقتدار غیر مسلموں کے ہاتھوں میں تھا۔

---

[1] انوار ہاشمی۔ تاریخ پاک و ہند، کراچی بک سینٹر، کراچی، ۱۹۸۴ء، صفحہ ۲۰

[2] محمد قاسم فرشتہ۔ تاریخ فرشتہ، جلد اول، ترجمہ عبدالحیٔ خواجہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، سن ندارد، صفحہ ۲۲۵

یعنی پورا ہند مسلمانوں کے قبضہ میں ابھی نہیں آیا تھا۔ اس زمانے میں راجہ برہموں کو اپنا مشیر مقرر کرتے تھے۔ رفاہ عامہ اور جان و مال کی حفاظت کی کوئی ضمانت نہ تھی۔ ہندو ریاستوں میں انتشار عام تھا۔ راجپوت سردار آپس میں جنگ کرتے جو وقت بچتا اس میں عیش و عشرت کرتے اور ریاستوں میں اتحاد نہ تھا۔[1]

انہی وجوہات کی بناء پر مسلمانوں کو جنگ کی فتوحات حاصل ہوئیں اور مسلم مبلغین کو رُشد و ہدایت پھیلانے کا موقع ملا۔ چھٹی صدی ہجری کے ہند کا مختصر جائزہ لینے کے بعد اب دیکھنا ہوگا کہ سلسلہ سہروردیہ کا ہند میں بڑا مرکز کہاں تھا۔

ہند میں سلسلۂ سہروردیہ کا مرکز

ہند کی سرزمین پر پہلے پہنچنے والے سہروردی بزرگوں میں شیخ نخی سرور اور شیخ نوح ہیں جو شاہدرہ اور بھکر میں آباد تھے اور چھٹی صدی ہجری کے آخر میں ہند، سندھ کے شہر بھکر میں رُشد و ہدایت کے لئے سرگرداں تھے۔ انہوں نے سندھ کے علاقے میں بھکر کو مرکز بنایا اور اشاعت اسلام کے لئے اپنی حد تک کوشش فرمائی اور دوسرے بزرگ شیخ نخی سرور ہیں جنہوں نے لاہور، شاہدرا، شاہ کوٹ اور ملتان میں کام کیا اور دینِ اسلام کی اشاعت اور سلسلہ کو پہنچانے کا فریضہ انجام دیا۔ ان دونوں بزرگوں کے کام کو تاریخ میں محفوظ نہیں کیا گیا کہ یہ بزرگ کس طرح اور کہاں کہاں سلسلہ کی اشاعت کے لئے کام کرتے رہے ہیں۔ تاریخ تصوف مکمل خاموشی میں ہے۔ سلسلہ کے باقی بزرگ بعد میں ہند میں پہنچے ہیں۔ ان میں نامور شیخ بہاؤالدین زکریا ہیں جن کا کام دین اسلام کی اشاعت کے حوالے سے اور سلسلہ کو علاقے میں

۱۔ انوار ہاشمی۔ تاریخ پاک و ہند، کراچی بک سینٹر، کراچی، ۱۹۸۴ء، صفحہ ۱۹

پہنچانے کے حوالے سے بہت بلند ہے۔ جب آپ سلسلہ لے کر ہند میں داخل ہوئے ۶۰۰ھ کا زمانہ تھا۔ آپ کے مرشد شیخ شہاب الدین عمر سہروردی نے آپ کو فرمایا کہ جاؤ ملتان جاکر ٹھہرو اور وہاں کے لوگوں کو دین اسلام کی طرف بلاؤ اور وہاں کے لوگوں کو فیض پہنچاؤ اور مقاصد پورے کرو۔[1] آپ ملتان پہنچ کر مستقل طور پر رہائش پذیر ہوئے۔ آپ نے حلادجی مندر کے دروازے کے عین سامنے اپنا چبوترہ بنوایا۔ وعظ کرنے کے لئے اور اس کے ساتھ ایک خانقاہ بنوائی۔ عبادت و ریاضت کے لئے اور لوگوں سے ملاقات کرنے کے لئے اور اس خانقاہ کے ساتھ ایک بہائیہ کے نام سے مدرسہ بنوایا تاکہ علماء و فضلاء پیدا کئے جائیں جو علاقے میں دین اسلام کی تبلیغ کا فریضہ انجام دیں۔ مولانا نور احمد خان فریدی نے تحریر کیا ہے کہ "حضرت شیخ الاسلام (بہاؤالدین زکریا) پہلے بزرگ تھے جنہوں نے اسلام کی اشاعت کے لئے ملتان میں مضبوط مرکز قائم کیا تھا۔ مدرسہ بہائیہ علماء، قاری اور حفاظ پیدا کرتا تھا اور تبلیغی مرکز حضرات علماء کو مبلغ بناتا تھا"[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملتان شہر کو شیخ بہاؤالدین زکریا نے علم و فضل کا مرکز بنادیا تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دُور دراز علاقوں میں دین اسلام کی تبلیغ کے لئے ملتان سے علماء بھیجے جاتے تھے۔ دین اسلام کے لحاظ سے شیخ بہاؤالدین زکریا نے ملتان کو ایک اہم مرکز بنادیا تھا۔ یہی نہیں کہ دین اسلام کے علوم کا صرف مرکز تھا بلکہ اس زمانے میں عبادت و ریاضت کے لئے آپ اور آپ کے ساتھ شیخ فریدالدین گنج شکر، شیخ سید جلال الدین

۱۔ حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۴۸

۲۔ مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۴۱۔ ۱۴۲

سرخ بخاری اور شیخ لعل شہباز قلندر صوفیہ میں چار یار کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی خانقاہ عبادت و ریاضت کے لئے ایک مرکزی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔ شیخ فریدالدین گنج شکر چشتیہ سلسلہ کے بزرگ تھے لیکن آپ کے ساتھ رہتے تھے اور عبادت میں مصروف رہتے تھے اور پاک پتن میں آپ کا مزار آج بھی زیارت گاہ عام و خاص بنا ہوا ہے اور اوچ کے مشہور بزرگ سید جلال الدین سرخ بخاری شیخ بہاؤالدین زکریا کے مرید و خلیفہ ہیں اور بلند پایہ بزرگ تھے اور بخاری سیدوں کے ہند میں آپ ہی سر خیل ہیں اور سندھ میں سیہون کے مقام پر لعل شہباز قلندر مشہور بزرگ اور شیخ بہاؤالدین زکریا کے مرید و خلیفہ ہیں۔ یہ مشہور بزرگ شیخ بہاؤالدین زکریا کے پاس گئے۔ عبادت و ریاضت کی، علمی و روحانی مجالس میں اکٹھے جاتے رہے۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ علمی اور روحانی لحاظ سے شیخ بہاؤالدین زکریا کی خانقاہ مرکزی حیثیت اختیار کر گئی تھی اور اگر سیاسی طور پر بھی دیکھا جائے تو شیخ بہاؤالدین زکریا کے سلطان ناصرالدین قباچہ کے ساتھ اچھے مراسم تھے اور سلطان شمس الدین التمش کے مختلف مسائل کو حل کرنے کے لئے جیسا کہ نجم الدین صغری کی تہمت شیخ جلال الدین تبریزی پر لگائی گئی تھی اس کا آپ نے دہلی جاکر سلطان شمس الدین التمش کے کہنے پر تصفیہ فرمایا تھا اور آپ سلطان قباچہ کی بجائے سلطان شمس الدین التمش کی طرف زیادہ قلبی لگاؤ رکھتے تھے کیونکہ وہ عابد اور متقی انسان تھا[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملتان کو سیاسی طور پر بھی

[1] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۵۷ء، صفحہ ۸

[2] اعجاز الحق قدوسی، تاریخ سندھ، جلد اول، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۳۴۳

آپ کی ذات نے مرکز بنادیا تھا اور جب سلطان قباچہ نے سلطان التمش کی بڑھتی ہوئی قوت کے خلاف سازش کی تو آپ نے سلطان التمش کو خط لکھا تھا جو سلطان قباچہ کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ جب سلطان قباچہ نے آپ سے خط کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا اللہ کے حکم سے لکھا ہے اور بالکل صحیح لکھا ہے۔ یہ سن کر قباچہ کانپ اٹھا اور اس نے آپ سے معافی چاہی اور آپ کو نہایت احترام و اعزاز کے ساتھ رخصت کیا[1] آپ کے مریدین اور عقیدت مندوں کی کافی تعداد تھی اور سلطان التمش کے ساتھ روابط تھے اور سلطان قباچہ کی مغلوں کے خلاف مدد اور قحط کے زمانہ میں غلہ فراہم کرنا[2] یہ تمام باتیں شیخ بہاؤالدین زکریا کی اہم شخصیت کے طور پر نمایاں تھیں۔ ان وجوہات کی بنا پر ملتان اس دور میں سہروردیوں کا ایک مرکز معلوم ہوتا ہے۔ ہند میں سہروردیوں کا اہم اور بڑا مرکز ملتان تھا اور اس مرکز کے سربراہ شیخ بہاؤالدین زکریا تھے۔ اس بات کو دیکھیں کہ شیخ بہاؤالدین زکریا کے تربیت یافتہ مبلغین لاکھوں اشرفیوں کا مال لے کر مشرق بعید سے مغرب بعید تک سفر کرتے تھے۔ سامانِ تجارت فروخت کرتے اور ساتھ ہی اسلام کی اشاعت بھی کرتے تھے[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سہروردیوں نے مالی لحاظ سے استحکام پیدا کرنے کے لئے تجارت کی اور ایک وسیع علاقہ میں کاروبار کو پھیلایا اور اس تجارت کے ذریعہ اسلام کی اشاعت بھی کی۔ اس بات کا علم

[1] اعجاز الحق قدوسی۔ تاریخ سندھ، جلد اول، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۵ء، صفحہ ۳۴۴

[2] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۵۹

[3] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۴۳

بھی ہوتا ہے کہ اس کام کے سربراہ بھی شیخ بہاؤالدین زکریا تھے اور مرکز ملتان ہی تھا۔ اس مرکز کے علاوہ دیکھا جائے کہ ذیلی مراکز کہاں تھے۔

ذیلی مراکز

شیخ بہاؤالدین زکریا کی ذات مرکزی حیثیت رکھتی تھی۔ آپ کی شخصیت ہمہ پہلو تھی۔ آپ کے شہر ملتان کے علاوہ ہند میں کچھ مراکز بھی تھے۔ ان کو دیکھا جائے۔ شیخ سخی سرور بغداد سے واپس ہوئے تو لاہور' سوہدرا' وزیر آباد کے قریب تھا۔ دھونکل' موضع رتی یا ملتان اور شاہ کوٹ میں قیام پذیر ہوئے[1] ان مقامات پر آپ نے درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ مخلوقِ خدا کو ہدایت کی طرف بلایا۔ لوگ آپ کے گرویدہ ہوئے اشاعت اسلام کے لئے محنت کی اور اس کے اثرات اب تک ان علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ مستقل کوئی مدرسہ' تاریخ میں کوئی کام' خلفاء اور مریدین اور تصانیف کا علم نہیں ہو سکا۔ اس بزرگ کے کام کے اثرات کے سلسلہ میں شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے کہ سلطان سخی سرور کے ساتھ صوفی تذکرہ نگاروں نے بڑی بے اعتنائی برتی ہے۔ لیکن آج بھی پنجاب میں ان کا اثر دیکھا جا سکتا ہے کہ وہ بڑے صاحبِ سطوت بزرگ تھے[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کے ہاتھوں محفوظ نہ رہ سکے لیکن ان کا کام اس علاقہ میں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آٹھ سو سال گزرنے کے باوجود آثار نمایاں ہیں۔ سہروردیوں کا یہ ایک چھوٹا مرکز معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس مرکز کا کسی دوسرے مرکز سے تعلق بھی نہ تھا۔

---

[1] غلام سرور لاہوری۔ خزینۃ الاصفیاء' ترجمہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی' مکتبہ نبویہ' لاہور ۱۹۹۰ء' صفحہ ۱۹۲

[2] شیخ محمد اکرام' آبِ کوثر' ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ' لاہور' ۱۹۹۲ء' صفحہ ۷۳

سلطان سخی سرور کے علاوہ ایک مرکز اوچ میں بھی تھا اور اس مرکز کے نگران شیخ سید جلال الدین سرخ بخاری تھے۔ انہوں نے خود ہی اس مرکز کو اوچ میں قائم کیا اور اس مرکز کا تعلق ملتان سے تھا۔ جس دن شیخ جلال الدین سرخ بخاری نے ملتان میں اولے کھائے اسی دن آپ کو خرقہ خلافت ملا۔ کچھ دنوں سید جلال الدین سرخ بخاری کو شیخ بہاؤالدین زکریا نے اپنے پاس رکھا اور معرفت کے رموز سے بہرہ مند فرمایا اور اوچ میں جا کر رہنے کا حکم دیا[1] یعنی آپ کے مرشد نے اوچ میں اپنی زندگی میں پہنچنے کے لئے حکم دیا تھا تاکہ اس علاقے میں دین اسلام کی اشاعت کے لئے کام کیا جائے۔ اس ذیلی مرکز کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ بڑا با اثر مرکز تھا اس کی وجہ شیخ جلال الدین سرخ بخاری کی خدمت اور ان کی آگے اولاد نے اس مرکز کو قائم رکھا اور آپ کے پوتے سید جلال الدین بخاری معروف جہانیاں جہاں گشت نے دین اسلام کی اشاعت میں خوب نام پیدا کیا۔ حضرت شیخ جلال الدین سرخ بخاری نے اوچ میں قیام کے بعد اصلاح و تبلیغ کا کام پوری مستعدی کے ساتھ شروع کیا۔ علاقہ اوچ کی اقوام چوہڑ' ڈہر' سیال اور دارم وغیرہ نے حضرت کی ہدایت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اس علاقے کا راجہ گھلو بھی حضرت جلال الدین سرخ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہوا[2] اس مرکز میں طلباء علم کے حصول کے لئے ٹھہرتے تھے۔ اس مرکز سے باہر جا کر تبلیغ کی جاتی تھی۔ مرکز میں پہنچنے والے افراد کو کھانا کھلایا جاتا تھا اور تبلیغ ہوتی

---

[1] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین' ترجمہ محمد ایوب قادری' اردو سائنس بورڈ' لاہور' ۱۹۸۹ء' صفحہ ۱۵۰

[2] پروفیسر محمد ایوب قادری۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت' ایچ ایم سعید کمپنی' کراچی' ۱۹۷۵ء' صفحہ ۵۷

تھی۔ اس مرکز کے علاوہ کشمیر میں سید مشرف الدین + معروف بلبل شاہ نے دریائے جہلم کے کنارے خانقاہ بنائی اور اس کا بنانے والا آپ کا مرید راجہ رنچن دیو جن کو آپ نے مسلمان فرما کر اس کا نام صدر الدین رکھا تھا۔ اس نے مسجد اور خانقاہ بنائی۔ آپ کی اور سلطان صدر الدین کی وفات ۷۲۷ھ میں ہوئی ۱؎ اس خانقاہ مرکز میں لوگوں کو ابتدائی اسلام کی باتوں سے روشناس کرایا جاتا اور کھانا کھلایا جاتا تھا۔ اس مرکز کے علاوہ دہلی میں شیخ حمید الدین ناگوری نے علم و فضل کو پھیلایا اور آپ نے کتب بھی تصنیف فرمائی ہیں۔ لوائح اور طوالع شموس مشہور آپ کی کتب ہیں ۲؎ انہوں نے گو کہ بہت کم مرید کئے لیکن وہ اپنے مقام پر بہترین عالم اور اولیاء اللہ میں سے تھے۔ ان کے علاوہ اس دور میں شیخ نور الدین مبارکؔ غزنوی شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے خلیفہ تھے۔ دہلی میں لوگ ان کی بڑی عزت کرتے تھے اور احتراماً میر دہلی کہہ کر پکارتے تھے ۳؎ سلطان التمش نے آپ کو دہلی کا شیخ الاسلام مقرر کیا تھا اور آپ بادشاہ کے دربار میں بڑی بے باکی سے اور جرأت کے ساتھ وعظ کہتے رہے اور تنقید بھی کرتے رہے ہیں۔ ان دونوں بزرگوں شیخ حمید الدین ناگوری اور شیخ نور الدین مبارک غزنوی دہلی میں علم و فضل کا درس دیتے تھے ان دونوں کے مدرسہ، خلفاء اور مریدین کا علم نہیں ہو سکا۔ اس ذیلی مرکز

+ سید مشرف الدین کے متعلق شہزادہ دارا شکوہ نے ابتدائے اسلام در کشمیر بر کت مقدم ایں شان است۔ سفینۃ الاولیاء، صفحہ ۱۰۸

۱؎ ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر، سید میر علی ہمدانی، گلشن پبلشرز، سری نگر، کشمیر، ۱۹۹۱ء، ص ۱۳۵

۲؎ حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۲۱۴

۳؎ شیخ عبد الحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، سن ندارد، صفحہ ۶۶

کے علاوہ بہار میں سید شہاب الدین معروف شیخ جگجوت نے تبلیغ کا کام انجام دیا اور آپ کے متعلق بھی تاریخ خاموش ہے۔ ان بزرگوں نے لوائل زمانہ میں بڑی خاموشی سے اشاعت اسلام کا فریضہ انجام دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے بعد آپ کے نواسے شیخ شرف الدین یحییٰ منیری نے علاقے میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ کی صاحبزادی رضیہ جو شیخ احمد یحییٰ سے منسوب تھیں ان کے بطن سے تھے ۱؎ اس مرکز کے علاوہ دکن حیدر آباد میں بابا شرف دین عراقی تشریف فرما ہوئے اور انہوں نے دکن کے علاقے میں اسلام کی اشاعت کے لئے مرکز بنایا اور عبادت الٰہی میں مشغول ہوئے اور مریدین کی ہدایت اور تلقین میں مصروف رہے۔ آپ بھی شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے مرید و خلیفہ تھے ۲؎ آپ ہی دکن کے مرکز بنانے والے اور سربراہ تھے اور بنگال میں سید جلال الدین تبریزی نے دین اسلام کی اشاعت کے لئے سلہٹ کو مرکز بنایا تھا اور اس علاقے میں آپ کے ہاتھ پر لوگ بیعت اسلام قبول کرتے ہیں۔ آپ نے سلہٹ کے مقام دیو محل میں لنگر جاری فرمایا اور خانقاہ ہوائی ۳؎ اس کے علاوہ سندھ میں بھی سکھر (بکھر) کی سرزمین پر شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے خلیفہ شیخ نوح بکھری دعوت رشد و ہدایت میں مشغول تھے۔ سندھ کے مختلف اطراف میں آپ تبلیغ کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ آپ سے ملنے کے لئے شیخ بہاؤالدین زکریا کو ان کے مرشد نے حکم دیا تھا لیکن جب شیخ بہاؤالدین زکریا بکھر

۱؎ حکیم شاہ محمد شعیب پھلواری۔ تاریخ شریف، دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، پٹنہ بہار، ۱۹۴۷ء، صفحہ ۳۱۴

۲؎ شیخ محمد اکرام۔ آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۳۶۱

۳؎ حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور ۱۹۸۹ء، صفحہ ۲۵۰

ملاقات کے لئے پہنچے تو اس سے کچھ عرصہ پہلے شیخ نوح بھکری انتقال کر چکے تھے[1] بھکر مرکز کے طور پر کام کرتا تھا لیکن اس کے علاوہ سندھ میں شیخ نوح بھکری کے تھوڑے عرصہ بعد سیہون میں شیخ لال شہباز قلندر نے اشاعت اسلام کی خدمات انجام دیں۔ اس طرح بر صغیر ہند و پاک کے اندر اس زمانے میں اوچ، لاہور، ڈیرہ غازی خان، کشمیر، دہلی، بنگال، دکن، بھکر، سیہون اور بہار میں سلسلہ سہروردیہ کے مراکز اپنی مدد آپ کی بنیاد پر دینِ اسلام کی تبلیغ اور رشد و ہدایت و تلقین کے اُمور پر مامور تھے۔ گو کہ یہ مراکز بڑی خوش اسلوبی سے فریضۂ تبلیغ میں مصروف تھے لیکن ان کی طرف تاریخ دانوں کی بے اعتنائی کی وجہ سے ان کی خدمات سامنے نہیں آسکیں اور سہروردیوں کا بڑا مرکز ملتان شہر میں شیخ بہاؤالدین زکریا نے جو قائم فرمایا اس مرکز کی خدمات کو کافی حد تک محفوظ کیا گیا۔ اس کی وجہ آپ کی منظم تبلیغی کاوشیں، منظم تجارت، وقت کے حکمرانوں سے اچھے تعلقات، لمبی عمر اور اولاد و خلفاء کا اچھا نظام تھا۔

ان مراکز کے بعد اب دیکھا جائیگا کہ ان علاقوں میں حکمران کون تھے۔

علاقوں کے حکمران

جب شیخ سخی سرور (متوفی ۵۷۷ھ / ۱۱۷۴ء) بغداد سے ہند تشریف لائے اور شاہ کوٹ ڈیرہ غازی خان قیام پذیر ہوئے اس زمانے میں ملتان اور اس کے اطراف میں قرامطہ کی حکومت تھی اور جب شیخ بہاؤالدین زکریا ہند پہنچ کر ملتان میں ٹھہرے ہیں اس وقت ملتان پر سلطان شہاب الدین غوری (متوفی ۶۰۲ھ) کا دورِ حکومت تھا اور ملتان کی فتح ہوئی تو ۱۱۷۵ء کے بعد شہاب الدین غوری نے اپنا سپہ سالار علی کرماخ کو ملتان کا

[1] میر علی شیر۔ تحفۃ الکرام، مطبع فیض عام، ۱۳۰۴ھ، صفحہ ۱۲۵

گورنر مقرر کیا تھا[1] اور بھکر سندھ میں شیخ نوح بھکری وارد ہوئے تو اس وقت سندھ پر سلطان شہاب الدین محمد غوری کا اقتدار تھا۔ کیونکہ سلطان شہاب الدین محمد غوری نے سندھ کو ۱۱۸۲ء تک فتح کر لیا تھا اور شیخ نوح بھکری (متوفی ۶۰۰ھ / ۱۱۹۹ء) ۱۱۸۲ء کے بعد ہی بغداد سے کسی وقت واپس ہند سندھ میں تشریف لائے ہیں۔ گو کہ کشمیر میں سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ بہت بعد میں پہنچے ہیں لیکن سہروردی بزرگ سید شرف الدین معروف بلبل شاہ (متوفی ۷۲۷ھ) جب کشمیر میں پہنچے اس زمانہ میں راجہ رنچن دیو جس کو شیخ بلبل شاہ نے مسلمان کر کے اس کا نام صدرالدین (متوفی ۷۲۷ھ) رکھا تھا اس راجہ کا دور تھا[2] شیخ سید نورالدین مبارک غزنوی (متوفی ۶۳۲ھ / ۱۲۳۴ء) اور شیخ حمید الدین ناگوری (متوفی ۶۴۳ھ / ۱۲۴۵ء) جب بغداد سے دہلی پہنچے ہیں تو اس زمانہ میں سلطان شمس الدین التمش (متوفی ۶۳۳ھ / ۱۲۳۶ء) کا دورِ اقتدار تھا اور شیخ جلال الدین تبریزی (متوفی ۶۴۱ھ / ۱۲۴۳ء) جب بنگال پہنچے تو اس زمانہ میں سلطان قطب الدین ایبک کا صوبیدار علی مردان بنگال کا مقتدر تھا۔ سلطان التمش کے اوائل دور میں شیخ جلال الدین تبریزی دہلی پہنچے ہیں اور تھوڑے عرصہ کے بعد بدایوں سے بنگال تشریف لے گئے۔ سلطان شمس الدین التمش کا دور ۱۲۱۱ء سے ۱۲۳۶ء تک کا ہے[3] سلطان التمش کا ابتدائی دور تھا۔ بنگال اور بہار کے علاقے کو ۱۱۹۶ء میں سلطان شہاب الدین محمد غوری کے قابل سپہ سالار محمد بن بختیار خلجی نے فتح کیا تھا۔ اس کے بعد یہ علاقہ مسلسل مسلمانوں

[1] اعجاز الحق قدوسی، تاریخِ سندھ، جلد اول، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۵ء، صفحہ ۳۳۶
[2] ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر۔ سید میر علی ہمدانی، گلشن پبلشرز، سری نگر، کشمیر، ۱۹۹۱ء، صفحہ ۱۲۵
[3] انوار ہاشمی۔ تاریخ پاک و ہند، کراچی بک سینٹر، کراچی، ۱۹۸۴ء، صفحہ ۵۹

کے زیرِ اقتدار میں رہا ہے۔ اب حامد بن فضل اللہ جمالی کی اس عبارت کو دیکھا جائے کہ شیخ جلال الدین تبریزی نے جس جگہ قیام کیا اس مندر کو دیو محل کہتے ہیں۔ یہاں ایک بت خانہ تھا اس کو توڑ کر آپ نے اپنا تکیہ بنایا اور بہت سے کافروں کو مسلمان کیا[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقے کے لوگوں پر آپ کے اثرات مرتب ہو چکے تھے اور اس علاقے کا انتظام کسی مسلمان کے ہاتھ میں تھا ورنہ نہ بُت خانہ توڑا جا سکتا تھا اور نہ ہی مندر میں ٹھہرا جا سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس دیو محل مقام کے چھوٹے سے علاقے پر کسی راجہ مسلمانوں کے زیرِ نگرانی اس وقت تسلط ہو اور وہ آپ کے کام میں مخل نہ ہوا ہو۔ معلوم یہی ہوتا ہے کہ مسلمان بنگال میں پہنچ چکے تھے۔ جب بہار میں شیخ شہاب الدین بمعروف شیخ جگجوت (متوفی ۶۶۶ھ) تشریف لے کر گئے ہیں تو اس وقت دہلی پر سلطان شمس الدین التمش کا اقتدار تھا اور سلطان قطب الدین ایبک کے ایک صوبیدار علی مردان کا بہار پر قبضہ تھا اور دکن حیدر آباد میں جب شیخ بابا شرف الدین عراقی پہنچے ہیں اس وقت دکن حیدر آباد کے علاقے پر کسی ہندو راجہ کا اقتدار تھا لیکن اس علاقے میں مسلمان پہنچ چکے تھے۔ جب آپ دکن تشریف لائے ہیں تو اہل دکن میں مسلمانوں سے خاص بغض و عناد تھا۔ مہاراشٹر اور دکن کے ہندو شمالی ہند اور ساحلی لوگوں کی نسبت زیادہ متعصب تھے[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقے کے لوگ تنگ نظری، تعصب اور بغض مسلمانوں کے نظریات کی وجہ سے تھا اور یہ لوگ اپنے مذہب کے خلاف کسی فرد کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہندو راجہ کے احکامات کے تحت سب کچھ ہو رہا تھا کیونکہ جب

[1] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۲۵۰

[2] شیخ محمد اکرام۔ آبِ کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۳۶۲

صوفی سرمست (متوفی ۶۸۰ھ) دکن کے علاقے میں آئے تو وہاں کے راجہ نے حکم دیا تھا کہ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو کھانے پینے کی چیزیں کوئی نہ دے[1] معلوم ہوتا ہے کہ ہندو راجہ کا اقتدار تھا۔ آپ خاموشی کیساتھ دین اسلام کی تبلیغ میں مصروف رہے۔ مندرجہ ذیل چارٹ سے سہروردی ہند میں پہنچتے ہیں اور اس زمانہ میں ان علاقوں کے حکمرانوں کو چارٹ کے ذریعے دیکھیں۔

نمبر شمار	نام بزرگ	وصال	مقام	اقتدار
۱	سلطان سخی سرور	۵۷۷ھ	ڈیرہ غازی خان	قرامطہ
۲	شیخ بہاؤ الدین زکریا	۶۶۵ھ	ملتان	سلطان شہاب الدین محمد غوری
۳	شیخ سید جلال الدین تبریزی	۶۴۱ھ	بنگال	محمد بن بختیار خلجی علی مردان (صوبیدار)
۴	شیخ سید نور الدین مبارک غزنوی	۶۳۲ھ	دہلی	سلطان شمس الدین التمش
۵	شیخ حمید الدین ناگوری	۶۴۳ھ	دہلی	//
۶	شیخ بابا شرف الدین عراقی	۶۸۷ھ	دکن حیدر آباد	ہندو راجہ نام نامعلوم
۷	شیخ نوح بھکری	۶۰۰ھ	سکھر	سلطان شہاب الدین محمد غوری
۸	شیخ شہاب الدین جگجوت	۶۶۶ھ	بہار	علی مردان صوبیدار
۹	شیخ شرف الدین بلبل شاہ	۷۲۷ھ	کشمیر	رنچن دیو۔ راجہ

علاقوں میں حکمرانوں کے اقتدار کے تعین کے بعد عوام و سلاطین پر سلسلہ کے اثرات کو دیکھا جائے۔

[1] شیخ محمد اکرام۔ آبِ کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۳۶۱

عوام وسلاطین پر اثرات

سلسلہ سہروردیہ کے عوام وسلاطین پر اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے ہند میں سب سے پہلے پہنچنے والے بزرگ شیخ سخی سرور کو دیکھا جائے۔ آپ جب ہند میں سلسلہ سہروردیہ لے کر پہنچے اس زمانہ میں سندھ اور پنجاب پر قرامطہ فرقے کی حکومت تھی۔ اس حکومت کو ختم کرنے کے لئے سلطان شہاب الدین محمد غوری آیا تھا۔ حضرت مخدوم شیخ عبدالصمد کے مکتوب نے سلطان کو ملتان پر حملہ کرنے کی ترغیب دی اور وہ قشون قاہرہ کے ساتھ ۱۱۷۰ء میں دفعۃً ملتان پر ٹوٹ پڑا اور قرامطہ کو تہس نہس کر کے اس سرزمین کو ہمیشہ کے لئے کفر والحاد کی لعنت سے پاک کر دیا[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملتان قرامطہ کا مرکز تھا اور ملتان اور اطراف میں اقتدار قرامطہ ہی کا تھا اور یہ لوگ مسلمان نہ تھے۔ اپنے نظریات کی اشاعت میں بھی قرامطہ نے اس علاقے پر اپنا تسلط قائم کیا ہوا تھا۔ جس کو مخدوم شیخ عبدالصمد نے گوارا نہ کیا۔

قرامطہ

ایک باطنی فرقہ تھا جس کا بانی حمدان قرمطہ تھا۔ حمدان عراق کا ایک دیہاتی باشندہ تھا اسے جب یہ احساس ہوا کہ مسلمانوں کی حکومت ایرانیوں کے ہاتھوں تباہ ہو جائے گی تو اس نے ایک تحریک شروع کی۔ ۸۹۰ء میں حمدان نے کوفہ کے قریب ایک "دارالہجرہ" کے نام سے قیام گاہ بنائی جو اس تحریک کا مرکز بنی۔ یہ ایک خفیہ تحریک تھی یہ لوگ اپنے مخالفین کو خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوں قتل کرنا جائز سمجھتے تھے۔ ۹۳۰ء میں اس گروہ نے مکہ معظمہ پر حملہ کیا اور حجر اسود کو لے گئے تھے۔ حجر اسود کی واپسی

---

[1] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان' جلد اول' قصر الادب' رائٹر کالونی' ملتان' ۱۹۷۲ء' صفحہ ۱۳۴

۹۵۱ء میں فاطمی سلطان المنصور کے حکم سے ہوئی[1] خلیج فارس کا یہی گروہ ملتان اور اطراف میں اقتدار میں تھا۔ اس زمانہ میں شیخ سخی سرور بغداد سے لاہور اور لاہور سے سوہدرا اور وزیر آباد شہر کے قریب ایک قصبہ ہے وہاں تشریف فرما ہوئے۔ اس مقام پر عبادت میں مصروف رہے ہیں۔ آپ کی شہرت علاقے میں ہونے کی وجہ سے دور دراز کے علاقوں سے مخلوق آنے لگی۔ اور دنیاداروں میں کوئی ایسا نہ تھا جو آپ کے پاس آنے کے بعد بھی محروم رہ جائے۔ ہر آدمی اپنے مراد حاصل کرتا تھا۔ اسی وجہ سے سخی سرور اور لکھ داتا کے نام سے مشہور ہوئے[2] آپ کا نام سید احمد ہے۔ آپ سوہدرا کے نمبردار عمر بخش کو دعا سے تندرست کرتے ہیں اور دھونکل بھی ایک قریب قصبہ ہے اس کے نمبردار جو ندا نامی کے گمشدہ لڑکے دھونکل کو دعا سے فائدہ ہوا اور واپس گھر آ گیا۔ اسکے قریب ایک اور گاؤں موضع رتی میں بھی کچھ دن رہے اور وہاں سے شاہ کوٹ تشریف لائے اور سید عبدالرزاق کی صاحبزادی سے شادی کی اور اس وقت ملتان کا حاکم کہیو خان تھا۔ اس کی ایک لڑکی بی بی بائی کے نام سے تھی۔ اس سے آپ نے نکاح کیا تھا[3] اس دوران بے پناہ مخلوق آپ کے حلقۂ ارادت میں آگئی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت میں کمال حاصل کیا۔ مخلوقِ خدا سے جو آیا اس کے لئے دعا فرمائی اور اس کو سکون واطمینان عطا کیا۔ حاجت مندوں کو عطا کیا اور مخلوقِ خدا آپ

---

[1] سید قاسم محمود۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا شاہکار بک فاؤنڈیشن' کراچی ۱۹۸۹ء' صفحہ ۱۳۷۹

[2] مفتی غلام سرور لاہوری۔ خزینۃ الاصفیاء' مکتبہ نبویہ' لاہور' ۱۹۹۰ء' صفحہ ۱۹۳

[3] مولانا حامد علی خان۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا' غلام علی اینڈ سنز' لاہور' ۱۹۸۹ء' صفحہ ۱۰۴۳

کی طرف کثیر تعداد میں متوجہ ہوئی۔ یہ آپ کے اثرات کا نتیجہ تھا اور جس طرح عوام آپ سے فیض حاصل کر رہی تھی اسی طرح نمبردار عمر بخش اور نمبردار جوندا اور حاکم ملتان گھیبو خان پٹھان صاحبِ اقتدار ہو کر بھی متاثر تھے۔ یہی نہیں کہ مسلمان ہی آپ کے اثرات کو قبول کرتے تھے بلکہ ہندو بھی بڑی تعداد میں آپ کے معتقد تھے۔ آپ کے اثرات کو اس بات سے دیکھیں کہ آپ کے عقیدت مند کسی ایک علاقے میں نہیں بلکہ ہند میں ہر علاقے میں اور پنجاب کے شہروں میں اور گاؤں میں آپ کے عقیدت مند اکثر موجود ہیں۔ سخی سرور کے عقیدت مندوں میں اور بہت سے لوگ نظر آتے ہیں جو برصغیر پاک و ہند خصوصاً پنجاب کے کم و بیش ہر شہر اور گاؤں میں موجود ہیں۔ ان لوگوں میں مذہب کی کوئی قید نہیں ہے، مسلمان بھی آپ کے معتقد ہیں اور ہندو بھی۔ تقسیم ہند سے پیشتر آپ کے سالانہ عرس میں یہاں کی تینوں بڑی قومیں یعنی مسلمان، ہندو اور سکھ بھاری تعداد میں شرکت کرتی تھیں۔ ہندو عقیدت مندوں کو سلطانی کہا جاتا ہے۔ ان کی سب سے بڑی رسم سلطان سخی سرور کے مزار کی زیارت ہے[1] ان تمام اثرات کے باوجود آپ کے خلفاء، مدارس اور تبلیغ و ہدایت اور اشاعتِ اسلام کی جدوجہد کا علم نہیں ہو سکا۔ یہ بات تو سامنے آئی ہے کہ ہند کی سرزمین میں بسنے والی اقوام آپ کی گرویدہ تھیں اس طرح آپ نے ان ہی میں اپنی ذات سے یکجہتی، اخوت، محبت اور بھائی چارہ کو فروغ دیا اور ان میں بہت سارے لوگوں نے دینِ اسلام کو بھی قبول کیا لیکن باقی تمام پہلوؤں سے پردہ اٹھانے کے لئے تاریخ خاموش ہے۔ اس زمانے میں ملتان ہند کا ایک شہر تھا اس کے زیر اثر پنجاب، سندھ، بلوچستان کا علاقہ تھا۔

[1] شیخ محمد اکرام۔ آبِ کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۸۴

ملتان

تاریخی لحاظ سے بہت پرانا شہر ہے۔ دو لاکھ سولہ ہزار چار سو تیس برس پرانا ہے۔ ہندوؤں کی مقدس کتاب رگ وید اسی شہر میں لکھی گئی تھی۔ ۳۲۷ء قبل مسیح سکندرِ اعظم نے اس پر قبضہ کیا تھا۔ راجہ داہر کو شکست دے کر محمد بن قاسم نے ملتان پر قبضہ کیا تھا۔ یہ شہر صوبہ پنجاب کے صوبائی دارالحکومت لاہور سے دو سو گیارہ میل جنوب میں واقع ہے۔ صنعتی و تجارتی شہر ہے۔ اس شہر میں اولیاء اللہ زیادہ ہونے سے اس کو مدینۃ الاولیاء بھی کہا جاتا ہے۔ سہروردیوں کے سرخیل ہند شیخ بہاؤالدین زکریا کا مزار اسی شہر میں ہے[1] ملتان کی اس حیثیت کو زمانے میں دیکھا جائے تو اس شہر کو حکمرانوں کا پایۂ تخت ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اس وجہ سے یہاں منظم کوشش کی ضرورت تھی۔ جس کے اثرات گردونواح کے علاقوں بلکہ سندھ اور بلوچستان پر ہونے لازمی تھے۔ اس بات کے پیش نظر ملتان شہر کو سلسلہ سہروردیہ کے نامور بزرگ شیخ بہاؤالدین زکریا نے اپنی تبلیغی جدوجہد کا مرکز بنایا تھا۔ آپ جب شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے سلسلہ سہروردیہ حاصل کر کے ہند ملتان تشریف لائے اس وقت ۶۰۱ھ تھی اور سلطان شہاب الدین محمد غوری کا ملتان پر اقتدار تھا۔ ایک سال بعد سلطان شہاب الدین محمد غوری کا انتقال ہو جاتا ہے اور اس کی سلطنت تین حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ غزنی پر تاج الدین یلدوز، ملتان اور سندھ کے گردونواح کے علاقوں پر سلطان ناصر الدین قباچہ (متوفی ۶۲۵ھ / ۱۲۲۸ء) اور ہند کے دوسرے علاقوں پر سلطان قطب الدین ایبک (متوفی ۶۰۷ھ / ۱۲۱۰ء) نے اقتدار

[1] مولانا حامد علی خان۔ اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا، غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۸ء، صفحہ ۱۲۰۸

قائم کیا[1] سلطان شہاب الدین محمد غوری کا ہند میں اقتدار ۱۱۷۲ء سے ۱۲۰۶ء تک اور اس کے بعد سلطان قطب الدین ایبک کا ہند میں اقتدار ۱۲۰۶ء سے ۱۲۱۰ء تک اور اس کے بعد سلطان شمس الدین التمش کا ہند میں اقتدار ۱۲۱۰ء سے ۱۲۳۶ء تک ہے۔ اور ملتان پر اقتدار سلطان ناصر الدین قباچہ کا ۱۲۱۰ء سے ۱۲۲۸ء تک ہے۔ سلطان ناصر الدین قباچہ دہلی حکومت کے تحت تھا جب سرکشی کی تو ۱۲۲۸ء میں سلطان شمس الدین التمش نے زیر کرنے کے ارادے سے سلطان ناصر الدین قباچہ کا اوچ اور ملتان میں پیچھا کیا اور سلطان ناصر الدین قباچہ اوچ سے ملتان اور ملتان سے بھکر کی طرف کوچ کر گیا۔ دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے اپنے اہل خانہ کے ہمراہ کشتی اُلٹنے سے فوت ہو گیا تھا۔ ان حکمرانوں کے اُدوار میں شیخ بہاؤالدین زکریا ملتان میں تشریف فرما تھے۔ اس زمانے میں ہند کا ایک مشہور مندر پرھلاد جی کے نام سے ملتان میں موجود تھا۔

پرھلاد جی

پرھلاد جی ایک موحد انسان تھا اور اپنے دور میں تسلیم شدہ شخصیت تھی۔ اس انسان نے کفر سے شدید ٹکر لی تھی۔ اس کی وفات کے بعد اس کے مقبرے کو استھان میں تبدیل کر دیا گیا اور شیخ بہاؤالدین زکریا کے دور میں پورے ہند سے ہندو یاترا کے لئے آتے تھے اور اب یہ استھان شرک و فسق کا مرکز بنا ہوا تھا[2] اس مندر کے بالکل سامنے دین اسلام کی اشاعت کے لئے

[1] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۳۷

[2] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تذکرہ حضرت بہاؤالدین زکریا، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۵۷ء، صفحہ ۶

ایک مقام کا انتخاب فرمایا اور اس مقام پر بیٹھ کر دین اسلام کی تبلیغ شروع کی اور بہت جلد تبلیغ کے اثرات نمودار ہونا شروع ہوئے۔ آپ کا وعظ روزانہ عصر تا مغرب ہوتا تھا اور ہزاروں لوگ روزانہ اسلام کی روشنی سے بہرہ ور ہو رہے تھے۔ آپ کے وعظ میں مسلمانوں کے علاوہ مندر کی یاترا کو آنے والے کثیر تعداد میں ہندو بھی شریک ہوتے تھے۔ وہ آتے وقت تو ہندو تھے لیکن آپ کے وعظ کے اثرات سے جاتے وقت وہ مسلمان تھے۔ ان سامعین کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی تھی اور ہندو یاتری جو مندر سے برآمد ہوتے شیخ بہاؤالدین زکریا کا وعظ سن کر مسلمان ہو جاتے تھے[1] اس طریقہ تبلیغ سے آپ براہِ راست عوام و خواص پر اثرانداز ہو رہے تھے۔ لوگوں کے اسلام قبول کرنے سے تبلیغ کے ثمرات کا ظہور سامنے آ رہا تھا۔ وعظ کے علاوہ آپ کا لنگر صبح و شام جاری و ساری رہتا تھا۔ لنگر خانے کے اثرات نیکی پھیلانے میں بڑے کار آمد ثابت ہوتے حالانکہ کھانا کھلانا خود ایک بہترین نیکی ہے۔ بہر صورت آپ کے خزانے عوام اور سلاطین کے لئے ہمیشہ کھلے رہتے تھے۔ جب ملتان میں بڑا سیلاب آیا ان دنوں آپ نے سیلاب کے متاثرین میں دل کھول کر خدمات انجام دیں۔ لنگر اسی انداز سے پکتا، پیسہ کپڑا لتہ اسی سرعت رفتار سے تقسیم ہوتا۔ لوگ دور دراز سے بہاؤالدین زکریا کے لنگر سے کھانا کھانے آیا کرتے تھے[2] عوام پر اثرات اخلاقی قدروں کی بناء پر تھے اور آپ مخلوقِ خدا کی بے لوث خدمت فرماتے تھے۔ آپ کے خلفاء مختلف اطراف میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے مقرر تھے۔ وہ اپنے علاقوں میں دعوتِ دین دیتے تھے۔ ان کی وجہ سے لوگوں کو ہدایت میسر آتی وہ سب

[1] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۴۱

[2] علامہ عالم فقری۔ تذکرہ اولیاءِ پاکستان، شبیر برادرز، لاہور، ۱۹۸۷ء، صفحہ ۸۰

سالانہ شیخ بہاؤالدین زکریا کے پاس آیا کرتے تھے اور وہ قافلوں کی صورت میں موسم بہار کے اندر آیا کرتے تھے اور ایک بڑے قافلے جو عموماً چھ سات سو افراد پر مشتمل ہوتا تھا اس کو ساتھ لیتے اور ملتان پہنچتے تھے۔ اس زمانہ میں ہند کی سرزمین کفر والحاد سے بھری پڑی تھی۔ ان بندگانِ خدا کی کاوشیں عوام کو ہدایت کے نور سے منور کرتی تھیں۔ سالانہ اجتماع میں ایک طرف علماء لاکھوں کے ہجوم قرآن و حدیث کا وعظ کرتے نظر آتے اور دوسری طرف گچھے دار جھاڑیوں میں عارفانِ حق کا حلقہ دکھائی دیتا تھا۔[1] معلوم ہوتا ہے کہ شیخ بہاؤالدین زکریا کے کام کے اثرات ہمہ پہلو نظر آتے ہیں۔ آپ کا کفر سے ایمان کی طرف، معصیت سے اطاعت کی طرف اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف ہدایت کرنے میں بڑا مقام ہے[2] معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے جو اثرات عوام قبول کر رہے تھے اس کی بنیاد بڑی پختہ تھی۔ دراصل اپنی ذات کے لئے آپ کچھ نہیں کر رہے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی اور رضائے الٰہی کے لئے فریضۂ دین انجام دے رہے تھے۔ آپ کے اثرات کو ملتان، لاہور، سندھ اور بلوچستان کے عوام نے بڑی حد تک قبول کیا تھا۔ شیخ بہاؤالدین زکریا کا وعظ سن کر ملک سندھ اور علاقہ ملتان اور لاہور کے اہلِ ہنود (ہندو) میں سے بھی بے شمار خلقت نے جس میں بہت متمول تاجر اور بعض والیانِ ملک بھی تھے دین اسلام قبول کیا اور حضور کے مرید ہوئے[3] معلوم ہوتا ہے کہ ملتان اور اطراف میں بڑا اعتبار واقتدار حاصل کر لیا تھا اور

1. مولانا نوراحمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۴۴
2. شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، سن ندارد، صفحہ ۶۴
3. شیخ محمد اکرام۔ آبِ کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۵۷

آپ کے اثرات علاقے کے تمام افراد، امیر و غریب اور ہندو + مسلم پر یکساں نظر آتے ہیں۔ روحانی طور پر ملتان، سندھ، بلوچستان کو آپ کی روحانی سلطنت سمجھا جاتا تھا۔ جب بعض لوگوں نے شیخ بختیار کاکی جو سلسلہ چشتیہ کے بزرگ ہیں ان کو ملتان میں ٹھہرنے کے لئے کہا تو جواب میں آپ نے فرمایا کہ ملتان کی سرزمین پر شیخ بہاؤالدین زکریا کا قبضہ اور سایہ کافی ہے اور شیخ بہاؤالدین زکریا نے باقاعدہ تربیت کر کے خلفا بنائے۔ ان میں شیخ سید جلال الدین سرخ بخاری، جو اوچ شہر میں دفن ہیں شیخ شاہ عالم اور پیر پٹھا جو سندھ ٹھٹھہ میں دفن ہیں۔ شیخ سید عثمان مروندی، لعل شہباز قلندر جو سیہون میں دفن ہیں۔ شیخ حسن افغان جو صوبہ سرحد میں دفن ہیں میر کالو جو علاقہ روح میں دفن ہیں۔ شیخ فخر الدین عراقی، شیخ میر سید حسین خلفاء میں سے تھے اور جانشین خلیفہ شیخ صدرالدین محمد عارف ملتان میں دفن ہیں[1] یہ تمام افراد خود ایک انجمن اور دوررس اثرات کی حامل شخصیات تھیں اور تمام تربیت یافتہ شیخ بہاؤالدین زکریا تھے۔ سلسلہ سہروردیہ کے مزید اثرات کو سامنے لانے کے لئے ہند کے مختلف شخصیات تھیں اور تمام تربیت یافتہ شیخ بہاؤالدین زکریا تھے۔ سلسلہ سہروردیہ کے مزید اثرات کو سامنے لانے کے لئے ہند کے مختلف علاقوں کو دیکھا جانا ضروری ہے۔ صرف ملتان اور اطراف میں شیخ

+ جب ہندو مسلمان ایک ساتھ رہنے لگے تو بہت دنوں تک ساتھ رہنے کی وجہ سے انہوں نے ایک دوسرے کے خیالات، عادات واطوار اور رسم ورواج سمجھنے کی کوشش کی اور بہت جلد ان دو قوموں میں اتحاد پیدا ہو گیا۔ انفلونس آف اسلام ان انڈیا کلچر ۷ ۱۳۔ اور ہندو مسلمان صوفیا کے مزارات پر جاتے ہیں اور نذر و نیاز چڑھاتے ہیں۔ جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، صفحہ ۱۰۲۳

1. شیخ عبدالرحمن چشتی۔ مراۃ الاسرار، ترجمہ کپتان واحد بخش سیال، بزم اتحاد المسلمین، لاہور، ۱۴۱۲ھ، صفحہ ۶۹۹

بہاؤالدین ذکریا' ان کے صاحبزادے شیخ صدرالدین محمد عارف اور ان کے صاحبزادے شیخ رکن الدین عالم ایک صدی تک فریضۂ دین انجام دیتے رہے اور اس چشمہ سے کون سیراب ہوا؟ لاکھوں نہیں کروڑوں اور کروڑوں نہیں اربوں بلکہ لاتعداد انسانی مخلوق صدائے عطش عطش پکارتی آتی اور چشمۂ شیریں سے اپنی روحانی تشنگی بجھا کر شاد کام ہوتی اور یہ علاقے بڑے وسیع کشمیر سے سراندیپ اور مصر سے سنگاپور تک کفرستان کو توحید کی ضیاپاشیوں سے جگمگایا[1] معلوم ہوتا ہے کہ بڑے وسیع و عریض علاقے میں دین اسلام کی اشاعت کا ایک روشن باب رقم کرنے کی عظیم کوشش تھی۔ ان کاوشوں سے جو ان علاقوں میں اثرات مرتب ہوئے ان کے اثرات بہت اچھے تھے۔ ان اثرات میں عوام اور حکمران دونوں شامل ہیں۔

مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرف اشاعت اسلام کے کام کو انجام دینا حقیقی اثرات ہیں۔ اس سے اطراف ملک میں انہوں نے خوب اسلام کا ڈنکا بجایا اور اسلام کی بڑے پرجوش طریقے سے سہروردیوں نے اشاعت کی[2] اور شیخ بہاؤالدین زکریا کی بدولت سہروردی سلسلہ کی نشر و اشاعت اور ترویج ہوئی۔ ہزارہا اشخاص حلقۂ ارادت میں منسلک ہوئے اور بہت سے مشرف بہ اسلام ہوئے اور مغربی پاکستان کے اکثر قبیلے آپ کی تعلیم و تلقین سے مسلمان ہوگئے تھے۔ کمبوہ برادری آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئی[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفاء تربیت یافتہ تھے۔ پرجوش تھے'

---

1. مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان' جلد اول' قصر الادب' رائٹر کالونی' ملتان' ۱۹۷۲ء' صفحہ ۱۵۸
2. شیخ محمد اکرام۔ آب کوثر' ادارۂ ثقافت اسلامیہ' لاہور' ۱۹۹۲ء' صفحہ ۲۵۴
3. پروفیسر محمد ایوب قادری۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت' ایچ ایم سعید کمپنی' کراچی' ۱۹۷۵ء' صفحہ ۴۹

طریقہ اچھا تھا' اخلاق بہترین تھے' لوگوں میں عقیدت بڑھتی گئی' مریدوں کی تعداد بڑھنے کا بھی یہی مژدہ ہے اور بنیاد مہر و محبت اور اخلاص تھا۔ اس کی تائید میں مفتی غلام سرور لاہوری نے لکھا ہے کہ فلسفہ مہر و محبت نے صوفیا کو لوگوں کے دلوں میں جگہ دی[1] ہر ادنیٰ و اعلیٰ کو محبت کی نوید سنائی۔ ان وجوہات کی بناء اصلاح احوال کے لئے ان بزرگوں کی کوششیں رنگ لائیں اور ان کی بدولت دین اسلام کی اشاعت میں اور سلسلہ کی ترویج میں بڑی کامیابی و کامرانی نصیب ہوئی۔ ملتان کے علاوہ اوچ شہر میں سہروردی بزرگ سید جلال الدین سرخ بخاری نے رشد و ہدایت کا سرچشمہ قائم کیا۔

اوچ

پاکستان میں ضلع بہاولپور کا ایک قدیم شہر ہے۔ ۵۵۰ء قبل مسیح میں آباد ہوا تھا۔ سکندر اعظم اس میں ٹھہرا تھا۔ محمود غزنوی کے وقت سندھ کا صوبہ تھا اور ہندوؤں کی حکومت تھی۔ غوری بادشاہوں نے اس شہر کو رونق بخشی۔ اس شہر میں سید جلال الدین سرخ بخاری کا مزار ہے[2] اور اوچ اونچے مقام پر واقع ہے اور نیک لوگ بھی شہر میں موجود ہیں جس کی بناء پر اس قدیم شہر کو اوچ کہا جاتا ہے۔ شیخ جلال الدین سرخ بخاری کی کوششوں سے اوچ اور اس کے اطراف میں اسلام کی خوب اشاعت ہوئی۔ جب سید جلال الدین سرخ بخاری نے اوچ میں قیام فرمایا اور اصلاح احوال و تبلیغ کا کام بڑی مستعدی سے شروع کیا۔ علاقہ اوچ کی اقوام چدہر' ڈہر' سیال اور وارم نے آپ کی

---

1. مفتی غلام سرور لاہوری۔ خزینۃ الاصفیاء' ترجمہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی' مکتبہ نبویہ' لاہور ۱۹۹۰ء' صفحہ ۲۳۰
2. مولانا حامد علی خان۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا' شیخ نیاز احمد' غلام علی اینڈ سنز' لاہور' ۱۹۸۷ء' صفحہ ۶۸

ہدایت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا تھا[1] اور اس بزرگ کے پوتے شیخ جہاں گشت کے ہاتھوں جو قبائل مسلمان ہوئے ان قبائل کی تعداد آٹھ ہے اور ان میں راجپوتوں کا مشہور قبیلہ کھرل بھی شامل ہے[2] نون قبیلہ اور ہندو شیخ جہاں گشت کے ہاتھ پر اسلام کی دولت سے مالامال ہوئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ سید جلال الدین سرخ بخاری اور ان کے خاندان نے اس علاقے میں دینی خدمات انجام دیں جس کی وجہ سے اس علاقے کے کثیر تعداد میں لوگ اسلام کی ابدی حقیقت کو قبول کرتے ہیں۔ ہند کے ان لوگوں کی تعداد کا صحیح علم تو مشکل ہے اس سے یہ ضرور ثابت ہے کہ متاثرہ لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس خاندان کے ایک فرد شیخ راجو قتال کو دیکھنے سے تین سو ہندو مسلمان ہوئے تھے۔ وجیہہ الدین راجو قتال (متوفی ۸۲۷ھ / ۱۴۲۴ء) سے ایک ہندو (دین محمد) صرف گفتگو سنتے ہی مسلمان ہو گیا تھا[3] ان کے ذمہ یہ فریضہ بھی تھا کہ اسلام میں داخل ہونے والے نئے لوگوں کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کریں۔ آپ شیخ جہاں گشت کے چھوٹے بھائی تھے اس خاندان کے تربیت یافتہ لوگ اپنے علاقوں میں پہنچ کر دینِ اسلام کی اشاعت میں بھرپور حصہ لیتے تھے اور ان کے توسل سے لوگ دین اسلام کو علاقے میں جانتے تھے اور اسلام قبول کرتے تھے اور پورے کے پورے قبائل مسلمان ہوتے تھے۔ جیسا کہ نون قبیلہ شیخ جہاں گشت کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا اور خویہ راجپوتوں کا قبیلہ شیخ رکن الدین عالم کے ہاتھ

---

[1] پروفیسر محمد ایوب قادری۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۹۸۷ء، صفحہ ۶۸

[2] علامہ عالم فقری۔ اولیاء اللہ، شبیر برادرز، لاہور، ۱۹۸۷ء، صفحہ ۱۱۸

[3] پروفیسر محمد ایوب قادری۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۱۸۵

پر اسلام قبول کرتا ہے[1] یہ اثرات تھے ان بزرگوں کے جو دیکھے جانے والا اثر سامنے لا رہے تھے۔

گجرات

سندھ کا ایک علاقہ جو اس وقت بھارت ملک میں شامل ہے۔ اس علاقے کا ایک ہندو شیخ جہاں گشت کے ہاتھ پر مسلمان ہوا اور اوچ میں ٹھہر کر تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے بعد اجازت لے کر گجرات واپس اپنے گھر پہنچا اور اپنے گھر والوں کو اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔ اس فریضہ کو انجام دینے میں اس کے گھر والے اور قوم مسلمان ہوئی۔ اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا تھا[2] اس علاقے کا ایک ہندو جس کو اسلام قبول کرنے کے بعد عبدالسلام نام رکھا اور مثل عبداللہ دعا دی اور یوپی کا مشہور قبیلہ راؤ راجپوت بھی شیخ جہاں گشت کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا۔ یہ اثرات سید جلال الدین سرخ بخاری کے خاندان کی تبلیغی و اصلاحی کاوشوں کی بنا پر تھے۔

سندھ

یہ ایک وسیع علاقہ ہے۔ ۱۹۴۷ء میں ہند کی تقسیم کے بعد دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک حصہ پاکستان میں اور دوسرا بھارت (ہندوستان) میں واقع ہے۔ چھٹی صدی ہجری کے پہلے سے لے کر ۱۹۴۷ء کی تقسیم تک سندھ ایک علاقہ تھا۔ اس علاقے پر سہروردیوں کے اثرات بہت نمایاں رہے ہیں۔ اس علاقے میں اسلام تو پہلی صدی ہجری میں پہنچ چکا تھا لیکن سلسلہ سہروردیہ چھٹی صدی ہجری میں پہنچا۔ عرب و عراق کے لوگ

---

[1] شیخ محمد اکرام۔ آبِ کوثر، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۳ء، صفحہ ۲۸۹

[2] پروفیسر محمد ایوب قادری۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۱۶۳

تجارت کی غرض سے سندھ میں بہت پہلے سے پہنچا کرتے تھے۔ سندھ کا پہلا مسلمان حکمران محمد بن قاسم تھا۔ اس وجہ سے بھی مبلغ اور سیاح ہند میں وارد ہوئے۔ بہر صورت چھٹی صدی ہجری کی بڑی موثر شخصیت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی اصلاح احوال اور تبلیغ کے لئے بہت مشہور تھیں۔ ان کے تربیت یافتہ ایک بزرگ شیخ نوح نامی سندھ میں وارد ہوئے اور بکھر کے مقام پر رہائش پذیر ہوئے۔ بکھر ایک قدیم شہر جو موجودہ روہڑی اور سکھر کے درمیان اب بھی ہے لیکن اب پورے شہر کو سکھر کہا جاتا ہے۔ کراچی سے شمال مشرق کی طرف دو سو پچیس میل کے فاصلے پر دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے۔ اس کا پرانا نام بکھر تھا۔ بکھر کا قدیم قلعہ دریائے سندھ میں جزیرے پر اب بھی موجود ہے[1] اس شہر میں شیخ نوح چھٹی صدی ہجری کے آخر میں دعوتِ اسلام کو علاقے میں پہنچا رہے تھے اور بڑے اولیاء میں سے ایک تھے[2] انکی کاوشوں کو تاریخ کی بے اعتنائی کی وجہ سے سامنے لانا مشکل ہے۔ اس علاقے سے کچھ فاصلے پر سیہون شہر ہے۔

سیہون

اب یہ شہر پاکستان کے ضلع دادو میں واقع ہے۔ اس شہر میں قدیم قلعہ ہے۔ اس شہر کو سب سے پہلے مسلمان حکمران محمد بن قاسم نے فتح کیا تھا۔ اس شہر کی بڑی قدر تھی لیکن کلہوڑیوں کے دور سے اس شہر کی اہمیت ختم ہو گئی ہے۔ اس شہر میں شیخ عثمان مروندی کا مزار ہے[3] اس علاقے میں شیخ

---

[1] میر علی شیر۔ تحفۃ الکرام، مطبع فیض عام، ۱۳۰۴ھ، صفحہ ۱۲۵

[2] مولانا حامد علی خان۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، جلد اول، شیخ نیاز احمد، غلام علی اینڈ سنز، کراچی، ۱۹۸۷ء، صفحہ ۸۰۴

[3] مولانا حامد علی خان۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، جلد اول، شیخ نیاز احمد، غلام علی اینڈ سنز، کراچی، ۱۹۸۷ء، صفحہ ۸۰۴

عثمان مروندی بمعروف لعل شہباز قلندر کی بڑی خدمات تھیں۔ سرخ لباس پہننے کی وجہ سے شیخ بہاؤالدین زکریا نے آپ کو لال شہباز کا خطاب دیا تھا۔ آپ شیخ بہاؤالدین زکریا کے خلیفہ اور تربیت یافتہ ساتھی تھے۔ آپ اپنے مرشد کے صاحبزادے شیخ صدرالدین محمد عارف کے ساتھ سندھ کے دوروں پر رہتے تھے اور آخر کار آپ نے سیہون کے مقام میں ٹھہرنا پسند فرمایا اور آپ کی اس شہر میں آمد سے فاحشہ عورتوں نے فحاشی چھوڑ دی تھی اور توبہ کی تھی اور آپ نے عوام الناس کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کے لئے اس کی اصلاح پر بھی توجہ دی تھی[1] اس علاقے میں کفر و عصیاں بہت تھا۔ اس علاقے میں مسلمان موجود تھے لیکن ہندو اور بدھ مت کے پیروؤں کی کثرت تھی۔ اس فضا کو تبدیل کرنے کے لئے سخت کوشش کی ضرورت تھی۔ شہر کو مرکز بنا کر روحانیت کی طرف لوگوں کو بلانا شروع کیا۔ لوگ مسلمان ہوئے اور جو پہلے سے مسلمان تھے وہ اسلام پر پختہ ہوئے اور آپ نے روحانی، اخلاقی، اصلاحی اور تبلیغی مشاغل جاری فرمائے اور اس علاقے میں کچھ فاصلے پر ایک اور شہر جس کو ٹھٹھہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ٹھٹھہ

یہ شہر کراچی سے ساٹھ میل کے فاصلے پر خستہ حالت میں اب بھی موجود ہے۔ کلہوڑو+ دور میں بڑا پر رونق تھا۔ اس شہر میں بھی مکلی قدیم

---

[1] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ

[2] علامہ عالم فقری۔ تذکرہ اولیاء پاکستان، شبیر برادرز، لاہور، ۱۹۸۷ء، صفحہ ۱۵۰

\+ کلہوڑو سندھ کے حکمران اور عوام سہروردی مسلک رکھتے تھے اور نور محمد کلہوڑو نے وفات کے وقت نصیحت کی تھی اور وصیت لکھوائی تھی کہ اس کا ایک حصہ یہ تھا کہ ہمارے بزرگ طریقہ سہروردی پر عامل تھے اگر تم شجرہ پڑھو تو دونوں جہان سے بے نیاز ہو جاؤ۔ نور محمد کا اور لاڈ کا بھی یہی مسلک ہے۔ تذکرہ صدر الدین عارف، صفحہ ۱۵۳

قبرستان ہے۔ اس شہر میں پیر پٹھا دیلی سہروردی قدیم بزرگ ہیں۔ آپ بھی شیخ بہاؤالدین زکریا کے مرید و خلیفہ تھے اور سندھ میں اسلام کی اشاعت میں آپ کی بڑی خدمات ہیں۔ آپ کی توجہ سے کثیر تعداد لوگوں نے ظاہری و باطنی فیض حاصل کیا اور آپ نے پوری کوشش سے عرفان و ہدایت جاری فرمایا[1] معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ہاتھ مسلم اور غیر مسلم دونوں نے فیض حاصل کیا۔ ان علاقوں میں شیخ بہاؤالدین ذکریا، شیخ صدرالدین محمد عارف، شیخ رکن الدین عالم، شیخ سید جلال الدین سرخ بخاری، شیخ جلال الدین جہاں گشت، شیخ راجو قتال، شیخ نوح بھکری، شیخ لعل شہباز قلندر اور شیخ پیر پٹھا کے توسل سے سلسلہ سہروردیہ ان علاقوں میں آگے بڑھا۔ ان علاقوں پر اس کے اثرات مسلم آبادی، ان کے مزارات، مخلوق میں عزت اور ان کی تعلیمات کی شکل میں آج بھی موجود ہے۔

بلوچستان

پاکستان کا صوبہ جس کی سرحد ایران ملک اور افغانستان ملک سے ملی ہوئی ہے۔ اس علاقہ میں پیر لاکھا کو ہندو سے مسلمان شیخ لال شہباز قلندر (متوفی ۶۷۳ھ / ۱۲۷۴ء) نے کیا اور تربیت کی اور خواجہ یحیٰی کبیر (متوفی ۷۰۷ھ / ۱۳۰۴ء) جو قبیلہ غرشئی سے تعلق رکھتے تھے اور شیخ جہاں گشت کے تربیت یافتہ تھے۔ ان کا فیض کثرت سے لوگوں کو پہنچا اور دینِ اسلام کی تبلیغ کی اور رشد و ہدایت کے لئے مخلوق کا بہترین ذریعہ ثابت ہوئے[2] خواجہ یحیٰی کبیر کے خاندان اور درگاہ کے خادماں میں کئی صاحب ولایت بزرگ

[1] علامہ عالم فقری۔ تذکرہ اولیاء پاکستان، شبیر برادرز، لاہور، ۱۹۹۰ء، صفحہ ۲۵۵
[2] ڈاکٹر انعام الحق کوثر۔ تذکرۂ صوفیائے بلوچستان، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۶ء، صفحہ ۲۵

بزرگ تھے۔ یہ لوگ عبادت و ریاضت کرتے اور مخلوق خدا کی خدمت بجا لاتے۔ علاقہ کوہستان کوہ سلیمان پہاڑ پر شیخ حسن افغان (متوفی ۶۸۹ھ / ۱۲۹۰ء) رہتے تھے۔ آپ شیخ بہاؤالدین زکریا کے تربیت یافتہ ہیں۔ اس مرید کے لئے شیخ بہاؤالدین زکریا فرمایا کرتے کہ اللہ قیامت کے دن مجھ سے دریافت فرمائے گا کہ زکریا ہمارے لئے کیا کمائی لائے ہو تو میں اللہ کی بارگاہ میں عرض کروں گا کہ حسن افغان کو لایا ہوں[1] اس علاقے میں تبلیغِ دین کو اس انداز میں انجام دیا کہ کثیر تعداد میں لوگ فیض یاب ہوئے اور آپ کے مریدوں اور خلفا کی تعداد فیض یاب ہوئے اور آپ کے مریدوں اور خلفا کی تعداد ایک لاکھ تین سو ساٹھ تھی[2] معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اثرات زیادہ تھے۔ علاقہ میں انسانی آبادی بنسبت دوسرے علاقوں کے اس علاقے کی کم رہی ہے اور ان میں ایک لاکھ تین سو ساٹھ خلفا و مریدین کا کثیر تعداد میں ہونا ان کی تبلیغی جدوجہد کا بہترین ثمرہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ علاقہ بلوچستان میں ساحلِ سمندر مکران کے علاقے میں شیخ سلطان التارکین حمیدالدین حاکم (متوفی ۷۳۷ھ / ۱۳۳۶ء) نے مکران میں بڑے انہماک کے ساتھ دین اسلام کی تبلیغ کی۔ اور سلسلہ سہروردیہ کو علاقہ میں پہنچایا آپ شیخ بہاؤالدین زکریا اور شیخ صدرالدین محمد عارف کے تربیت یافتہ تھے لیکن روحانی نسبت شیخ رکن الدین عالم ملتانی سے قائم کی جب کہ وہ ابھی شیر خوارگی کے عالم میں تھے[3] آپ نے بلوچستان میں جو خدمات انجام دیں اس کے توسل سے

[1] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۵۵
[2] ڈاکٹر انعام الحق کوثر۔ تذکرۂ صوفیائے بلوچستان، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۶ء، صفحہ ۲۵
[3] مولانا نور احمد خان فریدی، تذکرہ شاہ رکن عالم ملتانی، زائشر کالونی، ملتان، ۱۳۸۰ھ، ص ۲۱

مکران میں آپ کے باعث متعدد قبائل جو ہندو مت رکھتے تھے دینِ اسلام کو قبول کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے[۱] یہ ان کی کاوشوں کے ثمرات ہیں۔ بلوچستان سندھ سے ملا ہوا علاقہ ہے۔ اس علاقے کے سہروردی بزرگ علاقے بھر میں رشد و ہدایت اور علم و عمل کی ترویج کے لئے گراں قدر فریضہ انجام دیتے رہے اور ہندو قبائل ان کے توسط سے مسلمان ہوتے رہے۔ اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے دوسرے علاقوں کی طرح بلوچستان علاقے میں بھی اسلام کی زیادہ تر اشاعت صوفیائے کرام اور ان بزرگوں کے ہاتھوں ہوئی۔ ان صوفیا کرام کے اثرات کو دیکھنے کے لئے آج بھی ان عروس کو سالانہ تقریب کی صورت میں جو منعقد ہوتی ہیں دیکھا جا سکتا ہے۔ ہر سال ہزاروں عقیدت مندوں کی تعداد میں براہوی، بلوچ اور پٹھان ان بزرگوں کے مزاروں پر عرس کے موقع حاضری دے کر محبت و اخوت کا درس حاصل کرتے ہیں اور یوں ان بزرگوں کے واسطے سے ان تمام علاقوں کے عوام میں ایک نہ ٹوٹنے والا رشتہ قائم ہو گیا ہے۔ اس علاقے کے علاوہ پنجاب کے علاقے میں سلسلہ سہروردیہ کے بزرگوں نے بہت پہلے اسلام کی اشاعت اور رشد و ہدایت کے لئے خدمات انجام دینا شروع کر دی تھیں اور ان خدمات کے اثرات بڑے نمایاں قائم ہوئے۔ شیخ سید احمد توختہ (متوفی ۶۵۲ھ) لاہور کے مقام پر رہائش رکھتے تھے۔

لاہور

لاہور پاکستان کا قدیم مشہور شہر اور صوبہ پنجاب کا دارالحکومت ہے۔ دریائے راوی کے کنارے آباد ہے۔ اس کی بنیاد رام چندر کے لڑکے لوہ کے

[۱] ڈاکٹر انعام الحق کوثر۔ تذکرۂ صوفیائے بلوچستان، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۶ء، صفحہ ۱۳۰

نام سے لاہور پڑی۔ سلطان محمود غزنوی نے اس کو فتح کیا تھا۔ اس شہر میں شیخ میاں میر، مادھو لال حسین، پیر مکی اور شیخ علی ہجویری کے مزارات ہیں۔ اس شہر کو پاکستان کا دل کہا جاتا ہے[۱] اس شہر میں شیخ سید احمد توختہ نے دین اسلام کی اشاعت کا فریضہ انجام دیا اور رشد و ہدایت کے لئے مسلسل کام کیا جس سے ہزاروں طالبانِ حق کی راہنمائی فرماتے رہے۔ کثیر خلق کو راہِ ہدایت پر لائے اور فیضانِ روحانیت سے مالا مال کیا[۲] آپ سے بڑی تعداد میں لوگوں نے اکتسابِ فیض کیا۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کی تفریق نہ تھی۔ لاہور کے علاقے میں ہانڈو گاؤں کا نمبردار رامون ہندو شیخ عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی (متوفی ۹۱۰ھ / ۱۵۰۴ء) سے متاثر ہو کر خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرتا ہے[۳] اور مرید ہو جاتا ہے۔ اس طرح لاہور کے علاقے میں شیخ بدر سجستانی سہروردی تھے جو شیخ بہاؤالدین زکریا کے فیض یافتہ اور خلیفہ تھے۔ آپ کے پاس ہر وقت لوگوں کا ہجوم لگا رہتا تھا۔ ارد گرد جمع ہو کر آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے تھے[۴] اور اس علاقے میں شیخ سید اسحاق گارزونی سہروردی (متوفی ۶۸۶ھ / ۱۲۸۴ء) تھے۔ آپ کی خدمت میں جو فرد حاضر ہوتا راہِ ہدایت سے سرفراز ہو جاتا تھا[۵] ان کے علاوہ لاہور ہی میں شیخ

[۱] مولانا حامد علی خان۔ اردو جامع انسائیکلو پیڈیا، شیخ نیاز احمد، غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۷ء، صفحہ ۱۳۱۵

[۲] مفتی غلام سرور لاہوری۔ خزینۃ الاصفیاء، ترجمہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ، لاہور، ۱۹۹۰ء، صفحہ ۱۹۸

[۳] پیر غلام دستگیر نامی۔ بزرگان لاہور، نوری بک ڈپو، لاہور، ۱۹۶۶ء، صفحہ ۱۲۴

[۴] محمد دین کلیم۔ مدینۃ الاولیاء، المعارف گنج بخش روڈ، لاہور، ۱۹۷۶ء، صفحہ ۳۲۱

[۵] ایضاً۔ صفحہ ۳۲۵

میراں موجِ دریا بخاری (متوفی ۱۰۱۳ھ / ۱۶۰۴ء) بڑے علم و فضل والے بزرگ تھے۔ دین اسلام کو پیش کرنے کا منفرد انداز کے حائل تھے۔ آپ کو بے پناہ شہرت حاصل ہوئی اور آپ کے حلقہ ارادت میں کثیر تعداد میں لوگ داخل ہوئے اور آپ کے فیض سے سیراب ہوئے۔[1] ان پاکیزہ ہستیوں نے اپنے زہد و تقویٰ اور خلوص و محبت سے غیر مسلموں کے دل کو مسخر کیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاہور اور گرد و نواح میں بسنے والے لوگوں نے اپنی رضا و رغبت سے دینِ اسلام کی دولت کو قبول کیا۔ ان کے اثرات ایک تاریخی حیثیت ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں اسلام کو جو فروغ ملا ہے وہ ان بزرگ ہستیوں کی تبلیغی و تجدیدی مساعی کی بدولت ملا ہے۔ اس سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اب بھی نفاذ دین کے لئے اور تطہیر معاشرہ کے لئے اسلام کی روحانی اقدار اور تعلیمات کو فروغ دیا جائے۔ ان کے ہاتھ میں تلوار اور اقتدار نہ تھا لیکن علاقے کے لوگ ان کی شخصیت سے متاثر ہوئے۔ اسی شخصیت اور اس کے نکھار کو اب بھی سامنے لانے کی ضرورت ہے۔

پنجاب

پاکستان کے ایک صوبہ کا نام ہے لیکن اس کا ایک حصہ مشرقی پنجاب کے نام سے بھارت ملک میں بھی موجود ہے۔ اس کا کُل رقبہ ۷۹۲۸۴ مربع میل پر مشتمل ہے۔ آبادی کے لحاظ سے پاکستان کا بڑا صوبہ ہے۔ اس علاقے میں پانچ دریا بہتے ہیں اور فارسی میں اس کو پنج آب سے پنجاب بنایا گیا ہے۔ اس علاقے میں پہاڑ، ریگستان، زرعی زمین، جنگلات اور دریا موجود ہیں۔ انتظامی لحاظ سے یہ صوبہ پانچ قسموں یعنی بہاولپور، راولپنڈی، سرگودھا، ملتان اور

[1] علامہ عالم فقیری۔ اولیاء اللہ، شبیر برادرز، لاہور، ۱۹۹۰ء، صفحہ ۲۶۳

لاہور میں بنا ہوا ہے۔[1] اس علاقے کے ساتھ کشمیر کا علاقہ ملا ہوا ہے۔ ہند کے اس علاقے میں اسلام اور سلاسل دیر سے پہنچے ہیں۔ یہ علاقہ بزرگانِ دین کے قدم سے اس وقت بابرکت ہوا جب کشمیر میں سب سے پہلے سہروردی بزرگ شیخ شرف الدین بلبل شاہ تشریف فرما ہوئے۔

کشمیر

اس کا عرض خطِ استوا سے پینتیس درجے دور ہے۔ اس علاقے میں عہدِ قدیم سے راجاؤں کا تصرف تھا۔ جنہوں نے چار ہزار سال تک حکومت کی۔ آخری راجہ رنچن دیو تھا جو شروع میں مسلمان ہوا اور اس کا نام صدر الدین (متوفی ۷۲۷ھ) رکھا گیا۔ ۷۱۲ھ میں یہ خطہ اسلام کے نور سے منور ہوا چونکہ میوہ ہائے دل پسند اور گل ہائے رنگ برنگ سے آراستہ ہے اس لئے اس کو کشمیر جنت نظیر کہا گیا ہے۔[2] کشمیر کی وجہ تسمیہ کچھ اس طرح بھی بیان کی گئی ہے کہ راجہ کا نام کشپ رستی تھا وہ کشپ رسی سے کاش مر مشہور ہوا جو آگے چل کر کشمیر کی صورت اختیار کر گیا۔ ایک تیسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ تارک الدنیا شخص کشپ رشی تھا جس نے پہاڑ کاٹ کر کشمیر کے پانی کی نکاسی کی تھی۔ اس طرح دریائے جہلم وجود میں آیا۔ ابتداء میں جو لوگ اس علاقے میں آباد ہوئے انہوں نے اس علاقے کو کشپ رشی کی طرف منسوب کر دیا جو ارتقاء مراحل طے کرنے کے بعد کشمیر کی شکل اختیار

[1] مولانا حامد علی خان۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، شیخ نیاز احمد، غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۷ء، صفحہ ۳۳۸

[2] شیخ عبد الرحمٰن۔ مرآۃ الاسرار، ترجمہ کپتان واحد بخش سیال، اتحاد المسلمین، لاہور، ۱۴۱۲ھ، صفحہ ۱۰۳۲

کر گیا[1] اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ کشمیر کا نام پہاڑی قبیلہ کش سے نکلا ہو گا اور کش کو پائین جہلم وادی میں بسنے والے کھسوں سے مطابقت دی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ کشمیر کا نام کشپ مر سے نکلا ہے جس کا معنی کشپ کا گھر ہے[2] اس کو بعد میں کشمیر کہا گیا ہے۔ اس علاقے کا کل رقبہ دو ہزار مربع میل ہے اس کی لمبائی ۹۰ میل ہے اور چوڑائی پچیس میل ہے۔ اس خطہ کو خوشگوار و صحت افزاء آب و ہوا، کھیتوں اور جنگلوں کے رنگارنگ مناظر، حسین و عالی شان پہاڑ، مسحور کن حسن فطرت نے عالم گیر شہرت حاصل کی۔ اس علاقے میں شیخ مشرف الدین بلبل شاہ کی خدمات بڑی وسیع پیمانے پر دیکھی جاسکتی ہیں۔ ان کے اثرات بڑے واضح تھے۔ ان کی سعی و تبلیغ سے رنجو دیو (کشمیر کا راجہ) کے گھر والے، درباری اور عامہ خلائق گروہ در گروہ اس بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یوں دس ہزار کشمیری اس بزرگ کے ہاتھوں پر مشرف بہ اسلام ہوئے[3] معلوم ہوتا ہے کہ مشیت ایزدی نے کشمیر جنت نظیر میں بلبل شاہ کے توسل سے لا الہ الا اللہ کی صداؤں کو پہنچانے کا بندوبست فرمایا۔ اس ابتدائی کاوش سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس بزرگ کے اثرات سے ہر طبقہ کے افراد متاثر ہوئے اور دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر کے کامیاب مبلغ شیخ بلبل شاہ ثابت ہوئے۔ آپ سے کشمیر کا علاقہ اسلام کی ابدی حقیقت سے متعارف ہوا۔ اس علاقے کے ایک اور بزرگ شیخ محمد قاسم سہروردی نے شیخ نصیب

---

[1] عباس احمد آزاد۔ عالمی سامراج اور کشمیر، نوکس بک سینٹر، چندریگر روڈ، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۶۵

[2] ڈاکٹر صابر آفاقی۔ تاریخ کشمیر اسلامی عہد میں، سنگِ میل پبلیشرز، لاہور، ۱۹۸۴ء، صفحہ ۱۰

[3] ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر، سید میر علی ہمدانی، گلشن پبلشرز، سری نگر، کشمیر ۱۹۹۴ء، صفحہ ۱۲۵

الدین سہروردی سے خلافت و اجازت حاصل کی اور عوام پر فیوض و برکات عام کیے اور ارشاد و ہدایت کی مسند پر بیٹھ کر اللہ کی مخلوق کی خدمات کا فریضہ انجام دیا۔ آپ نے سلسلہ سہروردیہ سے فیض حاصل کیا اور خانباز گاؤں میں قیام کیا اور مخلوقِ خدا پر ہدایت اور ارشاد کے دروازے کھول دیئے[1] ان اثرات کو دیکھا جائے کہ بغیر کسی جبر و اکراہ کے اسلام قبول کرنے والے لوگ آج بھی کشمیر میں موجود ہیں۔ یقیناً یہ مہر و محبت کا پیغام تھا جس پر آج تک لوگ قائم ہیں اور ان اثرات سے معلوم ہوتا ہے کہ مستقبل میں اس علاقے کے لوگ استقامت سے جمے رہیں گے۔ اس علاقے سے کچھ فاصلے پر ہند کا مشہور شہر دہلی ہے۔

دہلی

دریائے جمنا کے کنارے آباد شہر ۶۰۸ھ / ۱۲۱۱ء سے ۱۸۵۸ء تک شمالی ہند کے شاہی خاندانوں کا پایۂ تخت رہا ہے۔ ۱۹۱۱ء سے برطانیہ نے اپنا مرکز بنایا اور ۱۹۴۷ء سے بھارت کا دارالحکومت ہے۔ قرنوں بعد چار سو چالیس بکرمی میں راجہ اننگ پال ترنور نے اندر پرت کے نزدیک ڈلی شہر آباد کیا[2] اس علاقے کے ایک بزرگ شیخ سید نورالدین مبارک غزنوی (متوفی ۶۳۲ھ / ۱۲۳۴ء) سے عوام و خواص متاثر تھے۔ مشکل اوقات میں آپ سے رجوع کیا جاتا تھا۔ بارش نہ ہونے پر لوگوں نے آپ کو پکڑ لیا۔ دعا کیجیے۔ آپ نے دعا فرمائی خوب بارش ہوئی[3] آپ کے تعلق باللہ سے لوگ

---

[1] مفتی غلام سرور لاہوری۔ خزینۃ الاصفیاء، ترجمہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ، لاہور ۱۹۹۰ء، صفحہ ۳۵۰

[2] سید قاسم محمود۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی ۱۹۸۴ء، صفحہ ۸۷۷

[3] شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، سن ندارد، صفحہ ٦٦

واقف تھے۔ اسی بناء پر آپ کی خدمت میں اپنی حاجات پیش کرتے تھے اس شہر میں ایک اور بزرگ قاضی حمید الدین ناگوری (متوفی ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء) شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے خلیفہ تھے دہلی میں خشک سالی کی وجہ سے قحط پڑ گیا۔ سلطان شمس الدین التتمش نے قاضی حمید الدین ناگوری سے استدعا کی۔ آپ نے فرمایا، مجلس سماع منعقد کرو۔ جب حسبِ تعمیل حکم ہوا۔ مجلس سماع گرم ہوئی۔ بارش ہونے لگی[۱] معلوم ہوتا ہے کہ وقت کا بادشاہ آپ سے متاثر تھا اور اپنی حاجات کے لئے آپ سے رجوع کرتا تھا۔ شیخ حمید الدین ناگوری صاحب تصانیف بزرگ تھے۔

ناگور

راجہ پتھورا نے اپنے ایک افسر سے نیا شہر بسایا تھا جس کا ابتداء میں نام نوانگر تھا اور شہاب الدین محمد غوری کی فوجوں نے اس شہر کو فتح کیا تو اس کی ترک فوجوں کے زمانہ میں نوانگر لفظ ناگور بن گیا[۲] اب بھی بھارت ملک میں یہ شہر موجود ہے۔ شیخ حمید الدین ناگوری اپنے والد کی وفات کے بعد ناگور میں حکومت کی طرف سے قاضی کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ اسی بناء پر آپ کو ناگوری کہا جاتا ہے۔ حالانکہ آپ دہلی میں رہے ہیں اور قبر بھی دہلی میں ہے۔ اس بزرگ کے صرف تین خلیفہ و مرید تھے۔ آپ نے زیادہ لوگوں کو مرید نہیں کیا لیکن یہ اپنے علاقوں میں بہت اثر رکھتے تھے اور ہر ایک ان میں سے صاحبِ کشف و کرامت اور عارف باللہ تھا۔ وہ شیخ احمد نہروالی،

۱۔ شیخ عبدالرحمٰن چشتی۔ مراۃ الاسرار، ترجمہ کپتان واحد بخش سیال، بزم اتحاد المسلمین، لاہور، ۱۴۱۲ھ، صفحہ ۷۲۹

۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، سن ندارد، صفحہ ۵۹

شیخ حسن رس تاب معروف شاہی موئے اور شیخ عین الدین قصاب تھے اور آپ کے لڑکے جن کا نام شیخ ناصح الدین تھا وہ آپ کے بعد مسندِ ارشاد پر بیٹھے اور مریدین کی تربیت میں مشغول ہوئے[۱] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم لوگ آپ سے فیض حاصل کرتے ہیں لیکن ان فیض یافتہ لوگوں کے توسل سے دین اسلام کی اشاعت کی خدمات انجام دیں۔ دہلی میں شیخ ترک بیابانی (متوفی ۷۷۱ھ) شیخ مولانا مجد الدین حاجی (متوفی ۶۲۳ھ) شیخ محمود موئینہ دوز (متوفی ۶۵۵ھ) شیخ صلاح الدین درویش (متوفی ۷۴۹ھ) شیخ فرید الدین ناگوری (متوفی ۷۱۹ھ) شیخ عثمان سیاح (متوفی ۷۵۸ھ) شیخ سخائی (متوفی ۹۷۵ھ) اور شیخ فتح اللہ اودھی[۲] (متوفی ندارد) یہ سب سہروردی بزرگ عوام و خواص میں مقبول رہے اور ان کی تعلیمات سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور ان کے علم و فضل سے فیضیاب ہوئے۔ اس علاقے کے علاوہ ایک بڑا علاقہ بہار کے نام سے ہند میں موجود ہے۔ اس علاقے میں سہروردیہ کے اثرات بھی ملتے ہیں۔

بہار

ملک بھارت کے شمال مشرقی علاقہ میں ایک ریاست کا نام ہے۔ اب بھارت کا یہ ایک صوبہ ہے اور اس کا صوبائی دارالحکومت پٹنہ ہے۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں یہ مگدھ سلطنت کا مرکز اور بدھ مت اور جین مت کی ابتدائی ترقی کا گہوارہ تھا۔ یہ شہر علم و فضل کا مرکز رہا ہے۔ زرعی ہے اور دریائے گنگا سے

۱۔ شیخ عبدالرحمٰن چشتی۔ مراۃ الاسرار، ترجمہ کپتان واحد بخش سیال، بزم اتحاد المسلمین، لاہور، ۱۴۱۲ھ، صفحہ ۷۲۹

۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، سن ندارد، صفحہ ۱۶۸

سیراب ہوتا ہے۔ تانبا، لوہا، کوئلہ اور ابرق یہاں کی معدنی دولت ہے[1] اس علاقے میں شیخ شہاب الدین معروف شیخ جگجوت (متوفی ۶۶۶ھ) اوائل میں تشریف لے گئے۔ آپ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے مرید و خلیفہ تھے۔ شیخ شاہ شرف الدین یحییٰ منیری کے حقیقی نانا تھے۔ شیخ جگجوت کی صاحبزادی بی بی رضیہ جس کی تربیت دینی معاملات میں بہت اچھی ہوئی تھی شیخ یحییٰ منیری سے عقد ہوا تھا۔ انہی کے بطن سے شیخ شرف الدین یحییٰ منیری پیدا ہوئے۔ شیخ جگجوت مزار کچی قبر کی صورت میں دریائے گنگا کے کنارے پٹنہ سے بہار شہر کو جانے والی سڑک پر کچی درگاہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس قصبہ کو جھٹلی بھی کہا جاتا تھا۔ اس مقام پر اقامت اختیار کی اور رشد و ہدایت خلق میں مشغول ہوئے[2] اس معلومات سے علم ہوتا ہے کہ دین اسلام کو پھیلانے میں آپ اور آپ کے گھرانے نے ایک مقام پیدا کیا جو علاقے کے لوگوں میں آج بھی قائم ہے۔ یہ اوائل کے سہروردی بزرگ تاریخ کی بے اعتنائی کی وجہ سے ان کا کام سامنے نہیں آسکا لیکن علاقے میں آٹھ سو سال گزر جانے کے باوجود ہر فرد آپ کی ذات سے واقف ہے۔ یہ ان کے اثرات کا نتیجہ ہے۔ بہار کے علاوہ قریب کا علاقہ بنگال ہے جس میں سلسلہ سہروردیہ کے اثرات پائے جاتے ہیں۔

بنگال

ہند کا ایک علاقہ جو ۱۹۴۷ء میں تقسیم کے وقت ایک حصہ جغرافیائی

[1] مولانا حامد علی خان۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، شیخ نیاز احمد، غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۷ء، صفحہ ۷۲۵

[2] شاہ مراد اللہ منیری۔ آثارِ منیر، مطبوعہ برقی مشین پریس، بانگی پور، پٹنہ، بھارت، ۱۹۴۸ء، صفحہ ۱۱

اعتبار سے مشرقی پاکستان بنا اور ایک حصہ جغرافیائی اعتبار سے بھارت ملک میں بنگال کے نام سے تھا۔ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کا نام بنگلہ دیش رکھا گیا ہے۔ بنگال لفظ بنگا سے نکلا ہے جو اس علاقے میں آباد ایک غیر آریائی قوم کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ پال اور سین راجاؤں کے عہد میں دریائے گنگا کے ڈیلٹا کو بنگالہ کہا جاتا تھا۔ سین راجہ کے دورِ اقتدار میں سلطان قطب الدین ایبک کے سپہ سالار اختیار الدین محمد نے علاقے پر قبضہ کر کے مسلمانوں کا اقتدار قائم کیا تھا۔ یہ علاقہ بارشوں، سیلابوں اور طوفانوں کی سرزمین ہے۔ یہ علاقہ مسلمانوں نے ۱۱۹۹ء سے ۱۲۰۱ء تک فتح کر لیا تھا[1] اس علاقے میں شیخ جلال الدین تبریزی (متوفی ۶۴۱ھ) اس وقت وارد ہوئے جب دہلی پر سلطان شمس الدین التمش (متوفی ۶۳۳ھ / ۱۲۳۶ء) کا اقتدار تھا۔ آپ دہلی سے بدایوں اور بدایوں سے بنگال تشریف لے گئے اور وہاں دیو محل ایک مقام ہے اس جگہ آپ نے قیام کے دوران خانقاہ بنوائی، لنگر جاری کیا۔ زمین اور باغات خرید کر وقف کئے۔ وہاں کے ایک بُت خانہ کو مسمار کر کے اپنا تکیہ بنایا۔ بہت سے کافروں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ بہت مخلوق خدا آپ کی طرف متوجہ ہوئی اور مرید ہونے لگی[2] گو کہ سہروردی بزرگ بنگال میں یہ پہلے تھے لیکن دینِ اسلام کی ترویج اور لوگوں کے اندر آپ کی کوشش کی بنا پر بڑے کامیاب بزرگ تھے۔ آپ کے اثرات کی وجہ سے بے شمار لوگ اسلام کی دولت سے مالا مال ہو گئے تھے۔ یہ اثرات اس وجہ سے بھی نمایاں ہوئے کہ وہاں آپ نے ایک مندر میں روزانہ رات کو ایک نوجوان جو دیو کے

[1] سید قاسم محمود۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی ۱۹۸۴ء، صفحہ ۳۶۵

[2] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۲۵

لئے بھیجا جاتا تھا اس نوجوان کو چاپا تھا جو دیو کھا جایا کرتا تھا[1] دراصل مندر کے اندر کوئی پجاری علاقے میں دہشت قائم رکھنے کے لئے عوام اور راجہ کو متاثر کرنے کے لئے رہتا تھا جو ہر رات پہنچنے والے نوجوان کو ہلاک کر کے اس کی لاش کو غائب کر دیتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مندروں کے اندر یہ انسانی قربانی کا رواج تھا۔ اس دیو نامی پجاری کو شیخ جلال الدین تبریزی نے ہلاک کر دیا تھا جس کو راجہ نے اور عوام نے دیکھا اور یوں شیخ جلال الدین تبریزی کے اثرات پھیلے اور دین اسلام کی علاقہ بھر میں خوب اشاعت ہوئی۔ اس علاقے میں کچھ عرصہ بعد شیخ جلال سلہٹی (متوفی ۷۴۰ھ) سہروردی وارد ہوئے ہیں جنہوں نے دین اسلام کی اشاعت کے بہترین کارنامے انجام دیئے۔ اس بزرگ کا خاص مشفقانہ طرزِ عمل اور سچائی کی کشش صادقہ کفار کو اپنی طرف بڑے عمدہ طریقہ سے متوجہ کرتی تھی جس سے کفار کو اسلام قبول کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ سید جلال سلہٹی بھی سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ تھے جنہوں نے اسی نہج پر پہنچ کر اسامیوں اور بنگالیوں کی تربیت کی جس کی وجہ سے لوگ صدقِ دل سے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ اور آپ نے چند مقام پر سلہٹ' لاتو' ہاپچیہ' ٹیلہ اور ہمنگ ٹیلہ پر اپنے ساتھیوں کو آباد کر کے اسلام کی اشاعت کے لئے اسلام کے روحانی مراکز قائم فرمائے[2] آج بھی علاقے میں ان کی عوام میں چاہت اس بات کا ثبوت ہے کہ لوگ آپ سے محبت کرتے ہیں۔ ایک عرصۂ دراز گزر جانے کے باوجود آپ کو یاد کیا جا رہا ہے اور اس وقت بنگلہ دیش جو ۱۹۷۱ء میں نئے ملک کے نام سے وجود میں آیا اس میں سب سے بلند گنبد کی

[1] شیخ محمد اکرام۔ آب کوثر' ادارۂ ثقافت اسلامیہ' لاہور' ۱۹۹۲ء' صفحہ ۱۔۳

[2] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان' جلد اول' قصر الادب' رائٹر کالونی' ملتان' ۱۹۷۲ء' صفحہ ۱۵۲

عمارت مقابر میں وہ آپ کا مقبرہ ہے۔

اس علاقے میں سید جلال الدین سہروردی کے پہنچنے کا ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ سید جلال سہروردی' سید احمد کبیر بخاری سہروردی کے بھانجے اور مرید و خلیفہ ہیں۔ اپنے مرشد کے حکم کے مطابق تیس سال حجرے میں عبادت کی۔ اس کے بعد مرشد نے جہاد کی غرض سے بنگال جانے کا حکم دیا۔ مرشد نے تلواریں مہیا کیں اور کئی افراد ساتھ دیئے جن کی تعداد سات سو تھی۔ جو سلوک و معرفت کی منازل طے کر چکے تھے۔ مرشد نے ان کو روانہ کرتے وقت فرمایا بنگال پہنچ کر خلقِ خدا کو اللہ تعالیٰ کے احکامات پر چلانے کی کوشش کرنا اور تلوار کو بغیر ضرورت کے استعمال نہ کرنا۔ یہ قافلہ جو شہر فتح کرتا سید جلال اپنے ایک ساتھی کو اس شہر کا نظام سنبھالنے کے لئے روک دیتے اور کچھ ساتھی اس کے ساتھ کر دیتے اور خود آگے بڑھ جاتے۔ اس دوران سلطان شمس الدین کے مسلمان لشکریوں کو راجہ گوڑ گوبند نے میدانِ جنگ میں شکست دی تھی۔ اسی وقت برہان الدین نامی آدمی اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کو لے کر سلطان شمس الدین کے پاس پہنچا۔ فریاد کی اور گوڑ گوبند کے ظلم و ستم کو بیان کیا۔ اس کی سرکوبی کے لئے سلطان نے اپنے بھانجے سکندر کو اس مہم پر روانہ کیا۔ سلطان سکندر نے اس مہم کو اس طرح شروع کیا کہ وہ سید جلال کی خدمت میں حاضر ہو کر دُعا اور مدد کا طالب ہوا۔ آپ نے دُعا کی اور فرمایا کہ اس راہ کا جو جادو مشہور ہے اب وہ بھی اثر نہیں کرے گا۔ میں اور میرے ساتھی آپ کے لشکر کے ساتھ شامل ہو کر گوڑ گوبند اور اس کی فوج سے لڑیں گے۔ اس میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی[1] اس سے بہت باتیں سامنے آتی ہیں۔ سہروردی عبادت میں

[1] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان' جلد اول' قصر الادب' رائٹر کالونی' ملتان' ۱۹۷۲ء' صفحہ ۱۵۱

کمال حاصل کرتے تھے، سہروردی جہاد میں خوب حصہ لیتے تھے جو اسلام کا چھٹار کن ہے۔ دوسرے علاقوں میں پہنچ کر دینِ اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔ دوسرے علاقوں کو کفر سے معاشرے کو پاک کرنے اور نیکی کی ترویج کے لئے رہائش پذیر ہو جاتے۔ اسی وجہ سے سید جلال اور ان کے ساتھیوں نے اوچ کو چھوڑ دیا تھا اور اس بات کا علم ہوتا ہے کہ بادشاہوں پر بڑے اچھے اثرات تھے۔ تب ہی سید جلال نے سلطان سکندر کی دُعا اور عملی مدد کی۔ اس وقت کے حکمران اولیاء عظام سے عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ سید جلال الدین تبریزی اور سید جلال سلہٹی دونوں بنگال کی بڑی نمایاں شخصیات ہیں۔ ان کے اثرات علاقے میں اس لئے پھیلے کہ علاقے کے راجاؤں اور عوام کو اسلام کی اَبدی روشنی سے ہمکنار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو کلمۃ اللہ پڑھایا۔ اس وجہ سے بنگال کے بڑے کامیاب بزرگ تھے۔ اس کے بعد علاقہ دکن کو دیکھیں تو اس علاقہ میں بابا شرف الدین عراقی ساتویں صدی ہجری میں تشریف لائے۔ آپ نے کثیر تعداد میں ہندوؤں کو اسلام کی دولت سے نوازا۔ دکن حیدر آباد شہر کے پاس ایک پہاڑی ہے جس پر آپ نے عبادت کے لئے سکونت اختیار فرمائی تھی۔ اس پہاڑی پر آپ سے ملنے کے لئے اکثر ہندو اور علاقے کے لوگ آتے۔ آپ ان کو اپنے کھانے میں شریک کرتے، تعلیمات سے ہمکنار کرتے، بیماروں کو دُعا دیتے۔ اسی پہاڑی پر جو شہر کے مغرب کی جانب اب بچی آبادی سے کوئی دو میل کے فاصلے پر ہے اس پر مزار ہے اور ۶۸۷ھ میں فوت ہوئے[1] علاقے کے عوام پر آپ کے اثرات بڑے مؤثر تھے۔ ان کے علاوہ صوبہ سرحد میں مختلف اوقات میں بزرگانِ دین اسلام کی اشاعت میں سرگرداں

---

[1] شیخ محمد اکرام۔ آبِ کوثر، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۳۶۲

رہے۔ ان میں سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ جنھوں نے اپنے اخلاق سے علاقے پر اثرات مرتب کئے آپ علاقہ کوہاٹ میں دسویں صدی ہجری کے آخر میں کسی وقت فوت ہوئے ہیں[1] وہ اس بات پر متحکم تھے کہ ہندوں پر خدا کا حق یہ ہے کہ اس کی نہایت درجہ تعظیم کی جائے۔ اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو اور اپنی ذات اور اپنے دل کو اللہ کے حوالے کر دیا جائے[2] توحید پر مشتمل اثرات تھے۔ برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی ترویج و اشاعت سے جو لوگ متاثر ہوئے ان میں راجہ، جوگی، سنیاسی، پروہت اور عام عوام تھی۔ ان سب طبقوں میں عام اور دانشور دونوں قسم کے طبقات اثر قبول کرتے ہیں۔ ان میں عوام کی تعداد زیادہ نظر آتی ہے اور اس بناء پر یہ بات کہہ دی جاتی ہے کہ عوام غریب الحال اور مفلس تھی اس وجہ سے اس نے اسلام کے اثرات کو دل سے گلے لگایا اور ہند کی عوام میں ایک مشہور طبقہ تو مکمل تباہ حال تھا۔ اس کو قابلِ نفرت مذہبی اور سماجی لحاظ سے بنا دیا گیا تھا۔ وہ مساوی حقوق اور عزت و احترام اسلام میں محفوظ سمجھتے ہوئے اسلام کی طرف راغب ہو گیا تھا۔ یہ سب باتیں انسانی ذہن میں آسکتی ہیں۔ دراصل عوام زیادہ ہوتی ہے ان میں ہزاروں لوگ اسلام قبول کریں تو یہی بات سامنے آئے گی کہ زیادہ لوگوں نے اسلام قبول کیا لیکن راجے علاقے میں اور دانشور و جوگی علاقے میں کم ہوتے ہیں وہ اسلام قبول کریں تو تعداد اور ریشو کے لحاظ سے مساوی رہیں گے۔ اسلامی اثرات کو قبول کرنیوالے عوام اور راجاؤں کو ذیل کے چارٹ اور بزرگ کے حوالے سے ملاحظہ کریں۔

---

[1] سید قاسم محمود۔ ماہنامہ سائنس میگزین، شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی ۱۹۹۴ء، صفحہ ۵۲

[2] شاہ ولی اللہ۔ حجۃ اللہ البالغہ، ترجمہ عبدالحق حقانی، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۸۱ء، صفحہ ۱۴۲

نمبر شمار	نام بزرگ	متوفی	نام راجہ	علاقہ	قبائل و عوام	مسلم حکمران جن سے تعلقات تھے
۱۔	شیخ سلطان سخی سرور	۵۷۷ھ		ملتان وزیر آباد	کثرت سے ہندو عوام	حاکم ملتان کہیو خاں، نمبردار جوندا، نمبردار عمر بخش[۱]
۲۔	شیخ بہاؤالدین ذکریا	۶۶۵ھ		ملتان	کبوہ قبیلہ، کثرت سے ہندو عوام	سلطان شمس الدین التمش سلطان ناصرالدین قباچہ، ہرات کے ملک شمس الدین فیروز شاہ تغلق[۲]

۱۔ مفتی غلام سرور لاہوری۔ خزینۃ الاصفیاء، ترجمہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ، لاہور، صفحہ ۱۹۱

۲۔ مولانا نور احمد خان فریدی، تاریخ ملتان، رائٹرز کالونی، قصر الادب، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ

نمبر شمار	نام بزرگ	متوفی	نام راجہ	علاقہ	قبائل و عوام	مسلم حکمران جن سے تعلقات تھے
۳۔	شیخ سید جلال الدین سرخ بخاری	۶۹۰ھ	گھلو	اوچ	ھدہر، ڈہر، سیال، وارم، کثرت سے ہندو عوام	سلطان شمس الدین التمش سلطان ناصرالدین قباچہ، ہرات کے ملک شمس الدین فیروز شاہ تغلق[۱]
۴۔	شیخ جہاں گشت (سید جلال الدین بخاری)	۷۸۵ھ	بھوپاؤ ملی الاسلام سہارن وسادھو	اوچ گجرات	راؤ، نون، کھرل، راجپوت، آٹھ قبائل اور کثرت سے ہندو عوام، زنادار	سلطان فیروز شاہ تغلق، عین الملک، جام اجونا، جام بانبھنہ، حاکم سومرہ[۲]

۱۔ پروفیسر محمد ایوب قادری، تذکرہ حضرت جہانیاں جہاں گشت، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۵۷

۲۔ ایضاً صفحہ ۱۸۵

نمبر شمار	نام بزرگ	متوفی	نام راجہ	علاقہ	قبائل وعلاقہ	مسلم حکمران جن سے تعلقات تھے
۵۔	شیخ شرف الدین بلبل شاہ	۷۲۷ھ	رنجن دیو	کشمیر	امراء، وزراء، دس ہزار ہندو عوام	سلطان صدر الدین[۱]
۶۔	شیخ سید جلال الدین تبریزی	۶۴۱ھ		بنگال	علماء، انجینئر، دانشور، جوگی اور کثرت سے ہندو عوام	سلطان شمس الدین التمش، سلطان ناصر الدین قباچہ[۲]
۷۔	شیخ نور قطب عالم۔	۸۱۹۷ھ/۱۴۱۰	جدو	بنگال	کثرت سے ہندو عوام	سلطان جلال الدین ابو ظفر محمد شاہ[۳]
۸۔	شیخ جلال سلہٹی	۷۴۰ھ		بنگال	کثرت سے عوام بنگالی و آسامی	سلطان سکندر

۱ ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر۔ میر سید علی ہمدانی، گلشن پبلشرز، سری نگر، کشمیر، ۱۹۹۱ء، ۱۲۵

۲ حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۲۵۰

۳ شیخ محمد اکرام۔ آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۳۱۱

نمبر شمار	نام بزرگ	متوفی	راجہ	علاقہ	قبائل وعلاقہ	مسلم حکمران جن سے تعلقات تھے
۹۔	شیخ شاہ محمد سہروردی	۱۰۱۱ھ/۱۶۰۲ء	دیھہ	گورداسپور پنجاب	اس کا پورا قبیلہ اور ہندو عوام	سلطان سکندر[۱]

۱ محمد دین کلیم۔ مدینۃ الاولیاء۔ المعارف گنج بخش روڈ، ۱۹۷۶ء، صفحہ ۳۴۹

بالا مذکورہ خاکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں پوری صلاحیت موجود ہے کہ اس نے جہاں راجاؤں کو متاثر کیا وہاں اس نے اس زمانے کے علماء، دانشور، انجینئر، استاد اور زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے افراد پر اثرات مرتب کئے اور ان لوگوں نے پوری عقل و شعور اور فہم و فراست سے اسلام کے دلائل کو دیکھا اور سُنا۔ تب وہ اسلام کی حقانیت سے کھنچے چلے آئے کیونکہ راجہ رنجن دیو اور راجہ جدو برہموں اور پروہتوں کے پاس رہنے اور ان سے بحث کرنے اور حقائق کو سمجھنے میں اپنے مذہب میں رہتے ہوئے ہمیشہ کوشش کیا کرتے تھے۔ زنار دار اور جوگی بھی اپنے مذہب سے بخوبی واقف تھے۔ ان کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اسلام کی حقانیت زندگی کے ہر شعبے کے لئے ناگزیر ہے اور اس وقت لوگوں نے بڑے قریب سے اس کو دیکھا کہ انسانی ذات پات سے یہ مذہب پاک ہے اور انسانی برادری میں تمام انسان مساوی ہیں۔ اخلاقی قدریں سب کے لئے برابر ہیں۔ ہر آنے والا کسی مذہب کا ہوتا لیکن بزرگ اس کو اپنے پاس بٹھا کر کھانا کھلاتے اور عبادت کو دیکھ کر لوگ قریب آکر سکون حاصل کرتے۔ امیر و غریب اور ادنیٰ و اعلیٰ نظریۂ اسلام کے مطابق سب برابر تھے اور بلند ہونے کے لئے تقویٰ اختیار کرنا ضروری تھا۔ ان وجوہات کی بناء پر دین اسلام کی اشاعت میں بڑی آسانی پیدا ہوئی اور سہروردیوں کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ کچھ باتیں جو واضح طور پر سامنے آتی ہیں وہ اس طرح ہیں۔

۱۔ برصغیر پاک و ہند میں سہروردیوں نے تلوار سے نہیں بلکہ اسلام کو اپنی اخلاقی قدروں اور پاکیزہ تعلیمات سے پھیلایا۔

۲۔ ان کے اُوصاف اچھے اور کردار بلند تھے جس کی وجہ سے اسلام پھیلا۔

۳۔ سہروردی تبلیغ و تلقین اور تجارت کی غرض سے علاقوں میں پہنچ کر اثرات مرتب کرتے رہے۔

۴۔ ان کے لوگ دینِ اسلام کی بلندی کے لئے جہاد میں بھی مصروف رہے جیسے سید جلال الدین سلہٹی نے بنگال میں جہاد کیا۔

۵۔ باہر سے آکر ہند کی سرزمین میں بس گئے تھے۔ پھر واپس نہیں گئے۔ صرف شیخ سعدی واپس شیراز میں تشریف لے گئے تھے۔

۶۔ یہ لوگ مقامی لوگوں میں بڑی محبت سے رہتے اور ان میں شادی بیاہ بھی کرتے جیسا کہ شیخ سخی سرور نے حاکمِ ملتان گھنیو خان کی لڑکی بائی سے شادی کی۔

۷۔ سہروردیوں کے اثرات میں دار العلوم بنانا، زمین کو آباد کرانا جیسا کہ شیخ بہاؤالدین ذکریا، شیخ سلطان سخی سرور، شیخ لال شہباز قلندر اور سید جلال الدین تبریزی، لنگری جاری کرنا، عبادت گاہیں بنانا، مسافروں کے لئے سرائے بنانا، علاقوں میں پہنچ کر فریضۂ دین ادا کرنا، شفا خانے بنانا اور اُمورِ سلطنت میں مشورہ دینا اور حکومت کا مختلف کاموں میں ہاتھ بٹانا شامل تھا۔

۸۔ سہروردیوں کے اثرات سے ہند کی عوام میں وحدت پیدا ہوئی جبکہ ہند کا معاشرہ ذات پات سے منتشر تھا۔

۹۔ ان کے حکمرانوں سے مراسم کی وجہ سے عوام ظلم سے بچی رہتی اور حکمران رواداری کی طرف مائل رہتا۔ جیسا کہ سلطان سخی سرور، شیخ بہاؤالدین ذکریا، شیخ جہاں گشت کے حکمرانوں سے تعلقات تھے۔

۱۰۔ علاقوں میں مساجد، خانقاہیں، کنویں، تالاب اور سڑکیں بھی تعمیر کرائیں۔ یہ سب عوام الناس کے استفادہ کے لئے تھا۔

۱۱۔ یہ اس بات پر عمل پیراء تھے کہ وہ اپنے اندر ایسے اوصاف پیدا کریں جو برائیوں سے پاک و صاف ہوں اور ان بزرگ ترین خصائل کے

حاصل کرنے میں اپنی ہمت صرف کریں جو عیوب سے پاک ہوں۔ حتیٰ الوسع ہر مذموم صحبت اور بُری خصلت سے بچنے کی کوشش کریں۔ جب وہ اس پر کاربند ہو جائے گا تو خصائل حسنہ کے عمدہ ترین لباس سے آراستہ ہو کر تہذیب و اخلاق کے درجۂ کمال پر جا پہنچے گا[1] سہروردی بزرگوں نے علاقے کے عوام میں یہی خصائل حسنہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔

اس کے بعد اب چھٹے باب میں معاشرتی موازنہ ملاحظہ کیجئے۔

---

[1] ابن ابی ربیعہ۔ سلوک المالک فی تدبیر الممالک، ترجمہ مظہر علی کامل، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی، کراچی، ۱۹۸۷ء، صفحہ ۱۳

چھٹا باب

معاشرتی موازنہ

تمہید

پنجم باب میں سلسلہ سہروردیہ کے عوام و سلاطین پر اثرات کا مطالعہ کیا گیا تھا۔ زیرِ نظر چھٹے باب میں معاشرتی موازنہ پر بحث کرنا مقصود ہے اور اس باب میں مذہب، کائنات کے بارے میں عقائد، انسانی قربانی، ذات پات کا نظام، لباس، رہن سہن اور دیگر سلسلہ کے متعلق موازنہ پیش کیا جائے گا۔

مذہب

چھٹی صدی ہجری میں سہروردی بزرگ ہند میں وارد ہوئے۔ اس زمانے میں ان کے جو نظریات تھے وہ اللہ کو ایک تسلیم کرنا، اس کے بھیجے ہوئے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کرنا، قیامت پر یقین کرنا، آسمانی کتابیں توریت، زبور، انجیل اور قرآن کریم پر ایمان لانا، فرشتوں، تمام انبیاء پر اور تقدیر پر ایمان لانا اور ارکانِ اسلام کلمۂ طیبہ، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ پر یقین کرنا، اور ان فرائض کو انجام دینا۔ یہ سہروردیوں کے مذاہب کے سلسلہ میں نظریات تھے۔ ان کی تعلیمات کے مطابق رسول ﷺ کی اطاعت ہی اللہ سے محبت ہے۔ اس سے نفس پاک ہو جاتا ہے یہی تزکیہ نفس ہے۔ اس سے دل کا آئینہ روشن ہو جاتا ہے۔ اس سے شفاف دل کے آئینہ پر اللہ کی تجلیات کا ظہور ہوتا ہے۔ اس تزکیہ نفس کے نتیجے کا اظہار اس طرح ہے قد افلح من ذکاھا ----- جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اس نے فلاح پائی[1] سہروردیوں کے مطابق مذہب کی اساس شریعت ہے، شریعت کا

---

[1] شیخ شہاب الدین عمر سہروردی۔ عوارف المعارف، ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۲۲۳

پابند ہونا ہی صوفی ہے اور اسلام کی تعلیمات سے سر مو تجاوز نہ کرے بلکہ انسان (رسول کا طریقہ) کے جادہ کو تلاش کر کے اس پر گامزن ہو[۱] اس مذہب کے سہروردی سختی کے ساتھ پابندی کرتے تھے اور اُمور شرعی میں چشتیوں سے زیادہ محتاط تھے اور خلافِ شرع اُمور پر سہروردی فوراً ناپسندیدگی کا اظہار کرتے تھے[۲] سہروردی جو مذہب اختیار کئے ہوئے تھے اس پر سختی کے ساتھ کاربند تھے ان کے سامنے ان کے مذہب کے خلاف کوئی بات سامنے آتی تو سہروردی فوراً اس خلافِ بات پر اپنی ناراضگی کا کھلے بندوں اظہار کرتے تھے۔ مذہب وہ نظریات جو انسان اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے مذہب کی اصل وہ خوف ہے جو اس غیبی طاقت کے لئے مخصوص ہو جو انسانی پاکیزگی اور تقدس کی رہنمائی کرتی ہے۔ اسلام کو مذہب نہیں دین کہا جاتا ہے کیونکہ یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے[۳] اسلامی مذہب میں ایک مقدس کتاب قرآن مجید کے نام سے مشہور و موجود ہے۔ سہروردی اس کے پڑھنے میں زیادہ شغف رکھتے ہیں جیسا کہ حضرت بہاؤالدین ذکریا نے ایک رکعت میں ایک قرآن ختم فرمایا اور دوسری رکعت میں چار پارے پڑھ کر نماز ختم کی[۴] اس طرح قرآن کی طرف زیادہ رغبت رہی ہے۔ اس مذہب کے ہند میں پہنچنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذہب ہند کے باہر سے آیا ہے اور ہند میں بھی کوئی مذہب ہو گا وہ ہند میں ہندومت، جین مت اور بدھ مت مذاہب تھے

۱۔ ابوالفیض قلندر علی سہروردی۔ الفقر فخری، مرکزی مجلس سہروردیہ، لاہور، سن ندارد، صفحہ ۷۷
۲۔ شیخ محمد اکرام۔ آبِ کوثر، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۰ء، صفحہ ۳۰۱
۳۔ سید قاسم محمود۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۳۷۹
۴۔ خواجہ نظام الدین اولیا، فوائد الفواد، ترجمہ خواجہ حسن نظامی، اردو اکادمی، دہلی، بھارت، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۰۳

ان سب پر غالب ہندومت مذہب تھا۔ سہروردیوں کے ہند میں وارد ہونے پر ہند کے لوگوں کے مذہب میں ایک خدا کا تصور نہ تھا اور ان کے عقائد میں کئی خدا سورج دیوتا، چاند دیوتا، دریا دیوتا، پہاڑ دیوتا، سانپ دیوتا تھے یعنی ہر وہ چیز جو نفع دے یا نقصان دینے والی ہو وہ دیوتا (خدا) ٹھہرتی تھی۔ ہندوستان کا مذہب ایک ایسا مذہب تھا جس میں کثیر دیوتاؤں کی پرستش ہوتی تھی۔ عوام کو مذہبی اُصولوں کا علم نہیں تھا اور عوام کو صرف مذہب کے ظاہری پہلوؤں پر عمل کرنے کی ترغیب دی جاتی تھی۔ ان کے دل و دماغ میں یہ بات کوٹ کوٹ کر بھر دی جاتی تھی کہ اگر برہمن (پیشوا) کی غیر موجودگی میں عبادت کی تو کوئی روحانی منفعت نہ ہو گی اور برہمن ہی ان کا نجات دہندہ تھا۔ اس کا مقام عوام اور بھگوان کے بیچ کا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ گوتم بدھ اور مہاویر نے (یہ دونوں ہندومت کے مصلح اور بزرگ ترین ہستیاں ہیں) ویدک دھرم کی مخالفت کی یعنی مقدس کتاب وید کے مذہب کی مخالفت کی اور اپنا ایک الگ مسلک بنایا جو ویدک دھرم کی خرابیوں سے پاک تھا اور جس میں ہر فرد کو نجات حاصل کرنے کے لئے اپنے ذرائع استعمال کرنے کی پوری آزادی تھی[۱] ہندو مذہب کی مستند کتاب مہابھارت کے نام سے موسوم ہے۔ اس کتاب کی تعلیمات کے مطابق دنیا کی پیدائش کے چار ادوار ہیں۔ ست یگ اس کی مدت سترہ لاکھ اٹھائیس ہزار سال ہے۔ ترتیا یگ کی مدت بارہ لاکھ چھیانوے ہزار سال ہے۔ دواپر یگ کی مدت آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار سال ہے۔ کل یگ کی مدت چار لاکھ بتیس ہزار سال ہے اور ہندو عقیدے کے مطابق پانچ عناصر پہلے بنائے خاک، آگ، پانی، ہوا اور آکاش۔ ان عناصر کے بعد برھما نامی ذہین انسان بنایا۔ دنیا کی پیدائش کا سبب یہی ہے جو آسمان پر درخشندہ ستارے ہیں یہ قدیم بزرگ

۱۔ ڈاکٹر محمد عمر، ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر، پاک اکیڈمی کراچی، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۱۸

جنہوں نے سچی عبادت کی۔ اس برہما نے ایک وید نامی کتاب لکھی۔ اس کی تعلیمات کے مطابق جس شخص کو جو کام دیا گیا ہے اس سے وہ منہ بچے سب سیدھے راستہ پر چلیں۔ وید کے قوانین کے پابند رہیں۔ اس وید کے اشلوک کی تعداد ایک لاکھ ہے[1] سہروردیوں اور ہندو مذاہب کے درمیان فرق کچھ اس طرح سامنے آرہا ہے۔ ذیل میں خاکہ کے ذریعہ ملاحظہ کریں۔

سہروردی	ہندو
۱۔ ایک خدا کو تسلیم کرتے ہیں اور مسجدوں اور مکہ معظمہ، مدینہ منورہ کو مقدس جانتے سمجھتے ہیں[2]	۱۔ کئی خداؤں کو تسلیم کرتے ہیں اور مندروں کو مقدس سمجھتے ہیں۔
۲۔ ہر سہروردی اپنے طور پر عبادت کر سکتا ہے۔	۲۔ ہر فرد بغیر برہمن کے عبادت نہیں کر سکتا۔
۳۔ خدا نجات دینے والا ہے۔	۳۔ برہمن نجات دہندہ ہے۔
۴۔ براہِ راست خدا سے واسطہ قائم کیا جاسکتا ہے	۴۔ عوام اور بھگوان کے درمیان برہمن واسطہ ہے۔
۵۔ ہر فرد خدا سے براہِ راست فیض حاصل کر سکتا ہے۔	۴۔ برہمن کے واسطے سے روحانی فیض حاصل ہوگا۔
۶۔ سہروردیوں کے ہاں ایک دین اسلام چلا آیا اس کی اصلاح کی کبھی ضرورت نہیں وہ ہر لحاظ سے مکمل تھا۔	۶۔ اصلاح کے لئے گوتم بدھ اور مہابیر نامی آدمی آئے۔

[1] محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ، عبدالحئی خواجہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، سن ندارد، صفحہ ۲۲۹

[2] علامہ ابنِ کثیر۔ تفسیر ابنِ کثیر اردو، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی، سن ندارد، صفحہ ۶۔ پارہ ۲۵

سہروردی	ہندو
۷۔ کسی سہروردی نے اپنے طور پر نئے مذہب کی بنیاد نہیں رکھی۔ اسلام کے اندر رہتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہونے کا درس دیا۔	۷۔ گوتم بدھ اور مہابیر نے نئے مذہب کی بنیاد رکھی اور ویدک دھرم کی مخالفت کی اور الگ مسلک بنایا، خرابیوں سے ویدک دھرم کو پاک کیا اور ہر فرد کو نجات حاصل کرنے کے لئے اپنے ذرائع استعمال کرنے کی پوری آزادی دی۔
۸۔ سہروردیوں کے ہاں ان کا مذہب تمام انسانی زندگیوں کے پہلوؤں کے لئے واضح ہدایات دیتا ہے اس وجہ سے دین کہلاتا ہے۔	۸۔ چندر سوم کے جلانے کا نام مذہب ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ کے لئے ہدایات نہیں ہیں۔
۹۔ سہروردی جس مذہب کو قبول کئے ہوئے تھے اس میں کسی قسم کی ترمیم کے خلاف تھے اور شریعت کے خلاف باتوں سے فوراً ناپسندیدگی کا اظہار کرتے۔	۹۔ ترمیم کو قبول کر لیا جاتا اور باہر سے آنے والے مذہب کو اپنے اندر جذب کر لیتے اور اس سے کبھی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کرتے۔
۱۰۔ سہروردیوں کے ہاں ایک آسمانی کتاب قرآن کی صورت میں موجود ہے جو تیس پاروں پر مشتمل ہے۔ اس کے اندر ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔	۱۰۔ مہابھارت کے نام سے مقدس کتاب ہے جس میں ایک لاکھ اشلوک ہیں۔

سہروردی	ہندو
۱۱۔ قرآن کتاب کی ہر سہروردی تعلیم حاصل کرے گا تاکہ اس کے مطابق زندگی گزارے۔	۱۱۔ عوام کو مذہبی اُصولوں کا علم نہیں صرف ظاہری چند پہلوؤں پر عمل کرنیکی ترغیب دی جاتی ہے۔
۱۲۔ قرآن کی تعلیمات کے مطابق پہلا انسان آدم کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے بنایا۔ اس سے باقی انسان تخلیق کئے گئے۔	۱۲۔ پہلا انسان بہت ذہین برہما ہے جس سے تمام انسان وجود میں آئے۔
۱۳۔ سہروردی قرآن کے مطابق کام انجام دیں گے۔	۱۳۔ جو کام سپرد کردیا گیا ہے صرف وہ انجام دیا جائے گا۔ وید کے قوانین کے پابند رہیں گے۔
۱۴۔ سہروردی مرنے کے بعد قبر میں دفن کردیئے جائیں گے اور وہ قبر میں قیامت قائم ہونے تک رہیں گے۔	۱۴۔ نیک لوگ مرنے کے بعد ستارے بن گئے ہیں جو آسمان پر چمک رہے ہیں جو زیادہ چمکدار ہیں وہ زیادہ بزرگ تھے۔
۱۵۔ اللہ کی کتاب قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی۔	۱۵۔ برہما جو پہلا ذہین انسان ہے اس نے کتاب وید تحریر کی۔

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ سہروردی ہند میں آئے ان کے اور یہاں کے ہندو کے مذہب میں بڑا واضح فرق تھا۔ جس نے دونوں کے مذاہب کو اپنے اپنے مقام پر برقرار رکھا لیکن سہروردی اپنے مذہب کو قبول کرانے سے زیادہ ہو گئے۔

اس موازنہ کے بعد دیکھتے ہیں کہ ان مذاہب کے کائنات کے بارے

میں کیا عقائد تھے۔ ہند کے علاقے میں علمِ نجوم کا بڑا چرچا تھا۔ یہاں کے لوگوں کے سیاروں کے اثرات سے جغرافیائی حالات کا پتہ لگاتے تھے اور اس کا ماہر منجم کہلاتا ہے جو ایک قسم کا کاہن ہے اور کاہن ساحر (جادوگر) ہے۔ ساحر کافر ہے۔ اسلام میں اس قسم کی کوئی گنجائش نہیں ہے لیکن یہ علم ہر زمانے میں ہر قوم کے افراد کے عقیدے میں داخل رہا ہے۔ قدیم مصری، بابلی، ویدک اور دیگر روایتوں میں دیوتاؤں کی طاقت کا ذریعہ بھی جادو ہی کو خیال کیا جاتا تھا۔ اس طرح نجم پر اعتماد رکھا جاتا تھا۔ مختلف قسم کے نجوم مختلف اعضائے انسانی کو متاثر کرتے ہیں جنہیں پڑھ کر انسانی مستقبل و ماضی کی تشہیر کی جاتی۔ اس میں زندگی کا ایک فرضی زائچہ بنایا جاتا تھا[1] اس کی مدد سے حالات معلوم کئے جاتے۔ عوام اور خاص سب ہند کے لوگ اس پر اعتقاد رکھتے تھے۔ اس ایک مثال سے اندازہ کریں۔ الور کے برہموں اور نجومیوں کا ایک وفد راجہ داہر سے ملا اور مبارکباد دی اور راجہ داہر اور اس کی بہن مائین رانی کا زائچہ پیش کیا اور آپس میں زائچہ کی رو سے شادی کر لینے کا مشورہ دیا تاکہ سندھ کے تاج و تخت کا راجہ داہر مالک بنے۔ وزیر برہمن اور پانچ سو سوداگروں کی موجودگی میں راجہ داہر دھوتی کے کونے کو اس کی بہن مائین رانی کی اوڑھنی سے باندھ دیا۔ نجومیوں کی بات پوری کرنے کے لئے برہموں نے یہ رسم ادا کر کے شادی کردی گئی[2] اسی طرح راجہ سورج کے دربار میں ایک برہمن جادوگر نے اژدر سوخ پیدا کیا اور راجہ کو بت پرستی کی تعلیم دی پھر مہاراج کے زمانہ میں ایران سے ایک شخص ہندوستان آیا اس نے یہاں کے لوگوں کو آفتاب پرستی کی تعلیم دی۔ اس کو حد درجہ کی کامیابی

---

[1] سید قاسم محمود۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۳۰۶

[2] اعجاز الحق قدوسی۔ تاریخ سندھ، جلد اول، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۵ء، صفحہ ۴۶

ہوئی اور اس نے راجہ کو یقین دلادیا کہ سونے' چاندی یا پتھر کی مورتی اپنے بزرگوں کی بنا کر پرستش کی جائے یہ سیدھا راستہ ہے[1] اسی طرح کی ایک مثال اور دیکھیں کہ اشراف شہر کی یہ موروثی رسم ہے کہ بغیر منجم سے دریافت کئے بغیر کوئی کارِ خیر اور کوئی معاملہ خواستگاری بغیر منجم کے استصوابِ رائے کے نہیں ہوتا تھا[2] اس طرح اس زمانے میں سہروردیوں کو دیکھیں جب سلطان شمس الدین نے اپنے بھانجے سلطان سکندر کو بنگال کی فتح کے لئے بھیجا اس وقت شیخ جلال بنگال میں وارد ہوئے تھے۔ ان کی خدمت میں پہنچ کر سلطان سکندر نے دُعا کے لئے کہا اور جادو کے اثر کے زائل کرنے کے لئے کہا۔ آپ نے دُعا دی اور فرمایا اب راجہ کا جادو آپ لوگوں پر اثر نہیں کرے گا[3] اس کے علاوہ سہروردیوں کی تعلیمات جو عقائد کے متعلق ہے وہ کچھ اس طرح ہے۔ ہر بندہ پر لازم ہے کہ صدق و اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور یہ کیفیت اس وقت حاصل ہوگی جب عبادت و ذکر میں غیر اللہ کی نفی اور دوسروں کو مٹا دینا ہو اور یہ حالت ہے احوال کی درستی اور اقوال و افعال میں محاسبہ و نفس پر موقوف ہے۔ لہٰذا بغیر ضرورت کے نہ کوئی بات ہو نہ کام اور ہر قول و فعل سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف التجا و تضرع اور اسی سے استعانت ہو تاکہ اللہ تعالیٰ نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے[4] اسی طرح ایک اور بیان یہ ہے کہ اوصاف ذمیمہ کو دور کرنے کے لئے

---

[1] محمد قاسم فرشتہ۔ تاریخ فرشتہ' جلد اول' ترجمہ عبدالحئی خواجہ' شیخ غلام علی اینڈ سنز' کراچی' سن ندارد' صفحہ ۶۵

[2] ڈاکٹر محمد عمر۔ ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر' پاک اکیڈمی' کراچی' ۱۹۹۲ء' صفحہ ۵۰

[3] مولانا نور احمد خان ۔ تاریخ ملتان' جلد اول' رائٹر کالونی' قصر الادب' ملتان' ۱۹۷۲ء' صفحہ ۱۵۱

[4] شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار' ترجمہ مولانا محمد فاضل' مدینہ پبلیشنگ کمپنی' کراچی' سن ندارد' صفحہ ۶۴

تزکیہ نفس کی ضرورت ہے اور تزکیہ نفس اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک بندہ اللہ تعالیٰ سے التجا و استعانت نہ کرے[1] اسی طرح ایک اور قول کو دیکھئے۔ خدا کے سوا کسی دوسرے سے حاجت طلب نہیں کرنی چاہئے[2] ان عبارات کو دیکھتے ہوئے سہروردی اور ہندو مت کی باتیں کچھ اس طرح موازنہ میں آتی ہیں۔

سہروردی	ہندومت
۱۔ مظاہر پرستی سے دور ہیں کیونکہ	۱۔ مظاہر پرستی عقائد میں شامل ہے
۲۔ ایک اللہ پر یقین کرتے ہیں اور اس سے مدد مانگتے ہیں اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ علم نجوم میں نظر مت کرو یعنی ستاروں سے اپنی قسمت اور تقدیر کو وابستہ مت کرو ہاں دینوی کام اور راستہ معلوم کرنا جائز ہے[3]	۲۔ ستارے پر اور اس سے شگون اور فال لے کر اپنے کام انجام دیتے ہیں اور ان سے مدد مانگتے ہیں۔
۳۔ جادو پر یقین نہیں رکھتے بلکہ نفسانی طور پر انسان کو اس نفسانی حربے سے نکالتے ہیں۔	۳۔ جادو کے یقین پر اس کے مطیع ہیں اس سے احوال کو درست کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔
۴۔ اللہ تعالیٰ کی پرستش کے سوا	۴۔ آفتاب' ستارے اور سونے

---

[1] سید صباح الدین عبدالرحمٰن' بزم صوفیہ' علامہ ابوالبرکات اکیڈمی' لاہور' ۱۹۸۸ء' صفحہ ۲۷۶

[2] پروفیسر محمد ایوب قادری' جہانیاں جہاں گشت' ایچ ایم سعید کمپنی' کراچی' ۱۹۷۵ء' صفحہ ۱۴۸

[3] امام اعظم۔ مسند امام اعظم' ترجمہ مولانا دوست محمد' فرید بک اسٹال' لاہور' سن ندارد' صفحہ ۳۴۹

سہروردی	ہندومت
کسی کی عبادت کے قائل نہیں ہیں۔	چاندی اور پتھر کے اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی مورتیوں کی پرستش کرتے ہیں۔
۵۔ اپنے فوت شدہ بزرگوں کی مورتیاں نہیں بناتے اور نہ ان کو خدائی میں شریک کرتے ہیں۔	۵۔ اپنے فوت شدہ بزرگوں کی مورتیاں بنا کر پوجا کرتے ہیں اور اس کو سیدھا راستہ جانتے ہیں۔
۶۔ سہروردیوں کے ہاں بہن سے شادی کا کسی صورت میں بھی تصور نہیں ہے۔	۶۔ ہندوؤں میں مصلحت یا مفاد کے لئے کسی صورت میں بہن سے نکاح درست ہے۔

اس موزانہ میں سہروردیوں اور ہندوؤں میں بڑا اختلاف موجود ہے۔ اس طرح ان دونوں انسانی گروہوں میں انسانی قربانی کو دیکھا جائے کہ انسانی قربانی کے مسئلہ پر ان کی کیا رائے ہے۔ اس زمانے میں مُردے جلائے جاتے تھے۔ صندل، کافور اور زعفران اس میں ڈالتے ہیں اور راکھ کو ہوا میں اُڑا دیتے ہیں۔ یہاں یہ بھی قاعدہ تھا کہ جب راجہ مرتا تو اس کے ساتھ اس کی سب رانیاں بھی جل کر ستی ہو جاتی تھیں لیکن یہ صرف خواہش پر موقوف تھا کوئی جبر نہیں تھا[1] اس کے علاوہ ہند بنگال کا ایک واقعہ دیکھیں شیخ جلال الدین تبریزی جب بدایوں سے بنگال دیو محل پہنچے تو ایک مالن کے ہاں قیام کیا۔ اس گھر میں شور اور رونے کی آواز بلند ہوئی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس شہر کی ایک قدیم رسم ہے کہ راجہ کے حکم کے مطابق ہر روز ایک نوجوان دیو کے سامنے بھیجا جاتا ہے اور وہ اس کو کھا جاتا ہے۔ شیخ جلال الدین تبریزی نے فرمایا میرے میزبان آپ اپنے لڑکے کو نہ بھیجیں۔ میں خود جاؤں گا۔ میزبان

[1] مولانا سید سلیمان ندوی۔ عرب و ہند کے تعلقات کریم سنز پبلیشرز، کراچی ۱۹۷۶ء، صفحہ ۲۹

نے کہا کہ اگر دیو نے آپ کو قبول نہ کیا تو راجہ اس کو قتل کر دے گا۔ چنانچہ اس نے اپنے بیٹے کو نہلا کر نئے کپڑے پہنا کر بُت خانہ میں لے گیا۔ شیخ جلال الدین تبریزی ساتھ بُت خانے میں تشریف لے گئے، خود رُک گئے اور نوجوان سے کہا گھر چلا جا خود دیو کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ جب دیو اپنے معمول کے مطابق ظاہر ہوا آپ نے اپنا عصا اس کے سر پر مار کر اس کو ہلاک کر دیا۔ صبح لشکری اور راجہ پوجا کے لئے بُت خانے پہنچے۔ اس نے دیکھا کہ سیاہ ٹوپی اور سیاہ کپڑے پہنے آدمی کھڑا ہے اور لوگوں کو بُلا رہا ہے اور لوگ یہ دیکھ کر حیران تھے۔ راجہ خود آگے بڑھا۔ شیخ نے کہا تم بغیر کسی خوف کے آگے آؤ۔ دیو کو میں نے ہلاک کر دیا ہے۔ لوگوں نے دیکھا واقعی ایسا ہی تھا چنانچہ سب لوگ ایمان لے آئے۔ اور مسلمان ہوئے[1] اس کے علاوہ اس بات کو دیکھیں کہ ہندوستان میں تناسخ کا عقیدہ پختہ ہے۔ یعنی مرنے کے بعد انسان اپنے اعمال کے مطابق دوبارہ کسی صورت میں زندہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے لوگ جان دینا معمولی کام سمجھتے ہیں۔ دلبھ رائے اور دوسرے راجاؤں میں کوئی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جان بوجھ کر اپنے کو آگ میں جلا ڈالتے ہیں۔ یہاں راجہ بناتے وقت یہ کرتے ہیں کہ راجہ کے باورچی خانہ میں چاول پکائے جاتے ہیں اور تین سو چار سو آدمی اپنی خوشی سے آتے ہیں۔ راجہ کے سامنے ایک پتے پر چاول رکھ دیئے جاتے ہیں۔ راجہ اس میں ذرا سا اُٹھا کر کھاتا ہے پھر ایک آدمی راجہ کے سامنے جاتا ہے۔ راجہ ان کو تھوڑے چاول اپنے سامنے سے دیتا جاتا ہے۔ یہ کل آدمی راجہ کے ساتھی ہوتے ہیں۔ جب راجہ مرتا ہے تو یہ سب آدمی اس کے ساتھ اسی دن آگ میں جل جاتے ہیں[2] ہند کے علاقے میں ستی کی ایک رسم بھی مدتوں جاری رہی ہے یعنی

[1] شیخ محمد اکرام۔ آبِ کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۳۰۱
[2] مولانا سید سلیمان ندوی۔ عرب و ہند کے تعلقات کریم سنز پبلیشرز، کراچی ۱۹۷۶ء، صفحہ ۳۳

شوہر کی وفات کے بعد شوہر کو جلایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی جل جاتی ہے۔ سماج پر قربان کرنے کے لئے بسااوقات تو لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا جاتا تھا[1] اس طرح اس بات کو بھی دیکھا جائے کہ دیوتاؤں کی خوشنودی کے حصول کے لئے نوعمر لڑکے اور لڑکیوں کی قربانی بھی دی جاتی تھی[2]۔ اس طرح شیخ بہاؤالدین ذکریا کو دیکھیں کہ جب سلطان جلال الدین نے جرنیل اوزبک پائی نے ملتان کا محاصرہ کیا تو آپ نے اپنا سفیر بھیج کر اس کو کہلوایا کہ اس شہر میں زیادہ تر مسلمان آباد ہیں ان کی خونریزی سے تیرے ہاتھ کیا آئے گا۔ اس نے محاصرہ اُٹھا لیا تھا۔ اسی طرح آپ نے ایک مرتبہ منگول تو سالے نوئین کو ایک لاکھ اشرفی دے کر ملتان کی عوام کو بچایا تھا[3]۔ انسان کو کسی صورت بھی بچایا جائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کو بچانا خاص امتیاز تھا۔ ان باتوں کو دیکھتے ہوئے کچھ اس طرح محسوس ہوتا ہے جو ذیل کے خاکہ سے ظاہر کیا گیا ہے۔

[1] انوار ہاشمی۔ تاریخ پاک وہند، کراچی بک سینٹر، کراچی، ۱۹۸۴ء، صفحہ ۱۹
[2] سید قاسم محمود۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۳۴۲
[3] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۲۷ ۱۹ء، صفحہ ۱۷۵

سہروردی	ہندو
۱۔ سہروردیوں کے ہاں انسانی قربانی کا کہیں اور کبھی بھی رواج نہیں تھا۔	۱۔ ہند میں راجہ کے ساتھ رانیاں بھی مر جاتی ہیں یہ راجہ پر اپنی وفاداری کی قربانی تھی اس میں کسی قسم کا جبر نہ تھا۔ +
۲۔ بنگال میں سہروردیوں نے انسانی قربانی کو ختم کیا لیکن جانور کی قربانی کو جائز رکھا۔ برہموں جیسے اہل مذہب اور بعض اہل تقشف نے جانور کا ذبح کرنا اور اس کا کھانا اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔ انکا گزارہ سبزی خوری پر ہوتا ہے انکے نزدیک جانور کو ذبح کرنا	۲۔ بنگال میں روزانہ ایک دیو کو ایک نوجوان کھانے کے لئے دیا جاتا تھا۔
بڑا سنگدلانہ کام ہے حالانکہ سبز نباتات حیوان کے چارہ کے لئے کاٹ ڈالی جاتی ہے اسی طرح جانور کو انسان کی غذا کے لئے ذبح کیا جاتا ہے اور ادنیٰ نوع کی مخلوق کو اعلیٰ نوع کی مخلوق کے لئے قربان ہونا پڑتا ہے۔ بلکہ انسانی فرد	دراصل یہ اس علاقے میں انسانی قربانی کی بدترین مثال ہے۔ دیوتا کے نام کا مندر تھا جہاں انسانی قربانیاں پیش کی جاتی تھیں۔ اس علاقے میں ایسے لوگ موجود تھے جو انسانی

+۔ ملتان میں "پرحلاد جی مندر" کے اندر دیوتا کے سامنے پالتی مار کر ہندو (بعض) بیٹھتے تھے اور اپنے جسم پر تیل مل کر دیئے جلاتے تھے اور اس سے جل جاتے تھے یہ انسانی قربانی کا ایک انداز تھا۔ شیخ بہاؤالدین ذکریا کی اسلامی تبلیغ سے لوگ مسلمان ہوئے اور یہ انسانی قربانی ختم ہو گئی۔ راقم

سہروردی	ہندو
کو بھی اجتماعی مصالح کی خاطر لڑنا اور مرنا پڑتا ہے[2]	قربانیوں کا عقیدہ رکھتے تھے[1] شیخ جلال الدین تبریزی نے اس رسم کو ختم کیا تھا۔
۳۔ سہروردیوں کے اس عمل سے لوگ اسلام قبول کرتے ہیں۔	۳۔ آئندہ علاقے کے لوگ انسانی قربانی سے بچ گئے۔
۴۔ سہروردی دیو اور اس کے کارناموں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔	۴۔ ہندو اس کو عقائد میں شامل رکھتے اور اس کے حضور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے تھے۔
۵۔ کسی صورت بھی انسان کی جان کو بچایا جاتا تھا۔	۵۔ نوخیز لڑکے اور لڑکیوں کو دیوتاؤں کیلئے انسانی قربانی دی جاتی تھی۔
۶۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انسان کو بچایا جاتا تھا۔	۶۔ دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے انسانی قربانی دی جاتی تھی
۷۔ سہروردیوں کے ہاں وفاداری میں بھی قربانی نہیں ہے۔	۷۔ بیوی شوہر کی وفاداری میں اور عوام راجہ کی وفاداری میں اپنی قربانی ساتھ جل جانیکی صورت میں پیش کرتے تھے۔
۸۔ لڑکیوں کی اچھی تعلیم کے ساتھ ان کی تربیت کی جاتی تھی اور اس کو	۸۔ پیدا ہوتے ہی لڑکی کو منحوس تصور کرتے ہوئے بعض قبائل قتل

[1] اشتیاق حسین قریشی۔ برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، ترجمہ جلال احمد زبیری، کراچی یونیورسٹی کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۸۵

[2] علامہ یوسف القرضاوی۔ اسلام میں حلال و حرام، ترجمہ شمس پیرزادہ، اسلامک پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۰ء، صفحہ ۵۴

سہروردی	ہندو
منحوس تصور نہیں کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ سہروردیوں کے ہاں کام کرنے والی عورتیں قرآن پاک کی حافظ اور کام کاج کرتے وقت قرآن پاک پڑھتی تھیں[2]	کر دیتے تھے۔ اس میں کھوکھر قبائل کے لوگ بھی شامل ہیں۔ معاشرتی بوجھ سمجھتے ہوئے لڑکی کو بیچ دیتے یا قتل کر دیتے[1]

معاشرہ کے اس رسم و رواج کے سہروردیوں اور ہند کے رہنے والوں میں ذات پات کے نظام کو دیکھا جائے۔ ہند کے معاشرے میں ذات پات کا نظام بڑی شدت سے موجود تھا۔ انہوں نے اس نظام کو مذہب کے طور پر اپنے عقائد میں ہمیشہ شامل رکھا۔ اس ذات پات کے نظام کو برہما کا عطا کردہ تسلیم کیا۔ ہندوؤں کی سب سے پرانی کتاب رگِ وید میں لکھا ہے کہ برہمن لوگ برہما جی کا منہ، چھتری ان کے بازو اور ویش ان کی رانیں اور شودر ان کے پاؤں سے نکلے ہیں[3] رگ وید ہندوؤں کی مذہبی مقدس کتاب ہے جو ایک ہزار سے دو ہزار سال قبل مسیح کے دوران کسی وقت لکھی گئی ہے[4] اس کتاب کی تعلیمات کے مطابق برہما نے انسان کو پیدا کیا تو ساتھ ہی اس کے درجے اور مراتب قائم کر دیئے اس میں اہم انسان جو سب پر حکومت کرے گا وہ

[1] محمد قاسم فرشتہ۔ تاریخ فرشتہ، جلد اول، ترجمہ عبدالحئی خواجہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، سن ندارد، صفحہ ۲۲۸

[2] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۷۶

[3] پیام شاہجہاں پوری۔ تاریخ نظریہ پاکستان، کتب خانہ انجمن حمایت اسلام لاہور، ۱۹۷۰ء، ص ۲۰

[4] سید محمد قاسم۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۳۲۵

برہمن ہو گا جو برہمن جی کے منہ سے پیدا کیا گیا ہے اور سب سے ذلیل شودر ہو گا جو برہما جی کے پاؤں سے پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی تمام تر عزت و عظمت صرف برہموں کے لئے ہے اور باقی ساری قوم ان کی خدمت گزار اور کمتر ہے۔ برہمن کو برہما جی نے بڑی طاقت دی ہے وہ چاہے تو اپنے جادو سے راجہ' اس کے ہاتھیوں اور گھوڑوں کو تباہ کر سکتا ہے۔ اگر برہمن دوسری ذاتوں پر ظلم کرے تو تھوڑی سی تنبیہ کی جا سکتی ہے اگر برہمن پر دوسری ذاتوں کے لوگ ظلم کریں تو وہ دس گنا سزا پائیں گے اور شودر کا صرف یہ کام ہے کہ وہ برہمن کی خدمت کرے اس کا بچا ہوا کھانا کھائے اور اس کے اُترے ہوئے کپڑے پہنے اور اس کو مذہبی مسائل نہ سکھائے جائیں ورنہ اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اگر شودر کسی اونچی ذات والے کو گالی دے تو اس کی زبان کاٹ دی جائے اگر وید کے اشلوک سن لے تو اس کے کانوں میں سیسہ ڈال دیا جائے اگر زبان سے پڑھ لے تو زبان کاٹ دی جائے [1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندومت میں ذات پات کا نظام بڑی سختی کے ساتھ رائج تھا اور انسان کی آپس میں محبت اور الفت کی بجائے اس کی تفریق پر قائم تھا۔

ہندو معاشرہ کی تقسیم سے ہندو سماج چار حصوں میں تقسیم ہوا۔ ہر طبقہ رنگ و خون' رسومات و عقائد میں اپنی جداگانہ امتیازی حیثیت کا حامل ہے۔ اس تقسیم کی ابتداء کچھ اس طرح ہوئی کہ رگ وید کی پروشا سکتا کی رو سے جب ابتدائے آفرینش میں پروسا یعنی انسان کی قربانی کی گئی تو اس کے مختلف اعضاء سے یہ چار ذاتیں وجود میں آئیں۔ ہند کے رنگ و خون کے امتیاز کو ذات پات کی بنیاد بھی قرار دیا گیا ہے۔ آریہ خوبصورت اور دراوڑ بد صورت تھے۔ آریہ حسن کی وجہ سے اعلیٰ اور دراوڑ بد صورتی کی وجہ سے ادنیٰ قرار

[1] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تذکرہ شاہ رکن عالم' قصر الادب' رائٹر کالونی' ملتان' ۱۳۸۰ء' صفحہ ۱۵۳

پائے۔ اور پیشوں کی وجہ سے بھی ذات پات کی تقسیم وجود میں آئی جیسے بڑھئی' ترکھان' لوہار' جولاہا اور تیلی پر پیشے کی علیحدہ ذات بن گئی اور مذہبی تحریکات کی وجہ سے جینی' کبیر اور پنتھی ذاتیں وجود میں آئیں۔ ان کے کچھ فوائد بھی تھے۔ ذات پات نے ہندو سماج کی وسعت میں بڑی مدد دی۔ جو قومیں ہند میں داخل ہوتیں ہند کے سماج نے ان کو اپنے اندر جذب کر لیا کیونکہ ہندومت قبول کرنے کے بعد وہ اپنی علیحدہ ذاتیں بنالیں اور نہایت آسانی کے ساتھ اپنے قدیم اطوار و رسوم پر بھی قائم رہیں۔ اس سے صنعت و حرفت کو ترقی ہوئی اور محدود پیمانے پر باہمی ہمدردی پیدا ہوئی اور غات میں رہنے کے لئے اخلاقی قدروں کو قبول کرنا پڑا اور اس سے بیرونی اثرات سے بھی محفوظ رکھا گیا۔ اس ذات پات کے نقصانات نے ہندو معاشرہ کو ہزاروں حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اس سے قومی اور اجتماعی شعور ختم ہو گیا۔ انتشار بڑھ گیا اور اتحاد پارہ پارہ ہو گیا جس سے باہر سے حملہ آور کے سامنے ہندوؤں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ سماج میں ناانصافی بڑھ گئی۔ ہندو قوم پسماندہ اور دقیانوسی ہو گئی۔ اس ذات پات کے نظام نے ہندو سماج کی اصلاح کو نامکمل بنا دیا جس کے نتیجہ میں ہندو سوسائٹی ترقی کے راستوں سے ہٹ کر پرانی ڈگر پر چلتی رہی [1] اس سماج کے مدِ مقابل سہروردی سماج کو دیکھا جائے۔ سید جلال الدین تبریزی نے بدایوں میں ایک دھی بیچنے والے کو مسلمان کیا اور بنگال کی طرف روانہ ہوئے تو اس نئے مسلمان علی کو بدایوں میں ٹھہرا گئے اور فرمایا کہ میں نے یہ بستی تمہارے حوالے کی ہے [2] اس کے علاوہ ایک مرتبہ فقراء کی ایک جماعت

[1] صاحبزادہ عبدالرسول۔ تاریخ پاک و ہند' ایم آر برادرز' لاہور' ۱۹۶۴ء' صفحہ ۱۷

[2] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین' ترجمہ محمد ایوب قادری' اردو سائنس بورڈ' لاہور' ۱۹۸۹ء' صفحہ ۲۴۹

شیخ بہاؤالدین ذکریا کے دستر خوان پر کھانا کھارہی تھی آپ نے ہر ایک کے ساتھ ایک لقمہ کھایا۔ ان میں ایک فقیر شوربے میں روٹی بھگو کر کھا رہا تھا آپ نے فرمایا سبحان اللہ ان سب فقیروں میں یہ فقیر خوب کھانا جانتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ نان تر کو اور کھانوں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو مجھ کو تمام انبیاء پر ہے اور حضرت عائشہؓ کو تمام دنیا کی عورتوں پر ہے[۱] اس کے علاوہ شیخ سلطان سخی سرور موضع سوہدرا وزیر آباد قصبہ میں قیام پذیر تھے ہر قسم کا آدمی آپ کے پاس آتا اور یہ مخلوق دور دراز علاقوں سے آپ کے پاس پہنچتی اور آپ سے فیض حاصل کرتی۔ دنیاداروں میں کوئی ایسا نہ تھا آپ کے پاس آیا اور محروم رہا ہو۔ اس لئے لوگوں میں آپ کا نام سخی سرور لکھ داتا مشہور ہوگیا[۲] اس کے علاوہ شیخ رکن عالم سہروردی نے بادشاہ کے سامنے خلق خدا کی وکالت کی۔ ہزاروں غرضی مندوں کی درخواستوں کو بادشاہ کے ملاحظے سے گزار کر مناسب حکم لکھوالیا۔ دہلی کے لاکھوں محتاجوں اور مسکینوں کو اپنی داد و دہش سے مالامال کیا[۳] اس کے علاوہ سلطان شمس الدین التمش قاضی حمید الدین ناگوری سہروردی کی خانقاہ میں حاضری دیتا تھا اور سماع اور فقراء کی محبت سے مستفید و لطف اندوز ہوتا[۴]

---

[۱] سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔ بزم صوفیہ، علامہ ابوالبرکات اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۸ء، صفحہ ۹۵۔

[۲] مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، ترجمہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ، لاہور، ۱۹۹۰ء، صفحہ ۱۹۱

[۳] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تذکرہ شاہ رکن عالم، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۳۸۰ھ، صفحہ ۱۵۳

[۴] محمد قاسم فرشتہ۔ تاریخ فرشتہ، جلد اول، ترجمہ عبدالحئی خواجہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، سن ندارد، صفحہ ۲۵۶

مذکورہ بالا عبارات کو ملاحظہ کرنے کے بعد کچھ اس طرح کی باتیں سامنے آتی ہیں۔ ایک خاکہ کی صورت میں ملاحظہ کریں۔

سہروردی	ہندو
۱۔ سہروردی معاشرے کو تقسیم نہیں کرتے۔	۱۔ ہندو معاشرے میں برہمن، کھشتری، ویش اور شودر بڑی ذاتوں پر مشتمل ہے۔
۲۔ کوئی بھی فرد مسلمان ہونے کے بعد سہروردیوں کے تمام حقوق کا مساوی حق دار ہو جاتا ہے۔	۲۔ جس ذات میں پیدا ہوا ہے ہمیشہ اسی ذات میں رہے گا۔
۳۔ امیر و غریب سب افراد ایک جگہ اکٹھے کھانا کھاتے ہیں۔	۳۔ ایک ساتھ مل کر کھانا خلافِ مذہب سمجھتے ہیں اور برہمن کا صاحبزادہ بھی برہمن ہی رہے گا۔
۴۔ ذات پات کے نظام کو سہروردیوں کے ہاں کوئی مقام نہیں دیا جاتا۔	۴۔ ہندوؤں میں وید کتاب کے مطابق ذات پات کا نظام ضروری قرار دیا گیا ہے۔
۵۔ سہروردیوں کے ہاں سب مسلمان برابر ہیں اور اللہ کے نزدیک تقویٰ والا فرد سب سے بڑا ہے۔	۵۔ ہندو ذات کے نظام میں برہمن بڑا ہے کوئی اور فرد بڑا نہیں بن سکتا اور برابری کا تصور نہیں ہے۔
۶۔ ہر فرد انسانی حقوق میں مساوی ہے اور حتی المقدور آنے والے فرد کی مدد کی جائے گی۔	۶۔ برہما کی تقسیم میں دخل نہیں دیا جاسکتا اس کی تقسیم بہر صورت قائم رکھی جائیگی اور ہر فرد اپنی ذات والے سے ہی مدد طلب کرسکتا ہے۔
۷۔ اجتماعیت پر قائم تھے اور ہر طرح کا آدمی ان کے پاس حاضر ہوتا۔	۷۔ انفرادیت پر قائم تھے اور انتشار کی وجہ سے ہر فرد علیحدہ رہتا تھا۔

سہروردی	ہندو
۸۔ ہر مذہب کا آدمی بغیر کسی تفریق آتا تھا اور ان کی حاجت روائی کی جاتی تھی۔	۸۔ شودر ہندو مت کا فرد ہوتے ہوئے بھی برہمن کے قریب بیٹھ نہیں سکتا اور دیگر مذاہب کے لوگوں کو ملیچھ (ناپاک) کہتے اور ان سے دور رہتے تھے۔
۹۔ سہروردی اپنی مقدس کتاب قرآن ہر فرد کو سناتے۔ اس کے درس میں ہر فرد بیٹھ سکتا تھا۔	۹۔ برہمن کو حق حاصل تھا کہ وید پڑھے اور اگر شودر نے وید سن لیا یا دیکھ لیا تو اس کو سزا کے طور پر آنکھ اور کان سے ختم کر دیا جاتا تھا
۱۰۔ کوئی فرد اسلام قبول کرنے کے بعد عبادت و ریاضت سے اعلیٰ مقام حاصل کر سکتا ہے۔	۱۰۔ اعلیٰ مقام صرف برہمن کے لئے خاص کر دیا گیا ہے۔
۱۱۔ سہروردی اپنے نبیؐ کی بات پر عمل کرنا ضروری خیال کرتا ہے ہر فرد میں سے اپنے نبی ﷺ کے احکامات پر عمل کرنے والے کو عزیز رکھا جاتا ہے۔	۱۱۔ ہر ہندو وید کے مطابق انسانی تقسیم کو قبول کرتا ہے۔
۱۲۔ آپس میں محبت و یگانگت پیدا ہوتی ہے۔	۱۲۔ انسانی تقسیم سے نفرت اور وحدت پارہ پارہ ہوتی ہے۔

اس کے بعد اب دیکھا جائے کہ سہروردی اور ہند کے رہنے والے لباس میں کس حد تک مماثلت رکھتے ہیں یا کہ نہیں رکھتے ہیں۔

ہندوستان میں ایسے لوگ ہیں جو ہمیشہ پہاڑوں اور جنگلوں میں پھرا

کرتے ہیں اور لوگوں سے بہت کم ملتے ہیں۔ بھوک لگتی ہے تو درختوں کے پتے یا پھل کھا لیتے ہیں ان میں بعض ننگے ہوتے ہیں بعض پر چیتے کی کھال کا ٹکڑا پڑا رہتا ہے[1] اس کے علاوہ ہندو رؤسا کی عورتوں میں گھونگھٹ کا طریقہ رائج تھا جو کہ پردے ہی کی ایک شکل تھی۔ ہندوؤں کو سلا ہوا لباس پہننے کا سلیقہ نہیں تھا۔ مرد دھوتی باندھتے تھے اور عورتیں ساڑھی اوڑھتی تھیں[2] اس کے علاوہ میوات علاقے کے لوگ ایک خاص انداز کی پگڑی باندھتے تھے۔ نوجوان لڑکے سرخ رنگ کے تہمبند باندھتے تھے۔ عام لباس دھوتی اور کرتی پر مشتمل ہوتا تھا۔ سردیوں میں دوہر یا دوہری چادر اوڑھتے تھے۔ عورتوں کا لباس بھی خاص قسم کا ہوتا تھا۔ خاص ساخت کے گھاگھرے اور دوپٹے جن پر ریشمی کام ہوتا تھا۔ ان کے نام گرگا' لہاسی' جول اور کرتی تھے[3] اس طرح بھی ہند میں لباس ملتا ہے کہ کچھ لوگ گرمیوں میں ننگے رہتے تھے اور صرف چار انگل کی لنگوٹی پہنتے تھی اور سردیوں کے موسم میں چٹائی اوڑھتے تھے اور مختلف رنگ کے ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک کپڑا اسی لیتے تھی اسی کو پہنتے تھے۔ بدن پر مُردوں کی جلی ہوئی ہڈی کی راکھ ملتے تھے اور گلے میں انسان کی کھوپڑی لٹکاتے تھے اور عبرت و خاکساری کے لئے اسی میں کھاتے تھے[4] اس کے علاوہ ہند کے کچھ لوگ گیرو رنگ کا لباس بھی پہنتے تھے اور اب بھی بھکشو اسی رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں۔ بعد میں راہبوں کے لئے اس

---

[1] مولانا سید سلیمان ندوی۔ عرب و ہند کے تعلقات' کریم سنز' کراچی' ۱۹۷۶ء' صفحہ ۲۲۷

[2] صاحبزادہ عبدالرسول' تاریخ پاک و ہند' ایم آر برادرز' لاہور' ۱۹۶۴ء' صفحہ ۱۷۳

[3] ڈاکٹر محمد عمر' ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر' پاک اکیڈمی' کراچی' ۱۹۹۲ء' صفحہ ۸۱

[4] مولانا سید سلیمان ندوی۔ عرب و ہند کے تعلقات' کریم سنز پبلیشرز' کراچی' ۱۹۷۶ء' ص ۲۲۶

رنگ کا لباس مختص کر دیا گیا[1] اس طرح سہروردیوں کے ہاں خرقہ پہنا جاتا تھا وہ کلاہ' عمامہ' قمیض اور چادر کی صورت میں ہوتا تھا اور یہ خرقہ پوش تین طرح کی ہوتی تھیں۔ ایک خرقہ اجازت ہے جو تلقین اور صحبت میں اپنے کسی دوست مرید کو اپنا نائب مقرر کرنے اور طریقت کی اجازت دینے میں دیا جاتا ہے تاکہ وہ طالبوں سے آگے بیعت لینے کا اپنے آپ کو مجاز سمجھے۔ دوسرا خرقہ ارادت اس صوفی کو عطا ہوتا ہے جو روحانیت میں استقامت اور جدوجہد میں مصروف نظر آتا ہے۔ تیسرا خرقہ تبرک ہے۔ شیخ جس پر مہربان ہو اس کو عطا کیا[2] اس کے علاوہ صوف یا اون کے بنے ہوئے کپڑے بھی پہنے جاتے تھے۔ شیخ ابو نجیب سہروردی کسی مخصوص لباس کے پابند نہیں تھے بلکہ بغیر تکلف اور بلا مقصد جیسا لباس مل جاتا پہن لیتے تھے[3] گدڑی بھی پہنی گئی ہے۔ لباس کے لئے اس طرح ہونا چاہئے کہ حلال کمائی سے بنایا جائے۔ محض یہ نظریہ ہو کہ اللہ کی رضامندی (ستر عورت) کے لئے لباس پہنے۔ علاوہ ازیں یہ بھی مقصود ہو کہ خود کو سردی یا گرمی سے بچائے یعنی نفس کی حفاظت سردی یا گرمی سے کردے۔ عام طور پر ہند کے سہروردی اسی قسم کا لباس پہنتے تھے۔

شیخ عثمان مروندی لعل شہباز قلندر سرخ لباس پہنتے تھے جس کی وجہ سے آپ کو لال شہباز کا خطاب دیا گیا[4] اس کے علاوہ لباس کے متعلق ہے

[1] ڈاکٹر محمد عمر' ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر' پاک اکیڈمی' کراچی' ۱۹۹۲ء' صفحہ ۳۴۴
[2] ابو الفیض قلندر علی سہروردی۔ الفقر فخری' مرکزی مجلس سہروردی' لاہور' سن ندارد' صفحہ ۲۶۰
[3] شیخ شہاب الدین عمر سہروردی۔ عوارف المعارف' ترجمہ شمس بریلوی' مدینہ پبلیشنگ کمپنی' کراچی' ۱۹۸۹ء' صفحہ ۵۱۱
[4] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان' جلد اول' قصر الادب' رائٹرز کالونی' ملتان' ۱۹۷۲ء' صفحہ ۱۵۸

کہ ابو الفیض قلندر علی سہروردی کا لباس نہایت سادہ ہوتا اور غیر انگشت نما ہوتا تھا[1] سہروردی عمدہ پوشاک پہنتے تھے۔ شیخ بہاؤالدین ذکریا کے پاس ایک آدمی رنگ دار لباس پہن کر آیا آپ اس پر ناراض ہوئے اور ارشاد فرمایا یہ شیطانی لباس ہے اس کو اُتار دے[2] اس کے علاوہ شیخ شرف الدین احمد منیری کو شیخ مخدوم جہانیاں جہاں گشت' سید جلال الدین بخاری نے دستار بھیجی تھی[3] مذکورہ بالا عبارت کو دیکھنے سے سہروردی اور ہندو معاشرت کچھ اس طرح سامنے آتی ہے۔

سہروردی	ہندو
۱۔ ان کا لباس ٹوپی' پگڑی' کُرتا' تہبند اور شلوار پر مشتمل ہوتا تھا	۱۔ ان کا لباس کرتا' پگڑی' لنگی' تہبند پر مشتمل ہوتا تھا۔ زیادہ بغیر سلے کپڑے پہنے جاتے تھے
۲۔ عورتوں کا برقعہ' قمیض' شلوار اور دوپٹہ پر لباس پر مشتمل ہوتا تھا۔	۲۔ عورتوں میں دو چادر اور ایک چادر کا لباس تھا اور گھاگرے اور تنگ کُرتی کا رواج بھی تھا اور ریشمی ان پر امیر لوگ کام بھی کراتے تھے۔
۳۔ سرخ رنگ کا لباس زیب تن بھی کرتے تھے۔	۳۔ گیرو رنگ عام پہنا جاتا تھا اور عورت میں عام رواج بھی۔

[1] ابو الفیض قلندر علی سہروردی۔ الفقر فخری' مرکزی مجلس سہروردی' لاہور' سن ندارد' صفحہ ۱۵
[2] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان' قصر الادب' رائٹرز کالونی' ملتان' ۱۹۵۷ء' صفحہ ۱۰۵
[3] سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔ بزم صوفیہ' علامہ ابو البرکات اکیڈمی' لاہور' ۱۹۸۸ء' صفحہ ۴۳۱

سہروردی	ہندو
۴۔ رنگدار لباس کو آدمی پر بُرا معلوم ہونے کی بناء پر اترواد یتے تھے	۴۔ ہر رنگ استعمال کرتے تھے رنگدار زیادہ محبوب تھا۔
۵۔ قیمتی لباس بھی پہنتے تھے اور سادہ لباس بھی پہنتے تھے۔	۵۔ امیر لوگوں میں قیمتی اور غریب لوگوں میں سادہ لباس پہنا جاتا تھا۔
۶۔ لباس موٹا پہنتے تھے اور بعض اوقات لباس کے اُوپر جبہ (خرقہ) بھی پہنتے تھے۔	۶۔ باریک لباس اور موٹا لباس دونوں قسم کے استعمال کئے جاتے تھے۔
۷۔ نظریہ تھا کہ ستر عورت ہو اور موسم کی سختی سے لباس جسم کو محفوظ رکھے۔	۷۔ بعض صرف لنگوٹی پہنتے تھے اور بعض ننگے بھی رہتے تھے۔
۸۔ رنگوں میں ہر رنگ لباس میں استعمال کرنے میں نقص نہیں سمجھتے تھے۔	۸۔ عورتوں میں گھونگھٹ کا طریقہ بھی رائج تھا۔
۹۔ زیادہ تر سفید رنگ پہنتے اور پسند کرتے تھے۔	۹۔ عورتوں میں ساڑھی کا رواج بھی تھا۔
۱۰۔ سہروردیوں کے ہاں تمام تر لباس سلا ہوا پہنا گیا تھا۔	۱۰۔ نوجوان سرخ تہبند پہنتے تھے اور سلا ہوا لباس بعض کو معلوم ہی نہ تھا۔
۱۱۔ ٹکڑوں کی صورت میں یا کئی رنگ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ملا کر کپڑے نہیں بناتے تھے کہیں گوڑی پہننے کا رواج تھا جو لباس پر پہنی جاتی تھی لیکن سہروردیوں میں نہیں تھا اور	۱۱۔ بعض گلے میں کھوپڑی پہنتے تھے اور چیتے کی کھال جسم کے ایک حصہ پر لٹکائے رکھتے تھے اور سردیوں میں چٹائی اوڑھتے تھے اور بعض مختلف رنگوں کے ٹکڑے جوڑ کر سی

سہروردی	ہندو
سندھ علاقے کا رواج چلا آرہا ہے کہ عام گھروں میں گدڑی یعنی مختلف رنگدار کپڑے کے ٹکڑوں سے آج بھی چادر تیار کی جاتی ہے۔	لیتے تھے اور اس چادر کو لباس کے طور پر استعمال کرتے تھے۔
۱۲۔ سہروردیوں میں رنگدار کپڑا مشائخ کے لئے ضروری تصور نہیں کیا جاتا تھا۔	۱۲۔ راہبوں کے لئے گیرو رنگ کو مخصوص کردیا گیا تھا۔

ہند کے معاشرے میں سن بکرماجیت رائج تھا اور اہل ہند اپنے سال کی ابتداء بکرماجیت کے جلوس سے کرتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت سنہ بکرمی کے چھ سو اکیس سال گزر چکے تھے[1] اس طرح ہندوؤں کی اصلاح کے لئے اور معاشرے کی تطہیر کے لئے بدھ مت اور جین مت کے نام سے دو مذہب تبلیغ وترویج کے لئے موجود تھے۔ بدھ مت کی تعلیمات تھیں کہ خواہشات کو ختم کیا جائے کیونکہ تمام تکالیف اسی وجہ سے ہیں۔ انسان کو آٹھ اُصول اپنانا چاہئیں۔

۱۔ پاکیزہ خیالات
۲۔ پاکیزہ گفتگو
۳۔ پاکیزہ ارادے
۴۔ پاکیزہ اعمال
۵۔ پاکیزہ رہائش

۱؎ محمد قاسم فرشتہ۔ تاریخ فرشتہ' جلد اول' ترجمہ عبدالحئی خواجہ' شیخ غلام علی اینڈ سنز' لاہور' سن ندارد' صفحہ ۲۱۰

۶۔ پاکیزہ جدوجہد
۷۔ پاکیزہ دل
۸۔ پاکیزہ فکر

ان خیالات کو قریہ قریہ گاؤں گاؤں پھیلایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ہندو مت میں اصلاح کے لئے اور معاشرہ کی اصلاح کے لئے جین مت مذہب موجود تھا۔ کسی جانور کو اذیت نہ دینا' چوری نہ کرنا' جھوٹ نہ بولنا' ملکیت نہ رکھنا اور بد فعلی سے بچنا اس کے مشہور اصول تھے[1] ان دونوں مذاہب میں کسی کو تکلیف نہیں دی جائے گی۔ یہ تبلیغی مذاہب تھے سماجی مساوات کے قائل تھے' ذات پات کی بندش کو لغو قرار دیتے تھے ان مذاہب میں چھٹی صدی ہجری میں بُت پرستی تھی اور دونوں میں تنظیم موجود تھی۔ قربانی کے دونوں مخالف تھے۔ عام فہم اور آسان طریقہ سے پالی اور پراکرت زبانوں میں تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھتے تھے۔ سبزی' گندم' باجرہ' مکئی' دال اور دودھ پر ان کی غذا کا انحصار تھا۔ ان کے معاشرے میں غلامی کا رواج نہیں تھا۔ اس طرح سہروردیوں کا مذہب تبلیغی تھا۔ یہ اپنے دستور کے مطابق اپنے بااستعداد مریدوں کو تربیت کرکے دور دراز علاقوں میں لوگوں کی رہنمائی اور خدمت کے لئے مقرر کرتے تھے۔ شیخ الاسلام زکریا ملتانی نے اسی طور سے سید جلال الدین بخاری اول کو سندھ کے شہر اوچ (موجودہ پنجاب علاقہ میں) لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا[2] سہروردی اپنے سال کا آغاز سن ہجری سے کرتے تھے اور ابتدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے کرتے ہیں اور تبلیغ کی غرض سے موسم گرما میں یہ بزرگ کشمیر' افغانستان' بخارا اور نیشاپور کی

[1] صاحبزادہ عبدالرسول۔ تاریخ پاک و ہند' ایم آر برادرز' لاہور' ۱۹۶۴ء' صفحہ ۸۷ اور ۸۹
[2] مولانا سید سلیمان ندوی۔ عرب و ہند کے تعلقات' کریم سنز' کراچی' ۱۹۷۶ء' صفحہ ۲۸۳

جانب دورہ کرتے تھے اور موسم سرما میں پنجاب' سندھ' راجپوتانہ میں سفر کرتے تھے۔ ہر منزل پر تبلیغی مجالس ترتیب دیتے تھے[1] دین اسلام کے اُصولوں کی تبلیغ و اشاعت کرتے تھے۔ جو لوگ اسلام قبول کرکے تصوف و روحانیت میں داخل ہوتے تھے ان کے لئے سہروردیوں کی تعلیمات کے اول یعنی توبہ' دوسرا زہد' تیسرا توکل' چوتھا قناعت' پانچواں عزلت' چھٹا توبہ (استعداد باللہ) ساتواں صبر' آٹھواں رضا' نواں ذکر اور دسواں مراقبہ کے اُصول قرار دیتے ہیں[2] مذکورہ بالا عبارات کو دیکھتے ہوئے کچھ مندرجہ ذیل قسم کا خاکہ سامنے آتا ہے۔

سہروردی	ہندو
۱۔ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سال کی ابتداء کرتے ہیں	۱۔ سال کی ابتدا بکرماجیت کے جلوس سے کرتے ہیں
۲۔ سن ہجری کہلاتا ہے۔	سن بکرماجیت کہلاتا ہے۔
۳۔ سہروردی کا نظریہ تبلیغی ہے	۳۔ بدھ اور جین کا نظریہ تبلیغی ہے
۴۔ اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں	۴۔ بدھ مت اور جین مت کی تبلیغ کرتے ہیں
۵۔ سہروردیوں نے روحانیت کے لئے چند اُصول مرتب کئے ہیں	۵۔ ان کے بھی چند اُصول منتخب و مرتبہ ہیں۔
۶۔ حلال جانوروں کی قربانی پیش	۶۔ کسی جاندار کو تکلیف دینا انسانیت

[1] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان' جلد اول' قصر الادب' رائٹرز کالونی' ملتان' ۱۹۷۲ء' صفحہ ۱۴۵
[2] ابوالفیض قلندر علی سہروردی۔ الفقر فخری' مرکزی مجلس سہروردی' لاہور' سن ندارد' صفحہ ۳۱

سہروردی	ہندو
کرنا سہروردیوں کا طریقہ تھا	کیخلاف سمجھتے تھے اسی بناء پر کسی قسم کے جانور کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔
۷۔ اپنے نظریہ کے لئے جہاد کرتے اور اس میں قربانی اپنی جانوں کی پیش کرتے اور یہ عظیم عبادت ہے۔ شیخ جلال سلہٹی' شیخ سعدی نے جہاد میں حصہ لیا۔ میراں موجِ دریا سہروردی نے جہاد کیا[۱]	۷۔ ان کے ہاں قانون اہنسا (یعنی کسی جاندار چیز کو تکلیف نہ دی جائے) پر حدِ اعتدال سے بڑھ کر عسکری طاقت بہت کمزور ہوگئی جنگ و جدل کی تمام صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ گئیں چنانچہ جو حملہ آور بھی آئے انہوں نے نہایت آسانی کے ساتھ ملک کو مغلوب کر لیا[۲]
۸۔ ایک اللہ کی عبادت کرتے اور کسی خدا پر یقین نہیں رکھتے۔	۸۔ ہاتھوں سے مورتیاں بنا کر ان کی عبادت کرتے تھے۔
۹۔ سہروردی افراد میں تنظیم موجود تھی۔	۹۔ بدھ اور جین میں تنظیم تھی
۱۰۔ آسان الفاظ اور تمثیل سے فارسی' عربی اور ہندی میں تبلیغ کرتے تھے اور معاشرے کی اصلاح کرتے تھے	۱۰۔ آسان الفاظ میں پالی اور پراکرت زبان میں تبلیغ کرتے اور معاشرے کی اصلاح کرتے تھے
۱۱۔ ان کی غذا گوشت' سبزی' دال' چاول اور دودھ پر مشتمل تھی	۱۱۔ ان کی غذا میں سب چیزیں تھیں لیکن گوشت نہ تھا

[۱] علامہ عالم فقری۔ تذکرہ اولیاء پاکستان' شبیر برادرز' لاہور' ۱۹۹۰ء' صفحہ ۲۶۲

[۲] صاحبزادہ عبدالرسول۔ تاریخ پاک و ہند' ایم آر برادرز' لاہور' سن ندارد صفحہ ۸۶

سہروردی	ہندو
۱۲۔ اچھی غذا کی وجہ سے نسلِ انسانی کی افزائش زیادہ رہی[۱] اور ہند کے لوگوں سے صحت بھی اچھی تھی	۱۲۔ بہتر غذا کے اعراض کی وجہ سے نسلِ انسانی کی زیادہ افزائش نہ کر سکے +
۱۳۔ سہروردیوں کے ہاں غلامی کا رواج نہ تھا اور اس دور میں سلطان شمس الدین التمش' سلطان ایبک' سلطان ناصر الدین قباچہ اور سلطان بلبن غلام تھے اور اچھی کارکردگی سے حکمران بن گئے تھے۔	۱۳۔ بدھ اور جین میں غلام رکھنے اور ان سے کام لینے کا رواج نہ تھا۔
۱۴۔ ذات پات کے مخالف تھے۔	۱۴۔ ذات پات کے مخالف تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدھ اور جین لوگوں میں جو اصول چوری نہ کرنا' سچ بولنا' جھوٹ سے بچنا اور پاکیزگی کا خیال رکھنا رواج پا گئے یہ باتیں سہروردیوں میں بھی رائج تھیں۔ اس سے بعض باتوں میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ ہند کے معاشرے میں رسم و رواج بھی عجیب قسم کا پایا جاتا تھا۔ ان میں ایک پان کا رواج تھا۔ قدرتی طور پر مسلمانوں میں پان کھانے کا رواج ہندوستانی تہذیب کی دین ہے۔

ہندوستان میں پان چونے کے ساتھ کھا کر اور سپاری چبا کر دانتوں کو سرخ کیا جاتا تھا[۲] پان کے علاوہ نکاح کی رسم میں شیخ صدرالدین محمد عارف

[۱] شیخ محمد اکرام۔ آب کوثر' ادارہ ثقافت اسلامیہ' لاہور' ۱۹۹۲ء' صفحہ ۳۸۴

+ ہند کی خوشحالی کی وجہ سے اناج عام تھا جسکی بناء پر ہندوؤں نے گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا' اور اسکے بعد جانوروں کو مقدس ٹھہرا لیا گیا' بہت وجوہات میں ایک یہ وجہ بھی تھی۔ راقم

[۲] ڈاکٹر محمد عمر' ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر' پاک اکیڈمی' کراچی' ۱۹۹۲ء' صفحہ ۲۲۴

کے عقد کے موقع پر مٹھائی اور تل تقسیم ہوئے تھے۔ بی بی راستی سے ایجاب و قبول کی رسم ادا کی گئی۔ بی بی راستی کا والد فرغانہ علاقے کا بادشاہ تھا۔ اس کے باوجود ملتان میں رہتے ہوئے دین اسلام کی تعلیم عام بچیوں کو دیا کرتی تھیں۔ یتیم بچیوں' بیوہ اور بے کس عورتوں کے علاوہ بڑے بڑے امراء کی بہو بیٹیاں بھی دینی مسائل سمجھنے کے لئے آمدورفت رکھتی تھیں۔ ان سب کا قیام و طعام بی بی راستی بڑی محبت سے کرتی تھیں۔ محل میں جس قدر لونڈیاں اور خادمائیں تھیں اکثر ان میں عارفہ روزگار تھیں۔ صبح کو چکی پیسنے بیٹھتیں تو قرآن ختم کر کے اٹھتیں[1] اس وقت ہند میں دولہا کو نائی نہلاتا تھا اور نائن جسم پر تیل ملتی تھی اور دولہا دلہن کے گھروں کے دروازوں پر آم کے پتوں کی مالائیں بنا کر شگون کے لئے آویزاں کرتے تھے[2] دولہا دلہن کو ایک دوپٹا کے نیچے سر جوڑ کر بٹھا دیتے تھے اسوقت بھجن گائے جاتے تھے۔ بعض اوقات دولہا کی قمیض کے ساتھ دلہن کا دوپٹا باندھ دیا جاتا تھا۔ اس طرح ان علاقوں میں جب آدمی بیماری سے نجات پاتا تھا تو اوقت یہ رسم تھی کہ مٹھائی تقسیم کی جائے۔ یہ خوشی کا اظہار تھا۔ غیر مسلم اپنے بُت کدوں میں مٹھائی بتوں کے سامنے رکھتے تھے اور امیر بھی اس طرح کرتے تھے اور مسلمان بادشاہوں کے ہاں یہ رسم تھی کہ وہ سونا اور چاندی لوگوں میں تقسیم کرتے۔ ان کے علاوہ حق داروں کو بھی اسی طرح فیض یاب کرتے تھے۔[3] کھانے پکتے

[1] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تذکرہ صدرالدین عارف' قصر الادب' رائٹر کالونی' ملتان' ۱۹۸۸ء' صفحہ ۴۸

[2] ڈاکٹر محمد عمر۔ ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر' پاک اکیڈی' کراچی' ۱۹۹۲ء' صفحہ ۱۴۶

[3] محمد قاسم فرشتہ۔ تاریخ فرشتہ' ترجمہ عبدالحیٔ خواجہ' غلام علی اینڈ سنز' لاہور' سن ندارد' صفحہ ۷۰۷

اور غریبوں کو کھلائے جاتے تھے۔ ایک رسم و رواج میں حقہ بھی تھا۔ ہندوستان میں آنے سے قبل مسلمانوں میں حقہ پینے کا رواج نہیں تھا حقہ نوشی کا شوق ہندوستان سے ہی ملا ہے۔ خیال ہے کہ تمبا کو امریکی لفظ ہے اور یہ لفظ اور تمباکو دونوں اکبری عہد میں ہندوستان پہنچے ہیں۔ اول اول تمباکو پرتگالیوں کی وساطت سے ہندوستان آیا۔ جزائر ہند اور دکن میں پہلے پہنچا[1] سہروردیوں میں حقہ کے متعلق کچھ نہیں ملتا اور وہ اُصول ان کے ہاں رائج تھے جن کو دین اسلام کہا جاتا ہے۔ اس بالا عبارت کو دیکھتے ہوئے کچھ اس طرح کا موزانہ سامنے آتا ہے۔

سہروردی	ہندو
۱۔ پان کی رسم نہ تھی اور نہ ہی اس کو حرام سمجھتے تھے۔	۱۔ پان کی رسم تھی اور مہمان نوازی کے لئے ضروری سمجھا جاتا تھا۔
۲۔ چونے اور سپاری کو کھانے اور چبانے کا رواج نہ تھا۔	۲۔ چونا پان میں لگا کر کھاتے تھے اور سپاری چباتے تھے۔
۳۔ پان کی رسم کو اپنے لئے غیر ضروری سمجھنے سے ہی دوری اختیار کئے ہوئے تھے۔	۳۔ اس علاقے میں پرانی رسم چلی آ رہی تھی۔
۴۔ شادی کے موقع پر خطبہ نکاح پڑھا جاتا تھا اور مٹھائی' تل براتیوں میں لٹائے اور تقسیم کئے جاتے تھے اور دلہا اور دلہن میں ایجاب و قبول کرایا جاتا تھا۔ براتیوں کی شربت اور کھانے سے تواضع کی جاتی تھی۔	۴۔ شادی کے موقع پر رنگ لوگوں پر ڈالا جاتا تھا' دلہا دلہن ایک دوپٹے کے نیچے بٹھائے جاتے۔ دلہا کے کُرتے کے ساتھ دلہن کے دوپٹے کیساتھ باندھ دیتے بھجن گائے جاتے تھے' براتیوں میں شربت اور کھانے

[1] ڈاکٹر محمد عمر' ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر' پاک اکیڈی پبلشرز' کراچی' ۱۹۹۲ء' صفحہ ۲۲۸

سہروردی	ہندو
	اور پان پیش کیئے جاتے تھے۔
۵۔ عام و خاص میں شادی ہو جاتی تھی	۵۔ ذات کے باہر شادی نہیں ہوتی تھی۔
۶۔ دلہا دلہن شادی کے موقع پر خود نہا لیتے تھے	۶۔ دلہا دلہن کو نائی اور نائن نہلاتی تھی۔
۷۔ دروازے پر کسی درخت کے پتے نہیں باندھتے تھے۔	۷۔ دلہا دلہن کے دروازے پر شگون کے لئے آم کے پتے باندھ دیتے تھے۔
۸۔ عورتوں میں (لونڈی یا غلام یا عام عورت) تعلیم عام تھی۔	۸۔ تعلیم مخصوص طبقہ کے لئے تھی، عورت اس سے محروم تھی۔
۹۔ لونڈی رکھنے کا رواج تھا۔	۹۔ لونڈی رکھنے کا رواج نہیں تھا۔
۱۰۔ بیماری سے تندرست ہونے کے بعد سجدۂ شکر ادا کرتے تھے۔	۱۰۔ خوشی کا اظہار مٹھائی حسب توفیق تقسیم کر کے کرتے تھے۔
۱۱۔ عام دنوں میں اور مخصوص ایام میں اللہ کی راہ میں خیرات کرتے تھے۔	۱۱۔ دیوتاؤں کے ہاں چڑھاوے بھیجے جاتے تھے۔
۱۲۔ حقہ سے منہ میں بدبو پیدا ہوتی ہے جس میں عبادت کے اندر کراہیت آجاتی ہے۔ حقہ کا استعمال نہیں کرتے تھے۔	۱۲۔ عام رسم تھی مہمان نوازی میں حقہ پیش کیا جاتا تھا اور شوقیہ طور پر بھی حقہ پیا جاتا تھا۔

ان رسومات کے علاوہ ہند کے لوگوں کے اخلاق کو دیکھا جائے تو اس میں بھی عجیب باتیں سامنے آتی ہیں۔ ہند کے لوگوں میں مسلمان کے ہند میں

وارد ہونے سے کراہت پیدا ہوئی اور ان کو ملیچھ یا پلید کہہ کر ان سے دور رہنے کی تاکید کی گئی۔ یہاں تک کہ سکر شاہ پور علاقہ حیدر آباد دکن کے راجہ نے حکم دیا تھا کہ شیخ صوفی سرمست اور اس کے مسلمان ساتھیوں کو کھانے پینے کی کوئی چیز نہ دی جائے۔ جب بابا شرف الدین عراقی سہروردی حیدر آباد دکن تشریف لائے تو اہل دکن میں مسلمانوں سے خاص بغض و عناد تھا۔ مہاراشٹر اور دکن کے ہندو شمالی ہند اور ساحلی لوگوں کی نسبت زیادہ متعصب تھے۔ مسلمانوں کی صورت دیکھنا مکروہ سمجھتے تھے بلکہ اگر کوئی مسلمان مسافر وارد ہوتا تو اس کے ہاتھ کھانے پینے کا سامان بھی فروخت نہ کرتے تھے۔ بابا شرف الدین کے اخلاق کو دیکھ کر ان کی بڑی تعظیم کرنے لگے تھے[1]
حضرت بہاؤالدین ذکریا قسم قسم کے کھانے پکواتے تھے۔ دستر خوان پر سجاتے تھے اور مہمانوں کی خاطر فرماتے تھے اور ہر مہمان کے ساتھ کھاتے تھے جو زیادہ رغبت سے کھاتا تھا اس کی تعریف فرماتے تھے[2] ہند میں بسنے والے لوگ ہولی جلانا اور دیوالی کا تہوار بڑے شوق اور عبادت کی نیت سے مناتے تھے۔ ہولی میں آگ جلاتے ہیں اور لوگوں کے کپڑوں پر رنگ پھینکتے تھے۔ دیوالی کے تہوار میں صفائی اور سفیدی کرائی جاتی ہے، دیوالی کے دن پہلے دھن دولت اور اقبال مندی کی دیوی لکشمی کی پوجا کی جاتی ہے اور بعد کو چراغاں کیا جاتا ہے اور آپس میں مٹھائیاں اور تحائف کا لین دین ہوتا ہے[3] مذکورہ بالا عبارت سے کچھ اس طرح کا خاکہ سامنے آتا ہے۔

۱۔ شیخ محمد اکرام۔ آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۳۶۲
۲۔ حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۲۵۰
۳۔ ڈاکٹر محمد عمر۔ ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر، پاک اکیڈمی، بک پبلشرز کراچی، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۱۶۹

سہروردی	ہندو
۱۔ آدمی کسی مذہب کا بھی ہو اس کو قریب رکھتے تھے۔	۱۔ ذات پات کی وجہ سے آدمی کو علیحدہ رکھتے اور مسلمانوں کو ملیچھ ناپاک کہہ کر دور کر دیتے تھے۔
۲۔ اخلاق سے پیش آتے اور ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کرتے تھے۔	۲۔ اپنی ذات کے علاوہ اخلاق سے پیش آنے کا تصور نہ تھا۔
۳۔ عام لنگر ہوتا تھا اور اس میں ہر فرد کھا سکتا تھا۔	۳۔ اس قسم کا عام لنگر ہندوؤں میں نہیں تھا۔
۴۔ کسی فرد سے نفرت نہیں کرتے تھے۔	۴۔ مسلمانوں سے دکن حیدر آباد کے لوگ بہت نفرت کرتے تھے۔ باقی علاقے کے لوگوں میں اتنی شدت نہ تھی۔
۵۔ ہر مہمان کے ساتھ اس کا دل رکھنے کے لئے کھانا کھاتے تھے۔	۵۔ ایسا رواج ہندو معاشرے میں نہیں تھا۔
۶۔ اخلاقی قدروں کی وجہ سے بلند پایا مقام تھا۔	۶۔ اخلاقی قدریں نہ ہونے کے برابر تھیں۔
۷۔ بزرگوں کے عرس تقاریب کی صورت میں موجود تھے ان میں کھانا ہر فرد کھا سکتا تھا۔	۷۔ مختلف تہواروں کا منایا جانا مذہبی طور پر ضروری تھا ان میں ہولی اور دیوالی تہوار منائے جاتے تھے۔ ان میں کھانا اور مٹھائیوں کا آپس میں لین دین کرتے تھے۔

سہروردی	ہندو
۸۔ ہر روز صفائی کا خیال رکھا جاتا تھا اور صفائی ان کے بنیادی عقائد میں موجود تھی۔	۸۔ خصوصی طور پر دیوالی تہوار میں صفائی کا اہتمام ہوتا تھا۔
۹۔ تقریبات میں بھی صرف ایک اللہ کی عبادت ہوتی تھی کسی تقریب میں بھی لہو و لعب اور بے حیائی نہیں ہونے دیتے تھے۔	۹۔ تہواروں میں بھی دیوی اور دیوتاؤں کی پوجا ہوتی تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ سہروردیہ کے لوگوں میں اور ہندوؤں میں اخلاقی بڑا فرق تھا اور سہروردی ہندو معاشرت سے بالکل مختلف تھے اور اصول سہروردیوں نے معاشرت میں اپنا لئے تھے وہ انسانی بھائی چارہ، مساوات اور ہمدردی پر مشتمل تھے اس سے انسانوں کی بہبود و فلاح اور انسانی قدروں کی حمایت معلوم ہوتی ہے جبکہ ہندو معاشرت انسان کی فلاح نہیں دیوی اور دیوتا اور تہواروں کے حق میں معلوم ہوتی ہے۔ انہی وجوہات سے اسلام کی اشاعت خوب ہوئی اور ہندو نظریات سہروردیوں کے نظریات کا مقابلہ نہ کر سکے۔ کثرت سے ہندو اسلام قبول کر کے مسلمان ہو گئے تھے۔

جب ہند کی سرزمین پر سلسلہ سہروردیہ پہنچا اس وقت علاقے میں سلسلہ چشتیہ موجود تھا۔ یعنی ہند میں چشتیہ سلسلہ پرانا ہے اور وہ دین اسلام کی ترویج و اشاعت کے لئے جدوجہد کر رہا تھا۔ چشتیہ سلسلہ کے ہند میں بانی خواجہ معین الدین چشتی (متوفی ۶۳۳ھ) ہیں۔ آپ سے ہندوستان میں سلسلہ پھیلا اور نوے لاکھ لوگ آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے [۱] بہت

[۱] مولانا محمد ذکریا۔ تاریخ مشائخ چشت، مکتبہ الشیخ، کراچی، ۱۴۰۶ھ، صفحہ ۱۶۶

موزوں ہوگا کہ سلسلہ سہروردیہ اور سلسلہ چشتیہ کا بھی کچھ موازنہ کیا جائے۔ چشتیوں کے عوام وخواص پر اس قدر اثرات تھے کہ خواجہ معین الدین چشتی کے ہاتھ پر بہت لوگ اسلام لائے جو لوگ اسلام نہیں لائے وہ حضرت سے خوش عقیدگی رکھتے تھے آپکی خدمت میں تحفے تحائف بھیجتے تھے اور آج تک قرب وجوار کے کفار و مشرکین ان کی زیارت کے لئے حاضری دیتے ہیں[۱] اور چشتیہ سلسلہ میں سہروردیوں کی کتاب عوارف المعارف کو شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر پڑھایا کرتے تھے اور شیخ نظام الدین اولیاء آپ سے پڑھا کرتے تھے[۲] اور سلسلہ چشتیہ میں سماع' ادبیت' شعروشاعری' ملائمت اور غیر مسلموں کے ساتھ غیر معمولی رواداری اہم خصوصیات تھیں[۳] اور ان میں موسیقی بھی تھی اور وہ کچھ اس طرح ہوتا کہ اول خواجہ خسرو غزل پڑھتے دائیں طرف خواجہ خسرو اور امیر حسن بیٹھتے اور بائیں جانب خواجہ مبشر اور یہ مبشر خواجہ نظام الدین اولیاء کے زرخرید غلام تھے۔ آواز بہت اچھی تھی۔ لحن داؤدی کے مالک تھے۔ خواجہ خسرو اور خواجہ حسن علوم موسیقی میں بے مثل تھے۔ انکی آواز بھی بے نظیر تھی دو سو قوال حضرت شیخ کے نمک خوار تھے[۴] اس طرح سہروردیوں کو دیکھیں کہ وہ شریعت کی پابندی پر زیادہ زور دیتے تھے اور انہیں گانا یا رقص ووجد سے بھی اختلاف تھا اور سلسلہ

۱ شہزادہ دارا شکوہ قادری۔ سفینۃ الاولیاء' ترجمہ محمد علی لطفی' نفیس اکیڈمی' کراچی' ۱۹۸۶ء' صفحہ ۱۲۸

۲ خواجہ نظام الدین اولیاء۔ فوائد الفواد' ترجمہ حسن نظامی' اردو اکادمی دہلی' بھارت' ۱۹۹۲ء' صفحہ ۴۳۹

۳ شیخ محمد اکرام۔ آب کوثر' ادارۂ ثقافت اسلامیہ' لاہور' ۱۹۹۲ء' صفحہ ۲۵۲

۴ حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین' ترجمہ محمد ایوب قادری' اردو سائنس بورڈ' لاہور' ۱۹۸۹ء' صفحہ ۹۹

سہروردیہ میں تقریب وتوسل حق سبحانہ کی سب چیزیں موجود ہیں سوائے سماع کے[۱] اور ظاہری صفائی میں بھی سہروردیوں کی کچھ اس طرح عادت تھی کہ ایک ملنگ اندر آیا کچھ دیر بیٹھا اور پھر اُٹھا اور چلا گیا۔ شیخ نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ اس قماش کے لوگ شیخ بہاؤالدین ذکریا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کم بار پاتے تھے اور شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر کی خدمت میں ہر طرح کے درویش اور غیر درویش پہنچ جاتے تھے[۲] اور اُمورِ شرعی میں سہروردی سلسلہ چشتیہ سے زیادہ محتاط تھے۔ سہروردی شریعت کے خلاف کسی بات کو دیکھتے تو فوراً اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے تھے اور ان غیر مذاہب کے ساتھ برتاؤ غیر معمولی رواداری کا بھی نہیں تھا۔ تبلیغ کا جذبہ سیر وسیاحت کا شوق چشتیوں سے کہیں زیادہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چشتیوں کا رنگ جمالی تھا اور سہروردیوں کا رنگ جلالی تھا۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ تھا کہ اگرچہ دار الخلافہ کی نازک مزاج اور حساس ہستیوں کو سہروردی کسی حد تک مسخر نہ کرسکے لیکن اطراف ملک میں انہوں نے اسلام کا ڈنکا خوب بجایا اور اسلام کی بڑے پرجوش طریقے سے اشاعت کی[۳] ان دونوں سلاسل میں ایک شخص ایک ہی وقت میں بیعت ہو سکتا ہے اور فیض حاصل کرسکتا ہے اور سلسلہ چشتیہ کے بزرگ امراء اور سلاطین سے دور رہتے تھے لیکن سہروردی کے بزرگ امراء و سلاطین سے مراسم اور تعلقات بڑے اچھے تھے۔ دونوں سلاسل کے بزرگ بڑے فیاض اور سخی دل واقع ہوئے ہیں

۱ مولانا نور احمد خان فریدی۔ تذکرہ حضرت بہاؤالدین ذکریا' قصر الادب' رائٹر کالونی' ملتان' ۱۹۵۷ء' صفحہ ۸۸

۲ خواجہ نظام الدین اولیاء۔ فوائد الفواد' ترجمہ حسن نظامی' اردو اکادمی دہلی' بھارت' ۱۹۹۲ء' صفحہ ۱۹۷

۳ شیخ محمد اکرام۔ آب کوثر' ادارۂ ثقافت اسلامیہ' لاہور' ۱۹۹۲ء' صفحہ ۱۹۷

اور کھانے میں شیخ بہاؤالدین ذکریا بہترین غذا کھاتے تھے[1] شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر کا کھانا معمولی اور بعض اوقات فاقہ میں بھی رہتے تھے۔ پوشاک خستہ تھی جو آپ کے پاس آتا تھا وہ خیرات کر دیتے تھے[2] شیخ فریدالدین مسعود روزے زیادہ رکھتے تھے اور نماز نوافل کم پڑھتے تھے جبکہ شیخ بہاؤالدین ذکریا روزہ کم رکھتے تھے البتہ اطاعت و عبادات بہت کرتے تھے[3] اور چشتی حضرات ذکر جہر کرتے ہیں۔ کلمہ شہادت پڑھتے وقت الا اللہ پر زیادہ زور دیتے ہیں اور رنگ دار کپڑے پہنتے ہیں اور سہروردی سانس بند کر کے اللہ ھو کا ذکر کرتے ہیں لیکن ذکر خفی اور جلی دونوں کے قائل ہیں اور تلاوت قرآن پر خاص زور دیتے ہیں[4] بالا مذکورہ عبارت سے چشتیوں اور سہروردیوں میں معاشرتی موازنہ کچھ اس طرح سامنے آتا ہے۔

سہروردی	چشتی
ا۔ شیخ بہاؤالدین ذکریا سلطان شہاب الدین غوری کے دور میں ہندوستان پہنچے اور سہروردی سلسلہ ساتھ لائے۔	ا۔ شیخ معین الدین چشتی ہند میں شیخ بہاؤالدین ذکریا سے پہلے موجود تھے۔
۲۔ ہند میں سلسلہ سہروردیہ کے بانی	۲۔ ہند میں چشتی سلسلہ کے بانی

[1] ڈاکٹر ظہور الحسن شارب۔ تذکرہ اولیاء پاک و ہند' الفیصل ناشران و تاجران لاہور' ۱۹۶۵ء' صفحہ ۴۶

[2] ایضاً صفحہ ۵۹

[3] خواجہ نظام الدین اولیاء۔ فوائد الفواد' ترجمہ حسن نظامی' اردو اکادمی دہلی' بھارت' ۱۹۹۲ء' صفحہ ۸۰۳

[4] شیخ محمد اکرام۔ آب کوثر' ادارہ ثقافت اسلامیہ' لاہور' ۱۹۹۲ء' صفحہ ۲۵۳

سہروردی	چشتی
شیخ بہاؤالدین ذکریا ہیں۔	خواجہ معین الدین چشتی ہیں۔
۳۔ عقیدت مند مسلمان تھے بہت کم کہیں کافر بھی نظر آتے ہیں۔	۳۔ عقیدت مند کافر اور مسلمان دونوں تھے۔
۴۔ مسلمان تحائف بھیجتے قبول کر لئے جاتے تھے۔	۴۔ ہندو مسلمان دونوں کے تحائف قبول کر لئے جاتے تھے۔
۵۔ سہروردیوں کی مشہور کتاب عوارف المعارف ہے جس کو شیخ شہاب الدین سہروردی نے تحریر فرمایا تھا اس کتاب کو معمول میں رکھا جاتا تھا۔	۵۔ اس قسم کی چشتیوں کی کتاب نہ تھی اس وجہ سے شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر عوارف المعارف کا درس دیا کرتے تھے۔
۶۔ شاعری اور ملائمت بہت کم تھی۔	۶۔ شاعری اور ملائمت وافر تھی۔
۷۔ رواداری غیر مسلموں سے نہیں تھی	۷۔ غیر مسلموں سے رواداری بہت تھی۔
۸۔ قوالی کے قائل تھے لیکن سنتے نہیں تھے بعد میں کچھ سہروردیوں نے قوالی سنی بھی ہے۔	۸۔ قوالی کے ہمیشہ شوقین رہے ہیں۔
۹۔ موسیقی کے مخالف رہے ہیں۔	۹۔ موسیقی کی وجہ سے خواجہ امیر خسرو' خواجہ حسن اور خواجہ مبشر کی بڑی شہرت ہے
۱۰۔ شریعت کی سخت پابندی کرنیوالے تھے اور گانا' رقص اور وجد سے اختلاف تھا۔	۱۰۔ شریعت کی پابندی میں سختی نہیں تھی گانا رقص اور وجدان کے ہاں ہوتا تھا۔

سہروردی	چشتی
۱۱۔ عام ملنگ اور ظاہری وضع داری خراب رکھنے والے کو پسند نہیں کرتے تھے	۱۱۔ ملنگ بلکہ ہر قسم کا آدمی آکر بیٹھا رہتا تھا۔
۱۲۔ تبلیغی جذبہ سہروردیوں میں بہت زیادہ تھا۔	۱۲۔ تبلیغ کرتے تھے لیکن جذبہ زیادہ نہ تھا۔
۱۳۔ سیر و سیاحت کے بہت شوق رکھنے والے تھے لہٰذا شیخ بہاؤالدین ذکریا، شیخ لال شہباز قلندر، شیخ رکن الدین عالم، شیخ جہاں گشت مصر سے انڈونیشیا تک مختلف ممالک میں سیر و سیاحت کرتے رہے ہیں۔	۱۳۔ سیر و سیاحت کے یہ بھی شوقین تھے لہٰذا خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ بختیار کاکی اور خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر عرب و عجم کے بہت ممالک میں تشریف لے گئے تھے۔
۱۴۔ شریعت کے سلسلہ میں نرمی نہیں تھی بلکہ پابندی کرانے کیلئے کافی سختی تھی اس وجہ سے ان کا جلالی رنگ غالب رہا ہے۔	۱۴۔ چشتیوں کا نرمی کی بنا پر جمالی رنگ تھا۔
۱۵۔ ہند کے مختلف دور دراز علاقوں میں پہنچ کر دین اسلام کی تبلیغ فرمائی اور اس طرح گنجان شہروں میں کم نظر آتے ہیں۔	۱۵۔ گنجان شہروں میں رہائش پذیر ہوئے اور کچھ اطراف میں بھی نکلے۔
۱۶۔ مختلف بلاد کے اطراف میں تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف رہنے کی بنا پر تاریخ سے زیادہ تر او جھل رہ گئے۔	۱۶۔ شہروں میں رہنے اور شاعر و ادیب لوگوں کے ساتھ رہنے سے تاریخ میں بلند مقام حاصل کیا۔

سہروردی	چشتی
۱۷۔ سہروردی، سلسلہ سہروردیہ میں بیعت کے ساتھ دوسرے سلاسل میں بھی بیعت ہو سکتا ہے تاکہ باقی سلاسل سے بھی فیض حاصل کیا جاسکے۔	۱۷۔ چشتی سہروردیوں میں بھی بیعت ہو سکتا ہے دونوں سلاسل میں یہ بات مشترک رہی ہے۔
۱۸۔ سلسلہ سہروردیہ کی روحانی نسبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہے تمام سلاسل کی روحانی نسبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہے[۱]	۱۸۔ چشتیوں کی روحانی نسبت بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جاملتی ہے۔
۱۹۔ سہروردی امراء و سلاطین سے تعلقات اور مراسم رکھتے تھے۔	۱۹۔ چشتی بزرگ امراو سلاطین سے تعلقات اور مراسم نہیں رکھتے تھے۔
۲۰۔ دریادل اور نہایت سخی تھے۔	۲۰۔ کشادہ دل اور بہت سخی لوگ تھے
۲۱۔ عمدہ غذا استعمال کرتے تھے۔	۲۱۔ جیسی غذا مل جاتی اس پر گزر کرتے تھے۔
۲۲۔ پوشاک عمدہ پہنتے تھے[۲] شاید امرا اور سلاطین کے پاس جانے سے یا ان کے آنے سے ایسا کرتے تھے یا مختلف علاقوں میں مختلف مسائل نمٹانے کے لئے جانا ہوتا تھا۔	۲۲۔ لباس سادہ استعمال کرتے تھے اور بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کا لباس خستہ ہوتا تھا لیکن حضرت عثمان ہارونی کا سونے کا لباس تھا جو آپ نے زیب تن فرمایا شیخ معین الدین چشتی ایک عرصہ آپ کیساتھ رہے ہیں[۳]

[۱] حضرت شاہ ولی اللہ۔ ہمعات' اردو ترجمہ پروفیسر محمد سرور' سندھ ساگر اکادمی' لاہور' ۱۹۴۲ء' صفحہ ۱۲۶

[۲] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تاریخ ملتان' جلد اول' قصر الادب' رائٹر کالونی' ملتان' ۱۹۵۷ء' صفحہ ۱۰۵

[۳] شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار ترجمہ مولانا محمد فاضل مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی سن ندارد صفحہ ۵۵

سہروردی	چشتی
	مجموعی طور پر لباس سادہ اور معمولی استعمال کیا گیا ہے۔
۲۳۔ بلند آواز سے ذکر کرنا جائز سمجھتے ہیں لیکن ذکر خفی کرتے ہیں اور اللہ ھو کا ذکر کرتے وقت سانس کو روک لیتے ہیں۔	۲۳۔ بلند آواز سے ذکر کرتے ہیں اور کلمہ شہادت کا ذکر کرتے وقت الا اللہ پر خاص زور دیتے ہیں۔
۲۴۔ قرآن پاک اور نماز کی طرف خصوصی توجہ دیتے ہیں اور ذکر کثرت سے کرتے ہیں لیکن اوراد بھی معمولات میں شامل رہتے ہیں۔	۲۴۔ سخت وظائف، چلے اور اوراد کرتے ہیں۔ قرآن اور نوافل بھی پڑھتے ہیں۔
۲۵۔ خرقہ پہنانے کا سلسلہ میں رواج تھا۔	۲۵۔ سلسلہ میں خرقہ پہنانے کا رواج تھا۔
۲۶۔ سہروردی رنگ دار کپڑے پہنتے تھے لیکن کثرت سے سفید کپڑے پہنتے اور پسند کرتے تھے۔	۲۶۔ رنگ دار کپڑے کثرت سے پہنتے تھے اور ہلکا بادامی رنگ زیادہ استعمال میں لاتے تھے[۱]۔
۲۷۔ غیر مسلموں سے ایفائے عہد کرتے تھے اور آپس میں بھی وعدہ کی پابندی کرتے تھے۔	۲۷۔ غیر مسلموں کی حفاظت کا عہد بھی ایک اہم عہد ہے جس کو پورا کرتے تھے اور یہ قرآن کا نظریہ ہے سورۃ نحل کی آیت ۲۱۹ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایفائے عہد کا حکم دیتا ہے[۲]۔

[۱] شیخ محمد اکرام۔ آب کوثر، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۵۳

[۲] ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری۔ حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنھما، ترجمہ شاہ حسن عطا، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۹۹

چھٹے باب کے بعد اب

سلسلہ سہروردیہ کی خصوصیات

ساتویں باب میں بیان کی جائیں گی۔

ساتواں باب

سلسلہ سہروردیہ کی خصوصیات

گزشتہ باب میں سہروردی اور معاشرتی موازنہ بیان کیا گیا تھا اب اس سلسلہ کی خصوصیات کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ کے بانی حضرت ابو نجیب عبدالقاہر سہروردی سے لے کر تاحال اول خصوصیت یہ دیکھنے میں آتی ہے کہ اس سلسلہ میں اتباعِ سنت کا خاص خیال رکھا جاتا ہے اور پوری کوشش کی جاتی ہے کہ ہر لمحہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر کاربند رہا جائے۔ تجلیات سہروردیہ میں حضرت شہاب الدین عمر سہروردی کے حوالے سے تحریر ہے کہ "آپ نے اتباعِ سنت پر زور دیا" [1] راقم نے کراچی، حیدر آباد اور لاہور میں سہروردی سلسلہ سے تعلق رکھنے والے افراد سے ملاقات کی ہے۔ ان کو شریعتِ اسلامیہ کی پابندی کرتے ہوئے دیکھا۔

اس خصوصیت کے متعلق عوارف المعارف کے مصنف نے تحریر کیا ہے کہ مشائخ کرام کے اخلاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنِ اتباع ہی کی بدولت سنورے اور آراستہ ہوئے ہیں اور یہی حضرات آپ کے احکام اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے سلسلہ میں آپ کی سنت کو زندہ کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں [2] دراصل دنیا اور آخرت کی فلاح و کامرانی کا اسلام میں دارومدار

---

[1] سلام سہروردی۔ تجلیات سہروردیہ، مرکز علم و فن، زریاب کالونی، پشاور، سن ندارد، صفحہ ۲۱

[2] شہاب الدین عمر سہروردی۔ عوارف المعارف ترجمہ اردو شمس بریلوی، مدینہ

(بقیہ اگلے صفحے پر......)

سنت کی اتباع میں ہے۔ سہروردیوں نے اس صفت کو اپنے اندر مداومت بخشی [1]۔ اس سلسلہ کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس سلسلہ میں سماع نہیں ہے + اس بات کو صاحب فوائد الفواد نے بھی تحریر کیا ہے کہ شیخ نجم الدین کبری گفتی کہ ہر نعمتی کہ بدر بشر ممکن است شیخ شہاب الدین را دادنش الا ذوق سماع [2] یعنی شیخ نجم الدین کبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر نعمت جو آدمی میں ممکن ہے وہ شیخ شہاب الدین کو دی گئی سوائے ذوق سماع کے۔ حضرت شیخ اوحد کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فوائد الفواد میں ہے کہ حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے انہوں نے سماع کے متعلق کہا کہ "شیخ اوحد سماع طلبید" [3] (ترجمہ) حضرت شیخ اوحد کرمانی نے فرمائش کی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلسلہ سہروردیہ میں سماع کا کسی وقت جائز ہونا ثابت ہے اور حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے سلسلہ زیادہ شہرت رکھتا ہے۔ اگر ان سے سماع ثابت ہو جاتی ہے تو اس میں کلام نہیں کیا جا سکتا لیکن غور سے ملاحظہ کریں تو بات اس طرح سامنے آتی ہے کہ حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی نے قوالوں کو بلایا اور سماع کا بندوبست کرنے کے

(گذشتہ سے پیوستہ) پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۵۷۹

نوٹ: تجلیات سہروردیہ ۳۲ صفحات پر مشتمل ایک سلام سہروردیہ کا پشاور شہر سے طبع کردہ کتابچہ ہے اور سلسلہ سہروردیہ کی بنیادی کتاب عوارف المعارف سے اخذ کیا گیا ہے۔

[1] شیخ شہاب الدین عمر سہروردی۔ عوارف المعارف، ترجمہ اردو شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۵۷۹

[2] خواجہ نظام الدین اولیاء۔ فوائد الفواد، اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۹۶

[3] ایضاً۔ صفحہ ۲۹۸

+ ابو الفیض قلندر علی سہروردی۔ الفقر فخری، مرکزی مجلس سہروردیہ، لاہور، سن ندارد، صفحہ ۱۰۱

بعد آپ کو اس سے کوئی سروکار نہ رہا۔ آپ الگ ہو کر عبادت میں مشغول ہو گئے۔ آپ کو عبادت میں استغراق کی حالت عطا ہوتی تھی۔ صاحب الفوائد الفواد نے خود اسی مقام پر اس بات کو نوٹ کیا ہے کہ شیخ شہاب الدین قوالاں را طلب فرمود و مقام سماع مرتب کرد و خود بگوشہ رفت و بطاعت و ذکر مشغول گشت۔ شیخ اوحد آنہا کہ اہل سماع بودند بسماع مشغول شدند [1] یعنی شیخ شہاب الدین سہروردی نے قوالوں کو بلایا اور سماع کی جگہ کو آراستہ کیا اور خود ایک کونے میں چلے گئے اور طاعت و ذکر میں مشغول ہو گئے۔ شیخ اوحد اور وہ لوگ جو اہل سماع تھے سماع میں مشغول ہو گئے۔ سماع کی طرف آپ کی بالکل رغبت نہ تھی۔ اور اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ سماع کی مخالفت بھی نہ کرتے تھے اور جو اہل اللہ سماع سنتے تھے ان کے لئے آپ نے اہتمام فرمایا تھا۔ ہند کے مشہور بزرگ شیخ بہاؤالدین زکریا سہروردی کے متعلق بھی سماع کی بات ملتی ہے کہ آپ کے پاس ایک عبداللہ نامی قوال بغداد سے آیا تھا اور اس نے شیخ بہاؤالدین زکریا سہروردی کو قوالی سنانے کے متعلق صاحب تذکرہ بہاؤالدین زکریا نے تحریر کیا ہے کہ "آپ نے اس کی فرمائش پر اس کو حجرے میں بلایا وہ فرطِ ادب سے مبہوت بنے بیٹھے تھے۔ حضرت نے قرآن شریف کی تلاوت شروع کی۔ قوال چپ چاپ سنتے رہے۔ ایک رکوع رہے۔ ایک رکوع، دوسرا رکوع، ایک ربع پھر نصف پارہ ختم۔ اس کے بعد اب شیخ الاسلام کھڑے ہو گئے۔ دروازہ پہلے سے بند تھا۔ اب اس کی زنجیر چڑھادی تاکہ کوئی اندر نہ آسکے۔ اتنا اہتمام کرنے کے بعد عبداللہ سے فرمایا شروع کرو۔ قوال نے ایک شعر پڑھا جب اسے دو تین بار دہرایا تو آپ کھڑے

---

[1] شیخ خواجہ نظام الدین اولیا، فوائد الواد، اردو اکادمی، دہلی بھارت، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۹۸

ہو گئے اور چراغ بجھادیا۔ حجرے میں اندھیرا تھا آخر غزل ختم ہوئی۔ حضور "سکر" سے "صحو" میں آئے اور کواڑ کھول کر باہر تشریف لے گئے۔ صبح کو بیس اشرفی اور خلعت دے کر قوالوں کو رخصت کر دیا[1] اس تذکرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نہ تو قوال کو بلایا تھا اور نہ ہی قوالی سنانے کی فرمائش کی تھی لیکن آپ نے عبداللہ نامی آدمی سے قوالی اس کی صورت کوئی بھی ہو سنی ضرور ہے۔ بلکہ ان کو اشرفی اور خلعت عطا کی۔ یعنی قوال کو سننا اور اس کو عطا کرنا یہ تو ثابت ہے۔ اس سے پہلے اور قوالی کے بعد آپ نے اور آپ کے جانشین حضرت صدرالدین محمد عارف اور پھر ان کے جانشین حضرت رکن عالم نے اپنی خانقاہ میں کبھی قوالی کا نہ اہتمام فرمایا اور نہ قوالی میں کبھی شریک ہوئے۔ اس عبداللہ نامی قوال سے آپ نے غزل کیوں سنی تو اس سوال کے جواب میں صاحبِ تذکرہ حضت بہاؤالدین زکریا نے تحریر کیا ہے کہ شیخ بہاؤالدین زکریا سے عبداللہ قوال نے کہا کہ "میں نے آپ کے مرشد (شہاب الدین سہروردی) کو قوالی سنائی ہے۔ آپ بھی سنیں"[2] معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا نے جو قوالی عبداللہ سے سنی ایک تو اس کی فرمائش تھی اس فرمائش کو آپ نے اپنے پیرو مرشد حضرت شہاب الدین عمر سہروردی کی محبت میں قوالی کو سنا۔ اس کے پہلے اور بعد میں کبھی آپ نے قوالی اپنی خانقاہ میں نہ ہونے دی اور نہ کبھی اس کام میں ملوث ہوئے اور خواجہ نظام الدین کا قول ہی درست ہے کہ ہر نعمت جو آدمی میں ممکن ہے وہ شہاب الدین کو دی سوائے ذوق سماع کے۔ یہی وطیرہ حضرت بہاؤالدین

---

[1] مولانا نور احمد خان فریدی۔ تذکرہ بہاؤالدین زکریا' قصر الادب' رائٹر کالونی' ملتان' سن ندارد' صفحہ ۸۴

[2] ایضاً۔ صفحہ ۴۶

زکریا نے اپنایا ہوا تھا کہ وہ بھی سماع کے ذوق سے مبرا تھے۔ اگر کہیں سہروردیوں میں سماع تھا بھی تو بہت کم تھا۔ اس بات کو شیخ محمد اکرام نے بھی تحریر کیا ہے کہ ان کے ہاں سماع بہت کم تھا[1]

اس سلسلہ کا سماع نہ سننا اور سنت کی پیروی کرنا اور مجذوبیت کا زیادہ ہونا خصائص میں ہے۔ اس بات کو درست سمجھتے ہوئے سلام سہروردی نے لکھا ہے کہ سہروردی اتباعِ سنت میں بڑے کٹر ہیں اور سماع بھی نہیں سنتے لیکن مجذوب اس سلسلہ میں زیادہ گزرے ہیں۔ اس کی وجہ سلسلہ سہروردیہ جلالی ہے[2] اس سلسلہ کی ایک خصوصیت سلاطین سے روابط ہیں۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی[3] نے کبھی کسی سلطان کو اپنے دروازے پر آنے سے منع نہیں کیا اور نہ ہی کبھی حکمرانوں سے کنارہ کشی کی ہے + اس کی وجہ یہ رہی ہے کہ ان سلاطین کو عدل و انصاف' غرباء پروری کی تلقین کی جائے اور ان کے ذریعہ اسلامی دنیا کو امن و محبت کی راہ پر رکھنے کی تلقین کی جائے۔ اور ان سلاطین کی عملی طور پر لشکر کے لئے یا مالی یا حوصلہ افزائی کے لئے امداد کی جائے۔ سہروردیوں کی اس روش سے ہمیشہ بہترین نتائج سامنے آئے۔ حضرت بہاؤالدین زکریا نے اپنے مرشد کی پیروی میں سلاطین وقت سے

---

[1] شیخ محمد اکرام۔ آبِ کوثر' ادارۂ ثقافت اسلامیہ' ۲۔ کلب روڈ' لاہور' ۱۹۹۲ء' صفحہ ۲۵۴

[2] سلام سہروردی۔ تجلیاتِ سہروردی' مرکز علم و فن' زریاب کالونی' پشاور' سن ندارد' صفحہ ۲۶

[3] شہاب الدین عمر سہروردی۔ عوارف المعارف' اردو ترجمہ شمس بریلوی' مدینہ پبلیشنگ کمپنی' کراچی' ۱۹۸۹ء' صفحہ ۱۰۶

+ شہاب الدین سہروردی بادشاہ ناصر الدین احمد باللہ عباسی کی سفارت کئی بار لے کر دوسرے ممالک اسلامیہ میں تشریف لے گئے۔

روا رکھے۔ ان سلاطین کو نیکی کی ہدایت فرمائی' ان روابط و ہدایت سے حاکم سے عوام الناس کو فائدہ پہنچا اور حکمرانوں کو بھی آپ سے فیض پہنچا۔ اس طرح سلاطین وقت بڑی گمراہی اور بُری باتوں سے بچے رہے اور اس کے ذریعہ عوام الناس کی حاجات کو بھی پورا کیا جا سکا اور یقیناً یہ سہروردیوں کی ایک بڑی خصوصیت ہے۔ اس خصوصیت کو اس طرح دیکھئے کہ سید نورالدین مبارک غزنوی حضرت شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے۔ سلطان شمس الدین التمش نے ان کو دہلی کا شیخ مقرر کر دیا تھا۔ بُری باتوں سے سلاطین کو باز رکھنے کے لئے آپ تنقید کرتے تھے۔ آپ نے دربار میں متعدد بار وعظ کہے اور انتہائی جرأت اور بیباکی کے ساتھ دربار کے رسوم پر تنقید کی ۱؎ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا' حضرت صدرالدین محمد عارف' حضرت رکن عالم + یہ بزرگ شیخ الاسلام کے عہدے پر متمکن رہے ہیں اور انہوں نے بڑے عمدہ طریقے سے وقت کی حکومت کا ساتھ دیا۔ ان کی اصلاح کی ہے۔ اس طرح سید جلال سلہٹی بنگال کو شاہی لشکر اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ فتح کرتے ہیں اور لہذا دو سال بنگال کا نظم و نسق چلاتے ہیں ۲؎ اور اس کے بعد اقتدار کو دوسروں کے سپرد کر کے خود عبادت و ریاضت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ ان معلومات سے پتہ چلتا ہے کہ سہروردیوں کے ہاں اقتدار سے اصلاح احوال حکمران اور معاشرے کا کام لیا جاتا تھا۔ اور اس مقصد میں

۱؎ پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات' ادارہ ادبیات دلی' دہلی بھارت' ۱۹۸۱ء' صفحہ ۱۰۹

+۔ سلام سہروردی۔ تجلیات سہروردیہ' مرکز علم و فن' زریاب کالونی' پشاور' سن ندارد' صفحہ ۲۸

۲؎ مولانا نوراحمد خان فریدی۔ تذکرہ بہاؤالدین زکریا' قصر الادب' رائٹر کالونی' ملتان' ۱۹۵۷۔۱۰۔۱۰' صفحہ ۱۶

سہروردی کافی حد تک کامیاب رہے ہیں۔

اس سلسلہ کی ایک خصوصیت مسالک میں فقہ حنفی کی ہند میں اقتداء پیروری ہے۔ حالانکہ حضرت ابو نجیب عبدالقاہر سہروردی بانی سلسلہ ایک عرصہ تک حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے پاس رہے ہیں اور اپنے بھتیجے حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کو بھی تعلیم و تربیت کے لئے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے پاس لے جایا کرتے تھے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی مسائل فقہ میں حضرت امام احمد بن حنبل کے پیروکار تھے۔ ان کے اثرات حضرت ابو نجیب عبدالقاہر سہروردی اور حضرت شہاب الدین سہروردی پر مرتب ہوئے۔ یہ بزرگ بدستور سب فقہ کے علمبردار رہے ہیں اور برصغیر پاک و ہند میں حضرت بہاؤالدین زکریا نے سلسلہ سہروردیہ کی ترویج و اشاعت میں بھرپور کام کیا جس کی وجہ سے آپ کو ہند میں سلسلہ کا بانی کہا جاتا ہے۔ آپ فقہ حنفی کے پیروکار تھے۔ اشتیاق حسین قریشی نے تحریر کیا ہے کہ ملتان میں حضرت بہاؤالدین زکریا نے اسماعیلیوں کو دوبارہ سنی بنانے کے لئے بہت کام کیا اور وہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں بہت کامیاب تھے ۱؎ اس طرح اعتقادات میں مرشد کے لئے جو صفات لازمی قرار دی گئی ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ مرشد اعتقاد اہلسنت والجماعت رکھتا ہو تاکہ مرید کو بدعتوں میں گرفتار نہ کر دے جس سے مرید دونوں جہانوں میں مردود نہ ہو جائے ۲؎ اور مرید کے لئے بھی عقیدہ حقہ اہل سنت والجماعت سے تعلق ہو اور بدعت سے گریز کرنے والا ہو ۳؎ اعتقادات کے متعلق اس سلسلہ میں کتاب اللہ و

۱؎ اشتیاق حسین قریشی۔ ملت اسلامیہ کراچی یونیورسٹی' ۱۹۸۹ء' ترجمہ ہلال احمد زبیری' صفحہ ۵۸

۲؎ ابوالفیض قلندر علی سہروردی۔ الفقر فخری' مرکزی مجلس سہروردیہ' لاہور' سن ندارد' صفحہ ۲۳۸

۳؎ ایضاً۔ صفحہ ۲۴۰

(بقیہ اگلے صفحے پر......)

سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اُمور ظاہری کا اتباع نہایت ضروری ہے۔ یہ حضرت ان اعتقادات کا اس طرح اظہار کرتے ہیں کہ جب تک درویش متابعت شرع نہ کرے دین اسلام کو سچا جانتے ہوئے دل میں جگہ نہ دے توحید و رسالت واجنہ و ملائکہ، حشر و نشر، کتب و قیامت، عذاب و ثواب، جنت و جہنم و حساب قبر پر مضبوط ایمان نہ رکھے گناہوں سے اجتناب نہ کرے اور روزہ و نماز کی پابندی میں ثابت قدم نہ رہے درویشی سے اس کا تعلق قائم نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ مبادیات ہی سے ناواقف ہے وہ انتہا تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔[۱] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے عقائد بالکل کھلی ہوئی کتاب کی مانند ہیں اور یہ اہلسنت والجماعت عقائد کے اندر ہی روحانیت کے قائل ہیں اور اس کے باہر روحانیت اور تصوف کے قائل نہیں ہیں اور اس بات کا بھی علم ہوا کہ یہ حضرات عقیدہ اور عمل دونوں کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ یہ حضرات دو چیزوں کا مطالبہ کرتے ہیں ایمان اور صالح عمل کا اور ان کے ہاں اس سے طریقت کی راہ کھلتی ہے اور منازل طے ہوتی ہیں۔ اعتقادات کے ساتھ مذاہب اربعہ کو یہ حضرات حق سمجھتے ہیں اور ان چاروں میں سے یہ حضرات حضرت امام ابو حنیفہ کے مذہب کے مقلد ہیں اس کو اعجاز الحق قدوسی نے اس طرح تحریر کیا ہے جو میاں نور محمد کلہوڑو+

(گذشتہ سے پیوستہ......)

+۔ یہ کتاب سلسلہ سہروردیہ کے نامور بزرگ ابوالفیض قلندر علی سہروردی کی تصنیف ہے جن کی پیدائش ۱۸۹۵ء کو ٹلی لوہاراں سیالکوٹ میں اور وفات ۱۹۵۸ء ہنجروال لاہور میں ہوئی۔ سہروردیہ تاریخ اور تعلیمات پر مشتمل کتاب ہے۔

[۱] ابوالفیض قلندر علی سہروردی۔ الفقر فخری، مرکز مجلس سہروردیہ، لاہور، سن ندارد، صفحہ ۳۱۶۔

+۔ میاں نور محمد کلہوڑو سندھ کا حکمران ۱۱۵۶ھ / ۱۷۴۳ء (بقیہ اگلے صفحے پر......)

نے اپنی وصیت میں تحریر کیا تھا کہ "وباید کہ مذاہب ہر چہار برحق۔ باید دانست فامابزرگان مادر مذہب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بودند۔ وشمایاں نیز ہمیں مذہب اختیار کنید۔"[۱] یعنی اور چاروں مذاہب (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) کو حق جانو لیکن چونکہ ہمارے بزرگ مذہب امام ابو حنیفہ کے مقلد تھے اس لئے تم بھی وہ مذہب اختیار کرو۔ میاں نور محمد کلہوڑو اپنے بزرگوں کے کرتے ہیں کہ طریقت میں کس سلسلہ کے پیروکار تھے۔ اپنے سلسلہ طریقت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ "وہم از چہاردہ خانوادہ بزرگان مادر طریقہ سہروردی ہستند۔ سید میران محمد جونپوری کہ پیر و مرشد مایاں است ہم بر طریقہ مذکور بود"[۲] یعنی چودہ (تصوف) کے خانوادوں میں سے ہمارے بزرگ سلسلہ سہروردیہ کے مرید ہیں۔ سید میراں محمد جونپوری کہ ہمارے پیرو مرشد ہیں۔ وہ بھی اسی طریقے میں تھے۔ ان عبارات سے سلسلہ سہروردیہ کے اعتقادات اور مذہب اور سلسلہ طریقت کے پیروکار ہونے کا ثبوت عیاں ہے۔ امام ابو حنیفہ کے علاوہ مسالک کو یہ حضرات برحق اور سچا راستہ تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سہروردیوں کے وقت کے بادشاہوں سے نہ صرف بہتر تعلقات تھے بلکہ مذہبی اثرات کی زیادہ جھلک نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ اس سلسلہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے

(گذشتہ سے پیوستہ) دور حکومت ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۳ء تک۔

[۱] اعجاز الحق قدوسی۔ تاریخ سندھ، جلد دوم، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۵ء صفحہ ۴۵۴ تاریخ سندھ مشہور کتاب ہے جو سندھ کی مشہور کتاب چچ نامہ اور دیگر دوسری مشہور کتابوں سے ماخوذ ہے اس کتاب پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اسلامی ادوار مستند حوالوں سے ترتیب دی گئی ہے۔

[۲] اعجاز الحق قدوسی۔ تاریخ سندھ، جلد دوم، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۵ء، صفحہ ۴۵۴۔

کہ اس سلسلہ کا روحانی طور پر حضرت شیخ عبدالقادر + جیلانی سے تعلق بھی ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابو نجیب ++ عبدالقاہر سہروردی حضرت عبدالقادر جیلانی کی خانقاہ میں آپکے پاس مسلسل جایا کرتے تھے اور اپنے ساتھ حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کو لے جاتے تھے۔ اس طرح شیخ عبدالقادر جیلانی سے سلسلہ قادریہ میں بیعت نہ ہونے کے باوجود بھی روحانی فیض حاصل کیا ہے اور اس طرح قادریہ سلسلہ کے بہت قریب رہے ہیں۔ مقدمہ میں جناب شمس بریلوی نے تحریر کیا ہے کہ آپ شیخ خرقہ آپ کے عم محترم شیخ ابو نجیب عبدالقاہر سہروردی قدس سرہ تھے لیکن فیض طریقت دوسرے شیوخ زمانہ سے بھی حاصل کیا تھا خصوصاً غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے بہت کچھ فیض حاصل کیا۔[1]
اس فیض اور قربت کا ایک واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت ابو نجیب سہروردی اپنے ساتھ حضرت شہاب الدین سہروردی کو حضرت عبدالقادر جیلانی کے پاس لے کر گئے انہوں نے فرمایا علم کلام میں کون سی کتابیں مطالعہ کیں۔ یہ فرما کر اپنا ہاتھ شیخ شہاب الدین سہروردی کے سینہ پر پھیر دیا اسی وقت تمام کتابوں اور علم کلام آپ کے ذہن سے محو ہو گئے اور آپ نے فرمایا کہ ہم نے تمہارے سینہ سے علم الکلام کو محو کر دیا ہے اور اس کے عوض معرفت حق کے علم سے اس کو معمور کر دیا۔ اس کے بعد آپ بارگاہ غوثیت میں ہمیشہ

+۔ عبدالقادر بغداد کے مشہور بزرگ جن سے سلسلہ قادریہ شروع ہوا جنہوں نے ۵۶۱ھ بعہد مستنجد باللہ عباسی وصال فرمایا۔

++۔ ابو نجیب عبدالقاہر سہروردی بغداد کے مشہور بزرگ اور شہاب الدین سہروردی کے چچا اور مرشد ہیں جنہوں نے ۵۶۳ھ بعہد مستنجد باللہ عباسی وصال فرمایا۔

[1] شہاب الدین سہروردی۔ عوارف المعارف اردو ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۰۵ مقدمہ۔

باریاب ہوتے رہے اور بہت کچھ روحانی فیوض حاصل فرمایا۔ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ آپ سے فرمایا کرتے تھے یا عمر! انت آخر المشھورین بالعراق۔ یعنی اے عمر تم عراق کے آخری مشہور انسان ہو۔[1] صحبت اور فیض جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے حاصل تھا اس سے تعلیم و تربیت اور فیوض و برکات کا بڑا واضح اظہار ہوتا ہے۔ حضرت عبدالقادر جیلانی سے سلسلہ قادریہ کا آغاز ہوا جب کہ حضرت ابو نجیب سہروردی سے سلسلہ سہروردیہ رواج پایا اور شہرت حاصل کی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے۔ اس سے سلسلہ قادریہ اور سلسلہ سہروردیہ کی بنیاد کا علم ہوتا ہے اور اس تعلیم اور فیض کو دیکھ کر اگر سلسلہ قادریہ اور سلسلہ سہروردیہ کو جڑواں بھائی قرار دیا جائے تو عین انصاف ہوگا دونوں سلسلوں کا خاص تعلق رہا ہے یہی وجہ ہے کہ ہندوپاک میں سلسلہ قادریہ پہنچانے میں سلسلہ سہروردیہ نے کردار ادا کیا ہے۔ صاحب تجلیات نے تحریر کیا ہے کہ یہ سلسلہ عالیہ قادریہ کے فیوض و برکات بانی سلسلہ عالیہ قادریہ حضرت غوث الاعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی سے براہ راست بانی سلسلہ عالیہ سہروردیہ حضرت شیخ الشیوخ رضی اللہ عنہ اور ان کے پیر و مرشد حضرت شیخ ابو نجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچتے ہیں بلکہ محل نظر ہے کہ ہندوستان میں سلسلہ عالیہ قادریہ سب سے پہلے حضرت شیخ الشیوخ رضی اللہ عنہ کے خلفائے کرام کے ذریعہ ہی پہنچا ہے۔[2] اس طرح ان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ سلسلہ چشتیہ سے بھی سہروردیوں کا خاص تعلق رہا ہے اس لئے کہ حضرت خواجہ

---

[1] شہاب الدین سہروردی۔ عوارف المعارف اردو ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۰۵ مقدمہ۔

[2] سلام سہروردی۔ تجلیات سہروردیہ، مرکز علم و فن، زریات کالونی، پشاور، سن ندارد، صفحہ ۲۹۔

معین الدین چشتی بغداد میں جب تھے تو اس وقت حضرت ابو نجیب سہروردی سے ذکر واذکار اور روحانی محافل میں ساتھ رہے ہیں۔ صاحب مراۃ الاسرار نے تحریر کیا ہے کہ (خواجہ معین الدین چشتی) شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی کی صحبت میں رہے اور بہت محظوظ ہوتے۔ [1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چشتیوں اور سہروردیوں کے تعلقات بھی ان سلاسل کے آغاز کے وقت سے چلے آرہے ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے حضرت شہاب الدین سہروردی نے بھی ابتداحال میں آپ سے فیض حاصل کیا۔ بلکہ ڈھائی مہینے آپ کی خدمت میں رہے [2] روحانیت کے تعلقات کا اظہار اس عبارت سے ہوتا ہے اور یقیناً ان سلاسل کے ابتدا سے ہی بہترین تعلقات قائم ہوگئے تھے اور حضرت بختیار کاکی جو چشتیہ سلسلہ کے دہلی کے مشہور بزرگ ہیں وہ حضرت بہاء الدین ذکریا سہروردی کے پاس ملتان میں رہے ہیں اور اس کا اظہار صاحب سیر العارفین نے تحریر کیا ہے کہ حضرت جلال الدین تبریزی اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی بغداد سے چلے ہندوستان میں سب سے پہلے ملتان میں پہنچے اس شہر میں حضرت بہاء الدین ذکریا رہتے تھے وہ ان دونوں نامدار اور باوقار بزرگوں کی صحبت سے کہ جن سے ان کو بے انتہاء محبت و شفقت تھی مل کر بہت خوش ہوئے اور وہ اکثر ایک جگہ رہتے

[1] عبدالرحمٰن۔ مراۃ الاسرار، ترجمہ کپتان واحد بخش سیال، بزم اتحاد المسلمین لاہور، ۱۴۱۲ھ صفحہ ۵۹ عبدالرحمٰن چشتی بزرگ ہیں جن کی ولادت ۱۰۰۵ھ اور وفات ۱۰۹۴ھ لکھنؤ میں ہوئی۔ ان کی یہ کتاب اسلامی تاریخ کے لئے ایک ہزار سال کی مکمل تاریخ تصوف ہے۔ مراۃ الاسرار کتب تصوف میں بنیادی حیثیت کی حامل ہے

[2] عبدالرحمٰن۔ مراۃ الاسرار، ترجمہ کپتان واحد بخش سیال، بزم اتحاد المسلمین، لاہور، ۱۴۱۲ھ، صفحہ ۵۹۴۔

تھے۔ [1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات میں بڑی محبت تھی اور ان بزرگوں نے ہند میں سب سے پہلے سہروردی سلسلہ کے بزرگ حضرت بہاء الدین ذکریا کے ہاں قیام فرمایا۔ ان بزرگوں کے آنے سے آپ نے بہت خوشی و مسرت کا اظہار فرمایا۔ اس سے ان کے سلسلہ سہروردیہ کے سلسلہ چشتیہ سے تعلقات کا علم ہوتا ہے۔ حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر جو سلسلہ چشتیہ کے نامور بزرگ ہیں ان کے تعلقات حضرت بہاء الدین ذکریا سہروردی سے بہترین اور عقیدت و محبت سے بھرپور رہے ہیں۔ صاحب آب کوثر نے تحریر کیا ہے کہ آپ کی ان سے دوستانہ تعلقات تھے۔ بابا فرید نے حضرت ذکریا کے رقعہ کے جواب میں لکھا کہ میاں ماوشما عشق بازی است۔ بلکہ میاں ماوشما عشق است عشق بازی نیست۔ [2] بابا فرید الدین گنج شکر چشتی نے حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے بھی روحانی فیض حاصل کیا ہے جیسا کہ تاریخ ملتان کے مصنف نے لکھا ہے کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر بغداد پہنچے اور شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی، حضرت سیف الدین + باخرزی، سعد الدین حموی، بہاء الدین حموی، شیخ سعد الدین کرمانی، شیخ فرید الدین عطار نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابر

[1] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۳۵۔

[2] شیخ محمد اکرام۔ آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۵۷۔

+۔ شیخ سیف الدین حموی، شیخ بہاء الدین حموی، شیخ سیف الدین باخرزی سلسلہ کبرویہ کے بزرگ ہیں جو سہروردیہ سلسلہ کی شاخ ہے۔ شیخ فرید الدین عطار نیشاپوری وفات ۶۰۷ھ مرید شیخ مجد الدین بغدادی کے ہیں۔ شیخ احد الدین کرمانی سلسلہ سہروردیہ وفات ۶۳۵ھ ہے۔

صوفیہ سے صحبتیں رہیں اور استفادہ کیا[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف سلسلہ سے تعلق رکھنے والے بزرگ آپس میں ایک دوسرے سے فیض حاصل کرتے تھے اور اس طرح چشتی اور سہروردی بہت قریب رہے ہیں۔ سلام سہروردی نے کہا ہے کہ چشتی و سہروردی مشائخ کرام نے ہمیشہ خود کو دو جڑواں بھائی سمجھا اور فیوض و برکات عالیہ کے لینے دینے میں کبھی مغافرت نہیں برتی یہاں تک کہ چشتی و سہروردی وظائف بھی آپس میں خلط ملط ہو گئے۔ بہت سے خالص سہروردی وظائف تھے جو چشتی مشائخ کرام کا معمول بن گئے اور بہت سے چشتی وظائف کو سہروردی مشائخ کرام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا لیا[2] اس تعلق کے علاوہ سلسلہ سہروردیہ کا تعلق سلسلہ نقشبندیہ کے ساتھ بھی بہترین رہا ہے۔ نقشبندیہ سلسلہ کے بانی خواجہ بہاء الدین نقشبند ہیں۔ اس سلسلہ کا تعلق حضرت ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے اور سہروردی حضرت ابو نجیب سہروردی اور حضرت شہاب الدین سہروردی حضرت ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ یوں اس سلسلہ کا تعلق قائم ہو جاتا ہے اس لئے کہ آبائی خاندان سے یہ بزرگ فیض حاصل کرتے تھے اور خرقہ خلافت حاصل کرتے تھے۔ یہ فیوض و برکات نقشبندیہ اور سہروردیہ کے لئے خالص خانگی بات ہے۔ دونوں سلسلہ کے تعلق کو غائر نظر سے دیکھا جائے تو سلسلہ سہروردیہ کی شاخ سلسلہ کبرویہ کے بانی حضرت نجم الدین کبری سے ہی حضرت بہاء الدین نقشبند اس سلسلہ میں روحانی اور خرقہ تعلقات قائم ہے۔ جیساکہ سلام سہروردی نے

---

[1] مولانا نور احمد خان فریدی تاریخی ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۶۹۔

[2] سلام سہروردی۔ تجلیات سہروردیہ، مرکز علم و فن، زریات کالونی، پشاور، سن ندارد، صفحہ ۲۹۔

تحریر کیا ہے کہ حضرت بہاء الدین نقشبندیہ عن سلطان الدین عن احمد مولانا ترکستانی عن بابا کمال خجندی عن شیخ اعظم نجم الدین کبری ولی تراش[1] سلسلہ سہروردیہ کے ساتھ نقشبندیہ سلسلہ کی نسبت اتصالی بڑی قوی معلوم ہوتی ہے۔ ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ سہروردیہ کے دیگر سلسلوں سے بڑے اچھے تعلقات چلے آ رہے ہیں اور پورا تقدس دیا جاتا ہے اور فیوض و برکات دیگر سلسلوں سے دینا اور لینا ان کا طرح امتیاز رہا ہے ان وجوہات کی بنا پر اس کو جامع السلاسل کہنا چاہئے۔ سلسلہ سہروردیہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اپنے متعلقین کو ذکر و اذکار اور تصورات مجاہدات کی تلقین کرتا ہے جس طرح باقی سلاسل + کے وظائف و اذکار بڑے اور لمبے ہیں اس کے مقابلے میں سہروردیوں کے وہ مختصر ہیں اور آسان بھی ہیں۔ حضرت جہانیاں جہاں گشت ++ نے ان آسان وظائف کو اس طرح بیان کیا ہے کہ (۱) نفل پڑھ کر اللہ سے دوستی کرے (۲) تدبیر و تفکر کرنا چاہئے۔ پہلے اپنے نفس کو نصیحت کرے پھر خلق کو نصیحت کرے (۳) قرآن شریف کی تلاوت کثرت سے کرے (۴) قرآن کریم کے اوامر ونواہی کی رعایت کرے (۵) اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرے (۶) اللہ تعالیٰ سے شرم کرے کہ وہ بندے کو ہر وقت دیکھتا ہے (۷) جو کچھ ملے اس کو خرچ کرے (۸) حصول رب کی کوشش کرے (۹) تھوڑے پر

---

[1] سلام سہروردی۔ تجلیات سہروردیہ، مرکز علم و فن، زریات کالونی، پشاور، سن ندارد، صفحہ ۳۰

+۔ شیخ فرید الدین گنج شکر چشتی کا مزار پاکپتن جو لاہور اور ملتان کے درمیان میں ہے وفات ۶۶۴ھ میں ہوئی۔
شیخ بہاء الدین نقش بند سلسلہ کے بانی، مذہباً حنفی، وفات ۷۹۱ھ بخارا میں ہوئی

++۔ سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت متوفی ۷۸۵ھ، سہروردی بزرگ اور صاحب تصنیف ہیں۔

راضی رہے (۱۰) قناعت اختیار کرے۔[1]

ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ باتوں میں کوئی بھاری اور لمبی چلہ کشی نہیں ہے۔ مذکورہ تمام باتیں آسان ہیں۔ اس امتیازی خصوصیت سلام سہروردی تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سلسلہ کے وظائف، مراقبات، تصورات اور مجاہدات دوسری سلاسل سے مختصر اور سہل ترین ہوتے ہیں۔[2] اس سلسلہ میں ایک اور خصوصیت تصور شیخ ہے حالانکہ تصور شیخ باقی سلاسل میں بھی موجود ہے۔ باقی سلاسل یعنی قادریہ، چشتیہ اور نقشبندیہ میں تصور شیخ مقرر مدت نہیں ہے مسلسل تصور شیخ کی ضرورت باقی رہتی ہے لیکن اس کے مقابل سہروردیہ سلسلہ میں تصور شیخ مختصر وقت کے لئے ہے۔ سلام سہروردی نے تحریر کیا ہے کہ سلسلہ سہروردیہ میں تصور شیخ معین تو ہے لیکن دوسرے سلاسل کی طرح غیر معین مدت تک نہیں ہے بلکہ دربار رسالت تک اور تصور نبوت تک ہوتا ہے۔ جب وہ حاصل ہو گیا تو اس سے پابندی اٹھ جاتی ہے۔[3] تصور شیخ سلوک میں ان معنی میں لیا جاتا ہے کہ ارادت مند جس وقت ذکر کرنے بیٹھے اس وقت شیخ کی صورت کو اپنے روبرو خیال کرے۔ یہ کیوں کیا جاتا ہے اس لئے کہ اس سے وہ وساوس شیطانیہ و خطرات نفسانیہ سے محفوظ رہے گا اور یہ تصور اس کو یکسوئی کے لئے تجلی گاہ کا کام دے گا۔ اس بات کی ضرورت کا اظہار ابو الفیض قلندر علی

---

[1] محمد ایوب قادری۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ایچ ایم سعید کمپنی، ناشران و تاجران کتب، پاکستان چوک کراچی، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۱۴۰۔ یہ کتاب تحقیقی نوعیت کی ہے۔

[2] سلام سہروردی۔ تجلیات سہروردی، مرکز علم و فن، زریاب کالونی، پشاور، سن ندارد ص ۲۵۔

[3] ایضاً صفحہ ۳۳۲

سہروردی نے اس طرح کیا ہے کہ ارادت مند کے لئے تنہا ذکر و اذکار میں دل لگانے اور بے نشان ڈور کر مقصود کو پانا دشوار ہوتا ہے اور وہ یہ نہیں سمجھ سکتا کہ میری راہ میں کیا کیا خطرات ہیں اور ان میں میرے لئے مفید اور غیر مفید کون کون اور کیا کیا چیزیں ہیں۔ لہٰذا اس کے بھٹک جانے اور دل چھوڑ جانے کے خیال سے بزرگان دین بیعت کے وقت تصور شیخ بھی تلقین فرماتے ہیں۔[1] یہ اس لئے کہ شیخ اپنے ارادت مند کو راہ مستقیم پر رکھنے کی کوشش کے ساتھ ارادت مند کو اس راہ میں آنے والی مشکلات اور منکشف حالات سے آگاہ کرتا ہے۔ اس بات کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ یہ راہ نہایت موثر ہے اور آسان سہل ترین بھی ہے۔ اس تصور شیخ کی کیفیت کے متعلق شیخ شہاب الدین سہروردی نے تحریر فرمایا ہے کہ شیخ مریدوں + کے اسرار و مکاشفات کا حق سے وہ آگاہ ہو حفاظت کرے اس لئے کہ مرید کا رازدان یا تو اللہ تعالیٰ ہوتا ہے یا اس کا شیخ۔ پس کسی اور کو اس کی اطلاع نہیں ہونی چاہئے اور مرید اپنی خلوت گاہ میں جن مناقشات یا الہامات سے سرفراز ہو کسی خلاف عادت چیز کا مشاہدہ کرے وہ شیخ سے ان کو بیان کرے تو شیخ کو چاہئے کہ وہ مرید کے سامنے ان کی اہمیت گھٹائے اور بتائے کہ یہ امور اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول

---

[1] ابو الفیض قلندر علی سہروردی۔ الفقر فخری، مرکزی مجلس سہروردیہ رجسٹرڈ، لاہور سن ندارد، صفحہ ۳۳۲۔

+۔ مرید سلوک طریق مجاہدہ میں اپنے آپ پر حاکم بنائے جانے والے کو شیخ اور اپنے ارادے اور اختیار کو چھوڑ کر اس کی تابعداری میں قدم رکھنے اور خوب کوشش سے اس راہ سلوک کو طے کرنے والے کو مرید کہتے ہیں۔ یہ بیعت خاص ارباب ارادت کے لئے ہے۔

ہونے کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔ ۱ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ سہروردیہ میں ارادت مند کی تعلیم و تربیت کے لئے خصوصی توجہ دی جاتی ہے اور اس کی پہلی منزل بیعت اور تصور شیخ ہے اور اس طریقہ کار کو بڑا سہل اور آسان رکھا ہے خصوصی طور پر اپنے ارادت مندوں کی تعلیم و تربیت کرنا سہروردیوں کا بہترین شیوا رہا ہے۔
مولانا نور احمد خاں فریدی نے تحریر کیا ہے کہ حضرت رکن عالم سہروردی + نے مریدوں کی تربیت کا حق ادا کر دیا تھا۔ وہ باپ دادا کی مسند کو ہر وقت منور رکھتے تھے۔ سندھ اور ملتان کے تمام لوگ اس خاندان سے وابستہ تھے۔ ہندوستان اور ملتان کے بے شمار علما و مشائخ آپ کے مریدوں میں شامل تھے۔ ۲ یعنی سہروردیوں کی یہ مسند حضرت بہاء الدین ذکریا سہروردی کی آپ اور آپ کے صاحب زادے شیخ صدر الدین محمد عارف اور ان کے بیٹے رکن الدین عالم سہروردی نے مریدوں کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی تھی۔ اور مسلسل توجہ کا ماحول پیدا کیا جاتا تھا اور حد کمال تک تربیت کا حق ادا کیا تھا اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی تعداد بڑی کثرت میں تھی اور باقی علاقوں کے علاوہ سندھ اور ملتان سے لوگ زیادہ ان کی خانقاہ میں پہنچتے تھے۔ تصور شیخ کے ضمن میں تعلیم و تربیت سہروردیوں کا خاص نشان تھا۔
سلسلہ سہروردیہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی نسبت قوی

---

۱ شیخ شہاب الدین سہروردی۔ عوارف المعارف، اردو ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۵۷۹۔
+۔ شیخ رکن عالم، حضرت بہاء الدین ذکریا کے پوتے اور سہروردی بزرگ ہیں۔ وفات ۷۳۵ھ مزار ملتان شہر میں واقع ہے۔
۲ نور احمد خان فریدی۔ تذکرہ رکن عالم، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان ۱۳۸۰ھ، صفحہ ۷۶۔

ہے۔ یقیناً یہ نسبت تو تمام سلاسل میں ہے لیکن اس کے متعلق سلام سہروردی نے تحریر کیا ہے کہ سلسلہ عالیہ سہروردیہ کی نسبت قوی ہے اور روح سے روح کو تربیت ملتی ہے جس سے فیضان کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے اور یہ بات دیگر سلاسل میں نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نسبت قوی سے فیوض و برکات زیادہ مقدار میں حاصل ہوتے ہیں اس بات میں اس چیز کو ملحوظ رکھنا ہوگا کہ یہ نسبت قوی کیسے کی جائے۔ اس سلسلہ میں ابو الفیض قلندر علی سہروردی کہتے ہیں کہ پیر خود کسی سلسلہ میں نسبت صحیح اور اجازت و خلافت رفیع رکھتا ہو جس میں کوئی مشتبہ صورت نہ ہو۔ ان کا کہنا ہے کہ مریدوں کا مشائخین کی طرف منسوب ہونا تین طریقوں سے ہوتا ہے۔ (۱) خرقہ سے (۲) تلقین ذکر سے (۳) محبت اور ادب و خدمت سے۔ ان تینوں صورتوں میں نسبت شیخ لازمی ظاہر ہوتی ہے اور اس راہ میں بیعت شیخ کامل لازمی ہے۔ یہ نسبت صحیح ہے اور یہ اہل خانقاہ صحیح مقاصد پیش نظر رکھتے ہیں تو حقیقتاً خیر و برکت ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی نے فرمایا ہے کہ اہل خانقاہ (نسبت والے) صحیح طور پر اپنے مقاصد روحانی پر عمل پیرا ہوں، حسن معاملات اور رعایت اوقات کو ملحوظ رکھیں اور ان چیزوں سے گریز کریں جو اعمال کو ضائع کرنے والی ہیں اور اعمال کو درست کرنے والی باتوں پر سختی سے قائم رہیں تو وہ ملک و ملت کے لئے خیر و برکت کا باعث ہو سکتے ہیں۔ ۲ حضرت شہاب الدین سہروردی کے نزدیک فیوض

---

۱ سلام سہرودی۔ تجلیات سہروردیہ، مرکز علم و فن، زریاب کالونی، پشاور سن ندارد، ص ۲۷
۲ شہاب الدین عمر سہروردی۔ عوارف المعارف، ترجمہ اردو شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کرانی، ۱۹۸۹ء صفحہ ۳۰۵۔

وبرکات حاصل ہونے کے لئے نسبت صحیح کے ساتھ درست اعمال کا ہونا ضروری ہے اور پھر واقعی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی بہار آتی ہے۔ سہروردیوں کے ہاں نسبت قوی کی وجہ سے اور برکات کی بہتات کی وجہ سے ایک روحانی منزل پر پہنچ کر جذب اور سرمستی کی کیفیت کی وجہ سے زیادہ تر استغراق کی حالت میں رہے ہیں اور اس سے سہروردی جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ دنیا کے معاملات نمٹایا کرتے تھے وہ دنیا کے معاملات سے الگ ہو گئے اور انہوں نے ترک دنیا اختیار کر لی۔ سلام سہروردی نے تحریر کیا ہے کہ جذب کی سرمستی کی وجہ سے بیشتر سہروردی مشائخ کرام معرفت الٰہی سے سرشار ہو کر عموماً گوشہ نشینی اختیار کرتے ہیں۔[1] یقیناً سہروردیوں کے مزاج کے یہ بات بالکل خلاف ہے + کیونکہ وہ تو عبادت الٰہی کی لذت سے سرشار ہوتے ہوئے دنیا کے معاملات کو ہمیشہ حل کرتے نظر آتے ہیں۔
سلام سہروردی اس کا خود ہی جواب دیتے ہیں کہ حضرت بہاء الدین ذکریا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے سہروردیوں کے جذب کو روکنے کے لئے ایک خصوصی سبق صادر ہوا جس سے جذب کی فراوانی ختم ہو چکی ہے۔ چنانچہ سلوک طے کرنے کے ساتھ وہ ہوش و حواس قائم رکھتے اور دنیاوی امور بھی سرانجام دیتے ہیں۔ تاہم اس غلبہ و سرمستی کے باوجود فیوض و برکات سہروردیہ کی فراوانی بدستور قائم ہے اور فیوض و عنایات کا بحر دخار حسب سابق موجزن ہے۔ لہذا سہروردی سالکین طریقت کیفیت ختم ہو جانے کے

---

[1] سلام سہروردی۔ تجلیات سہروردیہ، مرکز علم و فن، زریاب کالونی، پشاور سن ندارن، صفحہ ۲۷۔

+۔ شہاب الدین عمر سہروردی۔ عوارف المعارف ترجمہ اردو شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، صفحہ ۳۰۵

باوجود اسی تیز رفتاری اور شدومد سے اعلیٰ منازل سلوک طے کرتے ہیں۔[1]
اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جذب کی کیفیت دنیاوی معاملات حل کرنے میں اب حائل نہیں ہے اور سلوک کی منازل طے کرنے میں بھی کوئی رکاوٹ اب موجود نہیں ہے اور نسب قوی سے فیوض و برکات کی فراوانی یہ سہروردیوں کا خاصہ ہے۔
اس خصوصیت کے علاوہ ان کی ایک خصوصیت اچھا لباس بھی ہے یعنی سہروردیہ سلسلہ کے لوگ صاف ستھرا لباس پہننا پسند کرتے ہیں اور ان کے پیش نظر یہ بات ہے کہ بقول رسول مقبول ﷺ صفائی آدھا ایمان ہے۔ حضرت بہاء الدین ذکریا سہروردی بعض اوقات لباس جو نامناسب ہوتا اپنے پاس حاضر ہونے والے درویش سے اتروادیا کرتے تھے جیسا کہ شیخ عبد القادر موصلی آپ کے پاس قلندروں کے گروہ کے ساتھ آئے تھے اور وہ حضرت بہاء الدین ذکریا سے گفتگو کر رہے تھے آپ نے کچھ دیر توقف فرمایا اور اپنی قوت باطنی سے حضرت عبد القادر موصلی کو اس لباس اور اس بدعت سے جس میں وہ مبتلا تھے آزاد کیا اور اپنے خرقہ خاص سے مشرف کیا۔[2] یعنی آپ نے اس کو مجذوبیت کے حال سے سکوں میں داخل کیا۔ آپ کو ان کی یہ حالت پسند نہ تھی اس وجہ سے ان کی پوشاک کو اتروادیا تھا۔ وہ لباس سرخ تھا۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ آپ کو سرخ رنگ کا لباس پسند نہ تھا اور آپ نے اس کا اظہار عبداللہ نامی شخص سے فرمایا اور کہا کہ یہ شیطان کا سرخ لباس

---

[1] سلام سہروردی۔ تجلیات سہروردیہ، مرکز علم و فن، زریاب کالونی، پشاور، سن ندارد، صفحہ ۲۷۔

[2] حامد بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین، اردو ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۶۵۔

اتار دو۔[1] اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شاید آپ سرخ رنگ کو پسند نہ کرتے تھے جب کہ صورت حال یہ ہے کہ آپ کسی قسم کی قدغن لباس کے سلسلہ میں نہیں لگاتے تھے بلکہ ہر قسم کا رنگ پسند کرتے تھے علاقے، ماحول اور ظاہر شکل و صورت میں نہ تو آپ کو تصنع و بناوٹ پسند ہے اور نہ ہی آپ کسی خاص لباس کی ترغیب دیتے ہیں۔ سہروردیوں کی خاص بات یہ ہے کہ لباس صاف ستھر ہونا چاہئے۔ بے شک وہ کم قیمت اور پرانا کیوں نہ ہو جیسا کہ شیخ نجیب الدین علی برغش خلیفہ حضرت شہاب الدین سہرودی کے والد بزرگوار ہر چند کہ بہتر سے بہتر لباس آپ کے لئے بناتے اور لذیذ سے لذیذ کھانے پکواتے۔ آپ اس طرف توجہ نہ دیتے اور فرماتے تھے کہ میں دنیا کا جامہ ہرگز نہیں پہنوں گا اور نازک مزاجوں کا کھانا ہرگز نہ کھاؤں گا۔ آپ کمبل اوڑھتے تھے۔[2] معلوم ہوتا ہے کہ اظہار عاجزی وانکساری کے لئے وہ بہترین لباس اور کھانے سے بچتے تھے اور ان کو کمبل وہ موٹا ہوتا ہے وہ زیادہ مرغوب تھا۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا تھا کہ ہند کی سرزمیں پر حضرت بہاء الدین اس سلسلہ کے سرخیل ہیں آپ نے اپنے مرید اور خلیفہ لال شہباز قلندر کو سرخ رنگ کے پہننے سے کبھی منع نہیں کیا۔ وہ آپ کے ساتھ عبادت میں اور مختلف علاقوں میں تبلیغ کے لئے مصروف رہے لیکن وہ سرخ لباس پہنتے تھے اور ان کو لال شہباز کہا ہی اس لئے جاتا ہے۔ مولانا نور احمد خاں فریدی نے تحریر کیا ہے کہ چونکہ سرخ لباس پہنتے تھے پیر طریقت (شیخ بہاء الدین

---

[1] مولانا نور احمد خاں فریدی۔ تذکرہ حضرت بہاء الدین ذکریا، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۵۷ء، صفحہ ۵۶۔

[2] شہزادہ دار اشکوہ قادری۔ سفینہ الاولیاء، نفیس اکیڈمی، اردو بازار کراچی، ۱۹۸۶ء، صفحہ ۱۵۱۔

ذکریا سے) لعل شہباز کا خطاب پایا۔[1] یعنی ان کے سرخ لباس کو سراہا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سہروردیوں کا لباس کوئی خاص شکل کا نہیں ہے یہ ضرور ملتا ہے کہ لباس عمدہ پہنتے تھے۔ جیسا کہ مولانا نور احمد خاں فریدی نے تحریر کیا ہے کہ تمام دنیا جانتی ہے کہ سہروردی چشتیوں کے علی الرغم عمدہ پوشاک پہنتے، عمدہ غذا کھاتے اور کثرت سے عبادت کرتے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام کا دستر خوان مشہور تھا اور یہ آیت اکثر زبان پر رہتی تھی "کلو من الطیبات واعملو ا صالحات۔ + یعنی صاف ستھرا اور پاک کھانا کھاؤ اور نیک عمل کرو۔[2] اس عبارت سے سہروردیوں کا لباس اور غذا کی عمدگی کا اظہار ہے اور عبادت میں دلچسپی کا ذکر ہوا ہے۔ سہروردی اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ وہ یا ان کے پاس آنے والے خراب لباس پہنیں اور گندہ بھی ہو اس لئے کہ ہند کی سرزمین کے سرخیل شیخ بہاء الدین ذکریا کو یہ بات بہت بری معلوم ہوتی تھی اس کا اظہار چشتیوں کے نامور بزرگ شیخ نظام الدین اولیاء نے کیا ہے کہ "جوالقی در آمدہ ساعتی بنشت و برخاست و برفت خواجہ ذکر اللہ بالخیر فرمود کہ ازیں بابت مردم خدمت شیخ بہاء الدین ذکریا رحمۃ اللہ علیہ کم راہ یافتندے۔ اما خدمت شیخ الاسلام فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ از ہر جنس درویش وغیرہ آن برسیدی"۔[3] یعنی ایک ملنگ اندر آیا کچھ دیر بیٹھا اور

---

[1] مولانا نور احمد اخاں فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۰ء صفحہ ۱۵۸۔

+۔ قرآن،

[2] مولانا نور احمد خاں فریدی۔ تذکرہ بہاء الدین ذکریا، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۵۷ء، صفحہ ۱۰۵۔

[3] نظام الدین الویاء۔ فوائد الفوار، اردو ترجمہ خواجہ حسن ثانی نظامی، اردو اکارمی، دہلی، بھارت، ۱۹۹۲ء صفحہ ۱۹۷، جلد اول۔

اٹھا اور چلا گیا۔ خواجہ ذکر اللہ بالخیر (نظام الدین اولیاء) نے فرمایا کہ اس قماش کے لوگ شیخ بہاء الدین ذکریا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کم بار پاتے تھے۔ البتہ شیخ الاسلام بابا فرید الدین مسعود رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ہر طرح کی درویش اور غیر درویش پہنچ جاتے تھے۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ بہاء الدین ظاہری لباس کہ اس سے ریاکاری ظاہر ہو آپ ایسے فرد کو پسند نہ کرتے تھے۔ اس قسم کے لوگوں کو اپنی مجلس میں کم بیٹھنے دیتے تھے۔ آپ خود شیخ بہاء الدین ذکریا اپنے بدن اور لباس کو صاف ستھرا رکھتے تھے۔ جیسا کہ مولانا نور احمد خاں فریدی نے تحریر کیا ہے کہ شیخ الاسلام (شیخ بہاء الدین ذکریا) کے بدن اور لباس پر کسی نے عمر بھر مکھی کو بیٹھتے نہیں دیکھا۔[1] یہ اس بات کی دلیل واضح ہے کہ سہروردی رنگ لباس کوئی بھی ہو وہ صاف ستھرا اور ریاکاری سے پاک ہونا ضروری ہے۔ یہ بات بھی مد نظر رکھنا چاہئے کہ سلسلہ سہروردی مشائخ حکمرانوں کے زیادہ قریب رہے ہیں۔ یہ بات بھی اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ لباس بہتر ہو اور قرآن وحدیث نے بھی صفائی کا حکم دیا ہے وہ بھی اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ سہروردیوں کا لباس صاف ستھرا ہو۔ اسلئے بھی کہ یہ لوگ دین اسلام پر چلنے کے لئے اپنے رویہ میں سختی بھی برتتے ہیں۔ اگر کسی سہروردی کا لباس چیتھڑوں پر مشتمل ہو تو وہ اس کا اپنا انفرادی معاملہ ہوگا۔ نہ کہ وہ سہروردیوں کا لباس قرار پائے۔ اس عبارت کے ضمن میں یہ بات کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ سندھی ثقافت میں بالعموم بستر پر جو دبیز چادر بچھاتے ہیں وہ ایسے رنگین ٹکڑوں سے تیار کی جاتی

---

[1] نظام الدین اولیاء۔ فوائد الفواد، اردو ترجمہ خواجہ حسن ثانی نظامی، اردو اکادمی، دہلی، بھارت، ۱۹۹۲ء صفحہ ۱۹۷، جلد اول۔

ہے اس کو گندی (رلی) + کہا جاتا ہے اور اس چادر کو امیر اور غریب سب لوگ اپنے گھروں میں استعمال کرتے ہیں اس چادر کا سہروردی سلسلہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ سہروردی لباس میں جو رنگ بھی استعمال کریں اس میں مکمل آزادی ہے لیکن خرقہ میں استعمال ہونے والے کپڑے کا رنگ نیلا ہوتا تھا۔ اس نیلے رنگ کے خرقے سہروردیوں نے پہنے ہیں۔ گو کہ حضرت شیخ ابو نجیب سہروردی، شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ بہاء الدین ذکریا نے بھی خرقہ پہنا ہے اور اس کا رنگ کیا تھا کتابوں میں ان خرقوں کا رنگ تحریر نہیں کیا گیا۔ مثلاً عبدالرحمٰن چشتی نے تحریر کیا ہے کہ حضرت بہاء الدین ذکریا بغداد گئے اور شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔[1] اور سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے تحریر کیا ہے کہ شیخ بہاء الدین ذکریا نے اپنے مرشد کے پاس صرف سترہ روز قیام فرمایا تھا کہ ان کو پیر دستگیر کی طرف سے ساری روحانی نعمتیں مل گئیں اور خرقہ خلافت سے بھی سرفراز کئے گئے۔[2] اس طرح کتب تصوف میں خرقہ خلافت کا تذکرہ اور خرقہ پہنایا جانا ضرور ملتا ہے لیکن اس کے رنگ کا تذکرہ کہیں نہیں ملتا۔ اس کی وجہ مرشد کی طرف سے روحانی فیض اور تبرک کے سوا کچھ اور نہیں ہے اس میں رنگ کی قید نہیں لگائی گئی ہر قسم کے رنگ کو قبول کیا جاتا تھا۔ اس بحث میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کو ملاحظہ

+۔ رلی یا گندی چادر کو میں نے جناب محمد عثمان اور شبیر احمد لیکچرار سندھ میڈیکل کالج کراچی کے ہمراہ خود ملاحظہ کیا ہے۔ راقم محمد سعید۔

[1] عبدالرحمٰن چشتی۔ مراۃ الاسرار، اردو ترجمہ کپتان واحد بخش سیال، جلد اول، و دوم، بزم اتحاد المسلمین، لاہور، ۱۴۱۲ھ، صفحہ ۶۹۶۔

[2] سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔ بزم صوفیہ، علامہ ابو برکات اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۸ء صفحہ ۹۱۔۹۰۔

کیا جانا ضروری ہے کیونکہ آپ عام لباس کے رنگ پر تو بحث نہیں فرماتے لیکن مخصوص لباس جس کو خرقہ خلافت کہا جاتا ہے اس کے رنگ پر بحث فرماتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ "نیلی خام خرقہ مشائخ کی نظر میں مستحسن اور پسندیدہ ہے کہ مرید نیلگوں خرقہ یا لباس کے علاوہ کسی اور رنگ کا لباس یا خرقہ پہنے تو کسی کو اس پر اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں ہے اس لئے کہ مشائخ کی آرا تقاضا وقت کے مطابق ہوتی ہیں۔ شیخ اپنے مرید کو کئی رنگ کے اور متعدد خرقے اور لباس پہنا سکتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مشائخ جو نیلا رنگ پسند کرتے ہیں اس میں خوبی یہ ہے کہ نیلا رنگ میل کو چھپاتا ہے اور اس کو جلد دھلانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس لئے یہی رنگ درویش کے لئے زیادہ پسند کیا گیا ہے۔ مزید تحریر کرتے ہیں کہ شیخ مرید کے لئے سفید لباس یا کسی اور رنگ کا لباس تجویز کردے تو اس کا حق ہے۔ آپ خود ہی فرماتے ہیں کہ ارباب تصوف اگر مختلف توجیہات کردیں تو یہ ان کی تصنع ہے اس کا حقیقت اور دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔[۱] آپ کی اس بحث سے علم ہوتا ہے کہ لباس اور خرقے کے رنگ کے سلسلہ میں کوئی قید نہیں ہے۔ شیخ اپنے مرید اور خلیفہ کے ذہنی کیفیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کی اصلاح کے لئے اور منازل سلوک طے کرانے کے لئے جس طرح چاہیں اس کو حکم دے سکتے ہیں۔ بہر صورت نیلے رنگ کو جو پسند کیا گیا ہے اس میں جو حکمت ہے وہ آپ نے یہ کہہ کر بیان فرمائی کہ دھونے کی ضرورت کم پڑے گی اور میلا دیر سے ہوگا تاکہ عبادت و ریاضت میں زیادہ وقت اور یکسوئی حاصل کر سکے۔ اس میں بھی سہروردیوں کا کوئی خاص رنگ سامنے نہیں آرہا۔ نیلے رنگ کے علاوہ وہ

[۱] شیخ شہاب الدین عمر سہروردی۔ عوارف المعارف، اردو ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء صفحہ ۲۴۴۔

خود کوئی دوسرا رنگ اگر سامنے آجائے یا پسند کرلیا جائے تو مرید کے لئے وہ بھی تجویز ہو سکتا ہے۔ اس بحث سے حاصل کلام یہی ہی کہ سہروردیوں کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے ہاں ہر قسم کا رنگ پہنا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس سلسلہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کے ہاں سانس بند کر کے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور ذکر و اذکار میں نماز اور قرآن کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

اسلامی انسائیکلو پیڈیا میں تحریر کیا گیا ہے کہ اس سلسلہ میں سانس بند کر کے "اللہ ہو" کہنے کی تاکید کی جاتی ہے۔[۱] اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طریقے سے ریاکاری کا شائبہ نہیں ہوتا۔ جو عبارت کی روح ہے اور اس طریقہ سے خیالات کو جو دل سے نکال کر محض اللہ ہو ذکر کو مد نظر رکھا جاتا ہے اور اس طریقہ سے دل میں تحریک پیدا کرنا مقصود ہوتی ہے کہ اس مشق سے دل خود بخود اللہ ہو کے ذکر میں مشغول ہو جاتا ہے۔ چشتیہ سلسلہ میں مجاہدہ زیادہ نظر آتا ہے جس طرح کہ حضرت عثمان ہارونی چشتی کے متعلق مولانا محمد ذکریا نے تحریر کیا ہے کہ آپ نے ستر سال تک مجاہدہ فرمایا ہے۔[۲] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عثمان ہارونی نے زندگی کا زیادہ تر حصہ مجاہدے میں گزارا۔ ان کے خاص مرید اور مشہور چشتی سلسلہ کے ہند میں بزرگ شیخ خواجہ معین الدین چشتی ہیں وہ بھی مجاہدہ کی طرف زیادہ توجہ دیتے تھے جیسا کہ مولانا محمد ذکریا نے تحریر کیا ہے کہ (معین الدین چشتی) حضرت کثیر المجاہدہ تھے۔ ستر سال رات کو نہیں سوئے۔[۳] چشتی سلسلہ کے

[۱] سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلو پیڈیا، شاہکار بک فونڈیشن، کراچی ۱۹۸۹ء، صفحہ ۵۰۷۔

[۲] مولانا محمد ذکریا۔ تاریخ مشائخ چشت، مکتبہ الشیخ، بہادر آباد، کراچی، ۱۴۰۶ھ، صفحہ ۱۶۳۔

[۳] ایضا۔ صفحہ ۱۶۹۔

ایک اور مشہور بزرگ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر مجاہدے میں کمال رکھتے تھے۔ ان کے متعلق مولانا محمد ذکریا نے تحریر کیا ہے کہ (حضرت فرید الدین) آپ نے مجاہدات ابتداً بہت کئے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے کنویں + کا مجاہدہ بھی کیا ہے۔[1] ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ چشتیہ سلسلہ میں مجاہدات کے ذکر واذکار کی طرف زیادہ توجہ دی جاتی ہے جب کہ سلسلہ سہروردیہ میں نماز اور قرآن کی طرف رغبت زیادہ دکھائی دیتی ہے جیسا کہ حضرت شیخ بہاء الدین ذکریا سہروردی نماز اور قرآن میں زیادہ کوشش کرتے تھے جیسا کہ خود نظام الدین اولیاء نے تحریر کیا ہے کہ شیخ بہاء الدین ذکریا رحمۃ اللہ علیہ شبی روی بسوی حاضر آن کرد و گفت کسی باشد از شما کہ امشبدو رکعت نماز کند و در یک رکعت ختم قرآن کند؟ از حاضران کسی ایں معنی را متکفل نشد۔ شیخ بہاء الدین ذکریا پیش رفت و در یک رکعت ختم قرآن کرد و چار سیپارہ دیگر خواند و دو رکعت دوم سورۃ اخلاص خواندہ نماز تمام کرد۔[2] شیخ ذکریا سہروردی کی نماز اور قرآن کی طرف رغبت ظاہر کرتی ہے کہ سلسلہ سہروردیہ میں سخت مجاہدات سے کام نہیں لیا جاتا بلکہ نماز اور قرآن کو کثرت سے پڑھا جاتا ہے بلکہ شیخ بہاء الدین ذکریا فرمایا کرتے تھے مجھے جو کچھ ملا نماز سے ملا ہے۔ جیسا کہ خواجہ نظام الدین اولیا نے تحریر کیا ہے کہ شیخ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ می گفت کہ ہو چہ بمن وسید از نماز رسید۔[3] حضرت شیخ بہاء الدین سہروردی سلسلہ سہروردیہ بانی ثانی بھی اس بات کی زیادہ تلقین

+ ۔ یہ کنواں ضلع عارف والا میں دیوان شہر کے اندر خستہ حالت میں نشان کے طور پر اب بھی موجود ہے ۱۹۹۴ء تک راقم نے خود ملاحظہ کیا۔ محمد سعید۔

[1] مولانا محمد ذکریا۔ تاریخ مشائخ چشت، مکتبہ الشیخ، بہادر آباد، کراچی، صفحہ ۱۷۹۔

[2] نظام الدین اولیاء۔ فوائد الفواد، ترجمہ خواجہ حسن نظامی، اردو اکیڈمی، دہلی، بھارت، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۹، جلد اول، مجلس ۳۴۔

[3] ایضاً۔ صفحہ ۹۔

کرتے تھے کہ نماز اور قرآن پڑھنے میں کمال حاصل کیا جائے جیسا کہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی نے تحریر کیا ہے کہ تلاوت کلام اللہ کی لذت مناجات کے موقعہ پر تمام وجود کائنات کو اس کی نگاہوں سے چھپا دیتا ہے اور کلام مجید اپنی ذات کے اعتبار سے تمام موجودات کا قائم مقام بن کر صفائے شہود کی مزاحمت بن جاتا ہے۔ عالم شہود میں صرف کلام مجید تمام کائنات کا قائم مقام بن جاتا ہے۔[1] اس عبارت کے علاوہ آپ نے مزید فرمایا ہے کہ مغرب اور عشاء کے مابین مسلسل نماز (نفل) یا تلاوت یا ذکر میں مصروف رہے۔[2] ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ سہروردیہ میں دیگر اذکار کرنے منع نہیں ہیں۔ دوسرے ذکر واذکار اور اوراد کئے جا سکتے ہیں لیکن ان تمام اوراد میں قرآن پاک کی تلاوت کرنے اور نماز کو ادا کرنے کی طرف زیادہ رغبت معلوم ہوتی ہے اور ان عبارات میں اس کا واضح اظہار موجود ہے بڑے سلاسل میں قادریہ + بھی ہے۔ اس سلسلہ میں اسلامی انسائیکلو پیڈیا میں تحریر ہے کہ اس سلسلہ میں درود شریف پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ یہ لوگ سماع کے خلاف ہیں۔ ذکر جلی اور ذکر خفی دونوں کو جائز سمجھتے ہیں۔[3] اس سلسلہ کے علاوہ نقشبندیہ سلسلہ ++ بھی اہم مقام رکھتا ہے۔ ان کے

[1] شیخ شہاب الدین سہروردی۔ عوارف المعارف، اردو ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۵۲۰۔۵۲۱۔

[2] ایضاً۔ صفحہ ۵۲۰۔۵۲۱۔

+ ۔ قادریہ سلسلہ کا آغاز شیخ عبد القادر بغداد سے ۴۷۱ھ / ۵۶۱ھ سے ہوا نقشبندیہ سلسلہ ہند میں شیخ باقی باللہ (متوفی ۱۶۰۳ء) دہلی کی واسطے سے پہنچا۔ اس سلسلہ کے بانی خواجہ بہاء الدین نقشبند ہیں۔

[3] سید قاسم محمود۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، ۱۹۸۴ء صفحہ ۵۰۷۔

++ ۔ چشتیہ سلسلہ کا بانی خواجہ ابو اسحاق چشتی بغداد (متوفی ۳۲۹ھ / ۹۴۰ء) ہند میں خواجہ معین الدین چشتی بانی اور سلسلہ کو پہنچانے والے ہیں۔

ہاں ذکر کے سلسلے میں اسلامی انسائیکلوپیڈیاں میں تحریر ہے کہ یہ لوگ مراقبے پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ سماع کے خلاف ہیں اور اذکار میں بھی ذکر خفی کو جائز سمجھتے ہیں۔ ۱ ان دونوں سلسلوں قادریہ اور نقشبندیہ میں سماع نہیں ہے اور یہ دونوں سلسلے سماع کے مخالف ہیں۔ ان میں قادریہ سلسلہ ذکر جلی اور خفی دونوں کو جائز سمجھتا ہے جب کہ سلسلہ نقشبندیہ خفی ذکر کو جائز سمجھتا ہے اور سلسلہ قادریہ درود شریف زیادہ پڑھنے پر زیادہ زور دیتا ہے کہ جب کہ سلسلہ نقش بندیہ مراقبے پر زیادہ زور دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر سلسلہ میں ذکر و اذکار کے علٰحدہ طریقہ کار ہیں۔ ان مخصوص اذکار کو اپنانے سے منازل سلوک طے کرنا ہوتی ہیں۔ ان تمام سلاسل میں سماع کو جائز تصور نہیں کیا جاتا جب کہ چشتیہ +++ سلسلہ خوب سماع کا قائل ہے اور سلسلہ سہروردیہ کے حضرات سماع کے مخالف نہیں ہیں اور سنتے بھی نہیں ہیں۔ ہاں کہیں بہت قلیل سماع کے متعلق ہوا بھی ہے۔ سہروردیہ سلسلہ کی امتیازی خصوصیت ان تمام سلسلہ میں یہ ہے کہ اس سلسلہ میں قرآن حکیم اور نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے اور باقی اذکار بہت کم کرائے جاتے ہیں۔

اس خصوصیت کے علاوہ ان کی ایک خصوصیت تبلیغ کا جوش ان میں زیادہ تھا اور سیر و سیاحت کا شوق بھی دوسرے سلاسل کے بزرگوں سے زیادہ تھا۔ دیکھا جائے کہ قادریہ سلسلہ میں تبلیغ کا جوش کس حد تک تھا تو حضرت عبدالقادر جیلانی تعلیم و تربیت کے فرمانے میں بہت بلند مقام کے حامل تھے۔ جیسا کہ آپ کے متعلق شہزادہ محمد داراشکوہ قادری نے تحریر کیا ہے

۱ سید قاسم محمود۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیاں، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۴ء، صفحہ ۵۰۷۔

+++۔ چشتیہ سلسلہ کا بانی خواجہ ابو اسحاق چشتی بغداد (متوفی ۳۲۹ھ / ۹۴۰ء) ہند میں خواجہ معین الدین چشتی بانی اور سلسلہ کو پہنچانے والے ہیں۔

کہ حضرت غوث الثقلین (شیخ عبدالقادر) بغداد کے عام و خاص لوگوں کو عبادت اور پرہیزگاری کے طریقے سکھایا کرتے اور لوگوں کو وعظ کرتے۔ ۱ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو راہ ہدایت پر لانے اور طریقہ پرہیزگاری سکھانے کے لئے بغداد میں آپ نے بڑے جوش سے تبلیغ فرمائی اور مختلف شہروں، قریوں اور دیہاتوں میں تبلیغ کے لئے اور سیاحت کے لئے تشریف لے گئے۔ سلسلہ قادریہ کے مقابل سلسلہ سہروردیہ کے حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی سیاحت اور تبلیغی کاوش کو دیکھنا ضروری ہے تو عوارف المعارف میں تحریر ہے کہ ۶۲۸ھ میں حضرت شہاب الدین سہروردی نے حج کیا تو اس وقت مختلف شہروں میں تشریف لیگئے اور سینکڑوں افراد آپ سے بیعت ہوئے۔ ۲ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر آپ نے فرمائے ہیں اور اس سفر کے دوران کثیر تعداد میں لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے ہیں۔ اس سے تبلیغ کرنے کا شوق اور سفر کا اندازہ بھی ہوتا ہے اور اس طرح سلسلہ نقش بندیہ نے بھی تبلیغ اور سیاحت میں قدم رکھا ہے۔ اس کو دیکھنے کے لئے حضرت خواجہ بہاء الدین نقش بندی کے کردار کو ملاحظہ کریں تو آپ بیت اللہ کے لئے دو مرتبہ تشریف لے کر گئے ہیں۔ ہرات سے ہوتے ہوئے تائباد اور وہاں سے بخارا+ تشریف لے کر گئے۔ ۳

۱ شہزادہ محمد داراشکوہ قادری۔ سفینۃ الاولیاء، ناشران و تاجران کتب، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۱۷۔

۲ شیخ شہاب الدین سہروردی۔ عوارف المعارف اردو ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء مقدمہ، صفحہ ۱۰۸۔

+۔ بخارا۔ روسی نو آزاد ریاست ازبکستان کا دارالحکومت شہر بخارا۔ ۱۹۹۴ء۔

۳ شیخ عبدالرحمٰن۔ مراۃ الاسرار، اردو ترجمہ کپتان واحد بخش سیال، بزم اتحاد المسلمین، کراچی، ۱۳۱۲ھ، صفحہ ۹۷۔

نقش بندی حضرات کے ہاں سیر وسیاحت کا شوق اس عبارت سے عیاں ہوتا ہے اور اس کے مقابل سہروردیوں کے ہاں بھی سیاحت اور تبلیغ کے متعلق شیخ بہاء الدین ذکریا کو ملاحظہ کریں تو آپ نے مختلف اسلامی ممالک کی سیر و سیاحت اور تبلیغی فریضہ انجام دیا اور ایک عرصہ تک صوبہ سرحد کی ایک پہاڑی پر گوشہ عزلت میں عبادت کی جسے اب وہ شیخ بودین (شیخ بہاء الدین) کہتے ہیں۔[١] یعنی اس عبادت سے سہروردیوں کے ہاں تبلیغی اور سیاحت کے لحاظ سے سفر ہوتے رہے ہیں۔ اس طرح مشہور سلسلہ چشت کو دیکھیں تو ہند میں خواجہ معین الدین چشتی نے بیس سال تک سفر اور حضر میں اپنے مرشد خواجہ عثمان ہارونی کی خدمت کی ہے اور سفر وسیاحت کرتے ہوئے آپ پتھورا++ رائے کے دور حکومت میں اجمیر +++ (ہندوستان) تشریف لائے۔[٢] سلسلہ چشت کی سیاحت بھی اس عبارت سے عیاں ہے تو سلسلہ سہروردیہ کو باقی سلسلوں پر بقول شیخ محمد اکرام کے ان کو سیاحت اور تبلیغ میں چشتیہ سے زیادہ شوق تھا۔[٣] کس طرح معلوم کیا جائے جب کہ سلسلہ نقش بندیہ سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ میں بھی سیاحت کا وسیع پیمانے پر نہ سہی لیکن محدود شوق ضرور رہا ہے اور سہروردیہ سلسلہ کی یہ

---

[١] شیخ محمد اکرام۔ آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ١٩٩٢ء صفحہ ٢٥٢۔

++۔ پتھورا۔ اجمیر کے علاقے کا راجہ تھا سلطان شہاب الدین غوری نے اس کو شکست دی تھی۔

+++۔ اجمیر۔ ہندوستان کے ایک شہر کا نام ہے۔ ایک راجہ کے نام پر۔ راجہ کا نام آجا اور ہندی میں آجا آفتاب کو کہتے ہیں اور میر ہندی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔ اسی سے اجمیر یہ شہر پہاڑوں میں واقع ہے۔

[٢] عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، اردو ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، سند ندارد، صفحہ ٥٥۔

[٣] شیخ محمد اکرام۔ آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ١٩٩٢ء، صفحہ ٢٥٣۔

خصوصیت کو دیکھنے کے لئے ان کی بنیادی کتاب کو دیکھنا ضروری ہے کہ سفر کے مقاصد کیا تھے اور سہروردیوں کے ہاں سفر کو کیا اہمیت رہی ہے تو شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ (١) مقصد سفر اکتساب فیض ہوتا ہے اور (٢) حصول حصول علم کے لئے سفر اختیار کیا جاتا ہے اور (٣) مقاصد سفر میں اپنے مشائخ اور مخلص بھائیوں سے ملاقات کرنا مقصود ہوتا ہے۔ (٤) ایک مقصد مالوفات سے قطع محبت ہو جائے اور (٥) نفس کے تمام راز اس پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ (٦) اور منجملہ مقاصد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسافر دوران سفر آثار وعبر کا مشاہدہ کرتا ہے۔[١] ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ سہروردی جو زیادہ سفر کے دلدادہ رہے ہیں تو ان کے پیش نظر سفر کرنے کے عظیم مقاصد رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سلسلہ سہروردی تبلیغ دین کے لئے اور اصلاح احوال کے لئے بھی سیر وسیاحت کو خوب کام میں لاتے رہے ہیں اور حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری + ٧٤٨ھ میں کشمیر تشریف لے گئے تھے۔[٢] یہ سہروردی بزرگ سفر کے باقاعدہ اغراض ومقاصد اور اداب وطریق بیان کرتے ہیں۔ شیخ مخدوم جہانیاں سہروردی دس مقاصد بیان کرتے ہیں۔

١۔ تعلیم۔

---

[١] شیخ شہاب الدین سہروردی۔ عوارف المعارف، اردو ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ١٩٨٩ء، صفحہ ٢٦٣۔

+۔ سید جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت کی پیدائش ٧٠٧ھ / ١٣٠٨ء وفات ٧٨٥ھ / ١٣٨٤ء ہے۔ سہروردی بزرگ اور اوچ شہر میں مزار ہے اور شیخ رکن الدین عالم ملتان کے خلفیہ تھے۔

[٢] ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر۔ سید میر علی ہمدانی، گلشن پبلیشرز، سری نگر، ١٩٩١ء، صفحہ ١٢٦۔

۲۔ تجارت۔

۳۔ تفکر در لطافت آفرینش باری تعالیٰ۔

۴۔ حج

۵۔ جہاد۔

۶۔ زیارت مکہ و مدینہ۔

۷۔ زیارت بیت المقدس۔

۸۔ ملاقات بندگان دین۔

۹۔ زیارت قبور بزرگان

۱۰۔ ہجرت۔[1]

اس کے علاوہ اس بات کو ملاحظہ کریں کہ حضرت سری سقطی + صوفیائے کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں جب جاڑے نکل جائیں بہار کا موسم آجائے اور درختوں پر نئے پتے نکل آئیں تو اس وقت سیر و سفر خوب ہے۔[2] ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ بالا مذکورہ مقاصد کی بناء پر سہروردی بزرگ سیر و سیاحت کے زیادہ شوق فرمانے والے رہے ہیں اور اس کو ایک ذریعہ تزکیہ نفس بھی قرار دیتے ہیں تاکہ سلوک کی منازل طے کرنے میں کوئی دقت نہ ہو بلکہ آسانی آجائے۔ جیسا کہ شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ اپنے احول اصلاح اور تزکیہ نفس کا ذریعہ سفر ہی کو

۱ پروفیسر محمد ایوب قادری۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ایچ ایم سعدی کمپنی، کراچی ۱۹۷۵ء، صفحہ ۸۳۔

+۔ سری سقطی ایک صوفی بزرگ جن کا نام ابو الحسن بن وقاص ہے حضرت معروف کرخی کے خلیفہ تھے وفات ۲۵۷ھ / ۸۷۰ء مقبرہ شونیز شہر میں ہے۔

۲ شیخ شہاب الدین سہروردی۔ عوارف المعارف، اردو ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء صفحہ ۲۶۳۔

سمجھو چنانچہ تم کوشش کرو کہ تم ہر رات ایک مسجد میں مہمان ہو اور جب تمہاری موت آئے تو اس حال میں آئے کہ تم دو شہروں کے مابین ہو۔[1] ان مباحث سے شیخ محمد اکرام کے اس قول کو صاد حاصل ہے کہ یعنی سہروردیوں کو سیر و سفر کا شوق چشتیوں سے کہیں بڑھ کر تھا۔ سہروردی سفر کے باقاعدہ مقاصد بیان کرتے ہیں اور عملی طور پر بھی خوب اظہار فرماتے ہیں۔ ان مذکورہ وجوہات کی بنا پر باقی سلاسل سے زیادہ سیر و سفر کے خوگر رہتے ہیں اور یہ خصوصیت سہروردیوں کو دیگر سلاسل سے ممتاز کرتی ہے۔

سلسلہ سہروردیہ کی اس خصوصیت کے علاوہ ایک خصوصیت یہ رہی ہے کہ یہ عوام اور حکمرانوں کی مدد کرتے رہے ہیں۔ گو کہ سلسلہ نقشبندیہ، قادریہ اور چشتیہ عوام کی مدد کرتے نظر آتے ہیں جیسا کہ خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر کے پاس ایک کرتا آیا اور آپ نے وہ پہن کر اتارا اور شیخ نجیب الدین المتوکل کو دے دیا۔[2] نیز شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ آپ دستر خوان پر مختلف نوع کے کھانے لوگوں کو کھلاتے تھے۔[3] اس عبارت سے محدود عوام کی مدد کرنا معلوم ہوتا ہے جب کہ سلسلہ چشتیہ کے بزرگ حضرت بختیار کاکی کے مرشد نے آپ سے کہا پانچ صد درہم قرض لے کر خرچ کر لیا کریں[4] صرف یہ اجازت دی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ معاشی حالت بہتر نہ تھی۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی دنیاوی مدد سلسلہ

۱ شیخ شہاب الدین سہروردی۔ عوارف المعارف، اردو ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء صفحہ ۲۶۳۔

۲ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، اردو ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، سن ندارد، صفحہ ۱۱۶۔

۳ ایضاً۔

۴ شیخ عبدالرحمٰن۔ مراۃ الاسرار، اردو ترجمہ کپتان واحد بخش سیال، بزم اتحاد المسلمین، لاہور، ۱۴۱۲ھ، صفحہ ۶۹۱۔

چشتیہ میں بہت کم نظر آتی ہے جب کہ سلسلہ سہروردیہ میں عوام کی مدد کے ساتھ ساتھ حکمران کی مدد بھی دیکھنے کے لئے تاریخ کے اوراق کو دیکھنا چاہئے۔ جیساکہ شیخ بہاء الدین ذکریا کے متعلق مولانا نور احمد خاں فریدی نے تحریر کیا ہے۔ جب آپ کے مدرسہ بہائیہ میں پندرہ پندرہ بیس بیس مبلغین تیار ہو جاتے تو ان کو شیخ الاسلام ذاتی خزانہ سے پانچ پانچ ہزار اشرفی ایک ایک مبلغ کو عنایت فرماتے۔ [1] یہ تو علماء کی مدد تھی بلکہ عام عوام کی مدد کے سلسلہ میں اس عبارت کو دیکھیں کہ مسافر دوران سفر خانقاہوں میں قیام کرتے انہیں تین دن تک لنگر سے کھانا ملتا تھا۔ اگر ان کے زادراہ میں کمی ہو جاتی تو اگلی منزل تک پہنچانے کے لئے انہیں ضرورت کے مطابق نقدی یا جنس دی جاتی۔ بسا اوقات سواری کا بندوبست ہو جاتا۔ حضرت بہاء الدین ذکریا رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں ہزاروں من گندم غلہ جمع رہتا تھا جو خشک سالی کے ایام میں ضرورت مندوں کے کام آتا۔ [2] اس عبارت کے علاوہ شیخ عبدالرحمٰن چشتی کی تحریر ہے کہ پانچ ہزار دینار فقراء میں میں تقسیم فرمائے۔ [3] ان عبارات سے عوام کی خوب مدد کرنے کا حسن و خوبی اظہار موجود ہے۔ اس کے مقابلے میں باقی سلاسل میں اس طرح کی مدد کا سراغ نہیں ملتا۔ سلسلہ سہروردیہ نے حکمرانوں کی وقتاً فوقتاً مدد کرنے کو بھی دیکھنا ضروری ہے۔ اس کے مقابل چشتیہ، قادریہ، اور نقش بندیہ سلاسل میں

---

[1] مولانا نور احمد خاں فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۴۲۔

[2] مطالعہ پاکستان، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۱۹۸۳ء / ۱۴۰۳ھ صفحہ ۲۱۔

[3] شیخ عبدالرحمٰن چشتی ۔ مرآۃ الاسرار، ترجمہ کپتان واحد بخش سیال، بزم اتحاد المسلمین، لاہور ۱۴۱۲ھ، صفحہ ۶۹۸۔

حکمرانوں کی مدد روحانی طور پر دعاؤں کی شکل میں ملتا ہے جیساکہ حضرت شیخ خواجہ معین الدین چشتی نے خانہ کعبہ میں دعا کی تھی کہ قیامت تک خوانوادہ چشتیہ کا سلسلہ قائم رہے نیز فوت ہونے والے کی قبر پر بیٹھ کر دعائیں جو اس وقت کے لئے موزوں ہو تیں پڑھتے تھے۔ نیز آپ کی خانقاہ میں غربا و مساکین کے لئے کھانا پکتا تھا۔ [1] دعاؤں کی مدد کے علاوہ محدود کھانا کھلانے کا درس تو ملتا ہے لیکن عوام کی عام مدد اور حکمرانوں کی مدد کا تذکرہ کے سلسلہ میں خاموش ہے اس کے مقابل شیخ بہاء الدین ذکریا کے متعلق مولانا نور احمد خان فریدی نے لکھا ہے کہ قباچہ حکمران کو قحط کی وجہ سے غلہ کی ضرورت پڑی آپ نے غلہ اور نقدی سکہ ان کو عطا فرمائے۔ [2] اس کے علاوہ سلطان شمس الدین التمش حکمران کے ایک اہم مسئلہ کی حل کے لئے جو شیخ نجم الدین صغری اور شیخ جلال الدین تبریزی کے درمیان تھا اس کو سلجھانے کے لئے شیخ بہاء الدین ذکریا ملتان سے دہلی تشریف لے گئے۔ اس مغلوں کے حملہ سے ملتان کے حکمرانوں اور عوام کو محفوظ رکھنے کے لئے حضرت بہاء الدین ذکریا نے مغلوں حملہ اوروں کو ایک لاکھ اس وقت کا سکہ عطا فرمایا تھا۔ [3] سلسلہ نقش بندیہ، چشتیہ، اور قادریہ میں اس طرح کی مدد کا تذکرہ کہیں نہیں ملتا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں مادی کمی تو نہ تھی جیساکہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری بیس سال تک حضرت خواجہ عثمان ہارونی چشتی کی

---

[1] سید صباح الدین عبدالرحمٰن ۔ بزم صوفیہ، علامہ ابو البرکات اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۸ء، صفحہ ۴۷۔

[2] مولانا نور احمد خاں فریدی، تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۶۲۔

[3] شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، اردو ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، سن ندارد، صفحہ ۵۵۔

خدمت میں رہے اور ان کے سونے کے لباس کی نگرانی فرماتے رہے ہیں۔ [۱]
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مالی حالت چشتیوں کی اچھی رہی ہے لیکن ان کی مدد حکمرانوں کو پہنچنا کہیں ملتا نہیں ہے۔ اس کے مقابل سہروردی بزرگ سید جلال الدین سلہٹی کو دیکھا جائے تو آپ نے سلطان شمس الدین شاہ بنگال کے بھانجے سلطان سکندر کو اس کی درخواست پر مدد دینے کے لئے دعا بھی کی اور تین سو تیرہ درویشوں کے ساتھ راجہ گوڑ گوبند کی فوج کے ساتھ ٹکر لی۔ [۲] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعاؤں کے ساتھ ساتھ سہروردی بزرگوں نے حکمرانوں کی بڑی مالی مدد کی ہے بلکہ سہروردیوں نے ذہین افراد حکمرانوں کو عطا کئے ہیں تاکہ علاقے کے انتظام وانصرام کو اچھے انداز میں چلایا جاسکے۔
اس بات کو دیکھنے کے لئے شیخ سید جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت کے کردار کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جہانیاں جہاں گشت نے سلطان فیروز شاہ تغلق سے کہہ کر گجرات کے علاوہ منگرول کے علاقے میں دو بھائیوں سہارن اور سادھو کو حکمران بنوایا تھا۔ یہ دونوں بھائی حضرت جہانیاں گشت کے ہاتھ پر ہندومت سے تائب ہو کر مسلمان ہو چکے تھے۔ [۳] ان معلومات سے سلسلہ سہروردیہ کی مدد ہمہ پہلو معلوم ہوتی ہے بلکہ سلسلہ سہروردیہ کے ہند کے بانی شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی + کے متعلق مولانا نور

---

[۱] مولانا نور احمد خاں فریدی۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی ملتان، ۱۹۷۲ء صفحہ ۱۵۱۔
[۲] ایضاً۔
[۳] پروفیسر محمد ایوب قادری۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی ۱۹۷۵ء، صفحہ ۱۶۵۔
+۔ ملتان ملک پاکستان کے دریائے چناب کے کنارے شہر ہے۔ مشرق میں ضلع ساہیوال شمال میں ضلع جھنگ، مغرب میں ضلع مظفر گڑھ ہے اس کا قدیم نام کشپ پورہ تھا ان نام سے مولستھان، سے مولستان سے ملی تھان ہوا اور (بقیہ اگلے صفحے پر)

احمد خان نے تحریر کیا ہے کہ سالانہ جو وفود لے کر آپ کے خلفا ملتان پہنچتے ان کو شیخ الاسلام کی خدمت میں پیش کر کے ان کے لئے دعا کرائی جاتی اور سالانہ رپورٹ پیش کی جاتی۔ دوران سال جو دقتیں پیش آتیں عرض کر کے ان کا مداوا کرایا جاتا۔ بہاء الدین ذکریا ان مشکلات کو حل فرماتے بلکہ جہاں جہاں ضرورت محسوس کرتے وہاں مدد کے لئے خود تشریف لے جاتے۔ [۱]
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ سہروردیہ میں منظم طور پر عوام الناس کی مدد کی جاتی تھی اور یہ مدد ہر طرح کی ہو سکتی تھی جو مذکورہ بالا عبارت سے عیاں ہے اور تمام سلسلوں سے منفرد خصوصیات کا حامل سلسلہ ہے۔
سہروردی اپنی خصوصیات اور امتیازات میں اللہ کے سامنے اپنے آپ کو حاضر رکھنے کا تصور رکھتے ہیں گویا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر وباطن کو دیکھ رہا ہے اگر ہر مسلمان اپنے اندر حضور خداوندی کے تصور کو اتنا ترقی دے لے کہ یہ تصور انسان کی پوری شعوری زندگی پر حاوی ہو جائے تو یہ حقیقت ہے کہ ہمارے لئے یہ قطعاً ناممکن ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی کریں اور اس سے انحراف کریں۔ [۲] سہروردیوں نے اپنی شعوری زندگی کو خوب اللہ کے احکامات کا پابند کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ خلاف سنت کوئی عمل شیخ بہاء الدین ذکریا گوارا نہیں کرتے تھے۔ دراصل اخلاقی جرات

(گذشتہ سے پیوستہ) اس کا بگڑا ہوا نام ملتان پڑ گیا تھا۔ اس شہر کے گرمی گرد و غبار مشہور ہے۔ لیکن رات ٹھنڈی ہے مسلمان حکمران محمد بن قاسم نے اس شہر کو سندھ کے ساتھ فتح کیا تھا۔
[۱] مولانا نور احمد خاں۔ تاریخ ملتان، جلد اول، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۴۴۔
[۲] ڈاکٹر حمید اللہ۔ خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء صفحہ ۲۱۳۔

کی بنا پر لوگوں کو راہ راست پر رکھنے کی کوشش تھی۔ علم اخلاق اور علم تصوف ایک حقیقت کے دو نام ہیں اور وہ حقیقت صرف ان دو باتوں میں منحصر ہے (۱) ہر ایک کے ساتھ بھلائی کرنا (۲) کسی کو دکھ نہ پہنچانا۔[۱] یہ دونوں باتیں سلسلہ سہروردیہ کے بزرگوں میں باتم موجود تھیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے سراپا خدمت گار تھے۔ سہروردی کی تعلیمات میں اپنی اور پاس آنے والے افراد کی ہر لحہ اصلاح کی طرف توجہ رہتی تھی اور وہ انسان کو صفات قبیحہ سے توبہ کراتے اور لوگوں کو پاک وصاف کرتے ہیں اور اوصاف حمیدہ کو اختیار کراتے ہیں۔ یہ پہلی منزل ہے اور زبانی، قلبی، روحی اور سری ذکر پر مداومت کراتے تھے۔ یہ دوسری منزل ہے اور نماز کی منزل پر فائز کراتے تھے کیونکہ وہ مومن کی معراج ہے یہ تیسری منزل ہے۔[۲] عوام الناس کی اصلاح کے ساتھ شیخ بہاء الدین ذکریا فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جو کچھ فیض حاصل ہوا ہے وہ فیض قرآن پڑھنے اور نماز پڑھنے سے حاصل ہوا ہے۔ دراصل انسان کے اندر برے خیالات پیدا ہوتے ہیں جن کو نفس امارہ یعنی بری خواہش کی طرف رغبت کہا جاتا ہے۔ انسان کے اندر نفس لوامہ یعنی اپنی خطا پر شرمندہ ہو کر نیکی کی طرف رغبت کو کہا جاتا ہے اور اس کے بعد نفس مطمئنہ یعنی نیکی پر قائم رہنا اور کبھی بھی برے کاموں کا تقاضا نہ ہونے کو کہتے ہیں۔[۳] ان باتوں کو ریاضت کے ذریعے سہروردیوں نے اپنے اندر پیدا کیا

۱ مولانا محمد حفیظ الرحمٰن سیوہاروی۔ اخلاق اور فلسفہ اخلاق، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۱۹۷۶ء صفحہ ۴۸۸۔

۲ پیر محمد کرم شاہ الازہری۔ ضیاء القرآن، جلد پنجم، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ۱۴۰۰ھ، صفحہ ۵۴۴۔

۳ مفتی محمد شفیع۔ معارف القرآن، جلد پنجم، ادارہ المعارف، کراچی ۱۹۸۶ء، صفحہ ۷۵۔

تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ بہاء الدین ذکریا کے پاس بے پناہ دولت تھی اور اس دولت سے ناداروں، مسافروں اور دینی کام کی خدمت انجام دیں۔ بری باتوں کا کبھی خیال دل میں نہیں گزرا بلکہ دوران تعلیم بخارا کے لوگ آپ کی نیک صفات کو دیکھ کر فرشتہ کہا کرتے تھے۔ اس نیکی کی بنا پر شیخ سید جلال الدین تبریزی کفر کی سرزمین بنگال میں پہنچ کر روحانیت کا درس دیتے ہیں اور شیخ نور الدین مبارک غزنوی بادشاہوں کو تلقین کرتے نظر آتے ہیں۔ اس لئے کہ انسان کے روحانی طریقہ سے کائنات اس قدر فتح ہوئی ہے کہ مادی اسباب اس تسخیر کے سامنے انگشت بدنداں رہ گئے ہیں اور آج تک عقل انسانی ان حقائق کے مادی اسباب کا سراغ پانے سے قاصر ہے جن پر روحانیت نے فتح پائی ہے۔[۱] اس روحانیت کی وجہ سے شیخ لال شہباز قلندر نے سیہون میں فحاشی اور کفر کو ختم کرنے کی کوشش فرمائی روحانیت کے علاوہ نسل انسانی کی تفریق کے بھی خلاف تھے۔ سہروردیوں میں یہ بات تھی کہ اسلام کے نزدیک تمام انسان برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر رنگ، نسل، زبان یا علاقے کی بنیاد پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ اسلام پیدائشی گناہ کے نظریے کو بھی باطل ٹھہراتا ہے۔ اس کے نزدیک کوئی انسان خلقی طور پر گنہگار نہیں ہوتا۔ جب وہ دنیا میں آتا ہے تو وہ بالکل معصوم ہوتا ہے۔ نیک یا برا وہ اپنے اچھے یا برے اعمال ہی کی بنا پر بنتا ہے۔[۲] اس سے ہند کی ذات پات کی نفی ہوئی اور ہر قسم کا انسان ایک دوسرے کے قریب آیا۔ اخوت اور انسیت پیدا ہوئی خیالات پہنچے اور ہند کے لوگ بزرگوں سے متاثر ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ بلبل شاہ

۱ غلام رسول سعیدی۔ مقالات سعیدی، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۹۸۲ء، صفحہ ۴۸۲۔

۲ پروفیسر ڈاکٹر دلدار احمد قادری۔ علم جدید اور مذہب، اسلامک تھنکر سوسائٹی، کراچی، ۱۹۹۴ء، صفحہ ۶۹۔

سہروردی کے ہاتھ پر کشمیر کا راجہ رنچین دیو اور دس ہزار افراد اسلام قبول کرتے ہیں۔ ان کی تربیت کے لئے خانقاہ تعمیر ہوئی۔ یہ پہلی خانقاہ کشمیری میں قائم کی گئی تھی۔ سب انسان برابر ہونے کے درس کیساتھ ساتھ نیکی کو پھیلانے کے لئے اس میں آنے والی رکاوٹوں کو دور کرتے تھے اور جہاد ان کا بہترین طریقہ تھا۔ مسلمان جو بھی نیک عمل کرے ان سب کا اپنا اپنا اجر ہے کسی کام کا کم یا کسی کام زیادہ۔ اور بعض کو بعض پر اجر و ثواب کے لحاظ سے فوقیت ہے لیکن جہاد انسان کے تمام اعمال میں سب سے افضل ہے۔ اس سے افضل کوئی دوسرا عمل نہیں ہے۔[۱] اس بات پر سہروردی ہمیشہ عمل پیرا تھے۔ لہذا شیخ سعدی سہروردی دو مرتبہ جہاد کے لئے ہند میں آئے اور شیخ جلال سلہٹی سات سو مجاہدین کے ہمراہ بنگال میں راجہ گوڑ گوبند سے ٹکرانے کے لئے پہنچا تھا اور اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔ اب بھی اسلام کے اس چھٹے رکن پر عمل کیا جائے تو مسلمانوں میں برائیوں کا خاتمہ اور مصائب ختم ہو سکتے ہیں۔ سہروردیوں میں جہاد کے ساتھ آخرت میں جواب دہی کا عقیدہ بڑا پختہ ہے۔ لیکن ہند میں یہ عقیدہ مختلف طرز کا تھا۔ ہندستان میں آخرت کی زندگی اور جزا کے لئے اواگون (تناسل) کا عقیدہ پیدا ہوا۔ قدیم ہندومت اور پیروان بدھ اور جینی تینوں اس میں ہیں۔[۲] سہروردیوں نے ہند کے علاقے میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق آخرت کا درس دیا تاکہ ہر انسان اپنے اعمال کی جواب دہی کی پیش نظر اچھے اعمال کریں۔ اور جس کام سے منع کرتے تھے۔ ہند میں شطرنج کا عام رواج تھا سہروردی اس سے تھے کہ جس

---

[۱] صوبیدار فرمان علی چوہدری۔ جہاد، شرکت حنفیہ لمیٹڈ، لاہور ۱۹۸۱ء صفحہ ۱۳۸۔
[۲] ابو الکلام آزاد۔ ترجمان القرآن، جلد دوم، اسلامی اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۶ء صفحہ ۱۷۸۔

شخص نے چوسر کھیلا (شطرنج) تو اس نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی کیونکہ اس سے دشمنی پیدا ہوتی ہے۔[۱] اور افراد میں سہروردی محبت پیدا کرتے تھے اور ہر اس چیز سے اعراض برتتے تھے جس سے انسانوں میں تفریق و دشمنی پیدا ہو۔ بہر صورت ہندوؤں میں تفریق ہر دور میں رہی ہے۔ شراب کا استعمال پہلے نہیں تھا لیکن جب چھٹی صدی ہجری میں ہند میں سہروردی داخل ہوئے ہیں اس وقت ہندوؤں میں شراب نوشی تھی بت پرستی تھی قربان گاہیں تھیں اور عیسائیت میں بھی یہ برائیاں تھیں۔ اس زمانہ میں عیسائیوں میں سماجی قوانین کلیسا کے منتخب کردہ تھے اور جو رسومات عیسائیت نے ان میں قائم کر دی تھیں وہ سب پوری طرح ان کے مطیع تھے۔ شراب کا استعمال تھا کلیسہ میں بت پرستی تھی۔ قربان گاہوں پر نذر انے چڑھانے کی رسومات موجود تھیں۔ مسلمانوں کے مدرسے میں تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ الگ بھی ان کا انتظام تھا اور عیسائیوں میں فرقہ بندی بھی تھی۔[۲] سہروردی شراب، بت پرستی اور چڑھاوں کے سخت مخالف تھے۔ ایک خدا کو تسلیم کرتے تھے اور عید الاضحیٰ کو جانور کی قربانی اسلام کے مطابق کرتے تھے۔ سہروردی تعلیم کو عام کرنے میں بڑے فعال ثابت ہوئے تھے۔ شیخ بہاء الدین ذکریا کا مدرسہ بہائیہ بہت مشہور تھا اور کثیر تعداد میں طلباء زیر تعلیم رہتے تھے۔ لیکن علم پر کسی کی کوئی اجارہ داری نہیں تھی اور علم دینے میں خلل نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ اسلام پاپائیت اور برہمنیت کی لعنتوں سے پاک ہے ملا ہو یا مسٹر اس میں کسی کی اجارہ داری نہیں ہے۔ کوئی نسل یا

---

[۱] امام مالک۔ موطا امام مالک، ترجمہ علامہ وحید الزمان، السلامک اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۲ھ، صفحہ ۶۶۷۔
[۲] آئی ایچ برنی۔ مسلم اسپین، کفایت اکیڈمی، کراچی ۱۹۷۸ء، صفحہ ۵۵۱۔

خاندانی نسبت کسی کو کوئی تشریعی اور خصوصی حق نہیں دیتی اور ہر مسلم کا حق ہے کہ وہ علوم اسلامیہ میں تجربہ حاصل کرے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اسلام کی نظر میں عالم و جاہل میں کوئی فرق نہ ہو یا ایک شخص جس نے ساری عمر اسلامی علوم اور اسرار شریعت کے دریافت کرنے میں صرف کی ہو اس کا وہی مقام ہو جو ایک ناواقف کا ہے۔[1] صرف اس علمی فرق کو حیثیت دیتے تھے۔ سہروردی علم کی اشاعت و ترویج کے لئے ہند کی سرزمین میں بڑی کاوشیں کرتے نظر آتے ہیں۔ شیخ راجو قتال کے ذمہ یہ تھا کہ وہ بمبئی، گجرات، کاٹھیاواڑ اور سندھ کے لوگوں کو تعلیم و تربیت کے زیور سے مالامال کریں اور تمام عمر انہوں نے اس فریضہ کو بڑی حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ ہند کے لوگوں کی علمی خدمت بغیر کسی تفریق سہروردیوں نے انجام دی۔ یہ ہند کے معاشرے کی بہترین خدمت تھی۔ اسلام کو معاشرے کے ہر فرد تک پہنچایا اور کسی دوسرے مذہب کو بگاڑا نہیں بلکہ مکمل اپنا نظریہ جو اسلام کی صورت میں ہے وہ برملا پیش کیا اور خود بھی اس کے مطابق زندگی گزاری۔ لیکن یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض مستشرقین نہایت متعصب اہل علم پر مشتمل تھے جن کا کام اسلام کو بگاڑ کر غلط انداز میں پیش کرنا اور اس کے حسن و جمال کو مسخ کرنا تھا۔ مستشرقین ایسے لوگ بھی شامل تھے جو سامراجی عزائم رکھتے تھے اور اسلامی تہذیب و تمدن کو غلط رنگ دے کر مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے تھے۔[2] سہروردیوں میں ایک بات یہ بھی تھی کہ ہند میں داخل ہونے والے سہروردی تمام فقہ حنفی کی مقلد

[1] پیر محمد کرم شاہ سنت خیر الانام، ضیاء القرآن پبلیشرز، لاہور ۱۳۷۳ھ، صفحہ ۲۳۰۔

[2] پروفیسر غلام احمد حریری۔ حدیث رسول کا تشریح مقام، ملک سنز، فیصل آباد ۱۹۸۲ء، صفحہ ۳۶۶۔

تھے۔ یہ مسلمانوں میں فرقہ بندی نہیں ہے بلکہ آسانی سے اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے کا طریقہ ہے۔ بہر صورت ہند میں سلسلہ سہروردیہ کی ایک شاخ کبروی ہے۔ کشمیر میں شیخ میر علی ہمدانی کے پیروکار شافعی تھے۔[1] اور شیخ شہاب الدین عمر سہروردی بھی حضرت امام شافعی کے مقلد تھے۔ شیخ میر علی ہمدانی کو کشمیر کا سب سے بڑا مبلغ کہا گیا ہے۔[2] اور طامس آرنلڈ نے شاہ ہمدان کی تبلیغی کوششوں کو سراہا ہے۔[3] اور شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کا مقام یہ ہے کہ شیخ بہاء الدین ذکریا، شیخ نجی سرور، شیخ سعدی، شیخ نوح بھکری، شیخ نور الدین مبارک غزنوی، شیخ حمید الدین ناگوری، شیخ شرف الدین عراقی، شیخ جلال الدین تبریزی اور شیخ جگجوت سب آپ کے مرید و خلفیہ تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بزرگوں کے ہاں تقلید کا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ ہند میں مشائخ سہروردی حنفی تھے ان کے پیروکار بھی حنفی تھے بلکہ مولانا نور احمد خاں سندھ کے حکمران نور محمد کلہوڑو کی منشور الوصیت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے کہ وباید کہ مذاہب ہر چہار، برحق باید دانست، فاما، بزرگان مادر مذہب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بودند، وشمایاں نیز ہمیں مذہب اختیار کنید۔ (ترجمہ) ہمارے بزرگ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر تھے۔ تم بھی اسی مذہب کو اختیار کرو۔[4] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہند

[1] سر والٹر لارنس۔ پروننشل گزیٹر آف انڈیا، جموں اینڈ کشمیر، آکسفورڈ، سن ندارد، صفحہ ۲۸۵۔

[2] مولوی نظام الدین بدایونی نظامی۔ قاموس المشاہیر، جلد اول، نظامی پریس بدایوں، بھارت ۱۹۲۴ء، صفحہ ۳۱۷۔

[3] طامس آرنلڈ۔ پریچنگ آف اسلام، لاہور، ۱۹۵۶ء، صفحہ ۲۹۲۔

[4] مولانا نور احمد خان فریدی۔ صدر الدین عارف، جلد دوم، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، سن ندارد، صفحہ ۱۵۳۔

میں سہروردی شیوخ حنفی تقلید کرتے تھے اور ان کے چاہنے والے اس پر سختی سے عامل تھے۔ لیکن ہندو رسومات اور بدعات کو سختی سے روکتے تھے۔[1] اور دلچسپ بات یہ ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی حنبلی فقہ پر عمل کرتے تھے اور جب شیخ نجیب الدین سہروردی اپنے ساتھیوں کے ساتھ شیخ عبدالقادر جیلانی کی خدمت میں جاتے تو فرماتے وضو کرو اور دل کو درست رکھنے کا حکم دیتے تھے۔[2] ہند میں تو حنفیت ہے لیکن ہند کے باہر بزرگ شافعی، حنبلی، اور مالکی موجود تھے اور ایک دوسرے سے بیعت ہوتے تھے اور روحانیت کا فیض حاصل کرتے تھے فقہی کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ یہ سہروردیوں کے امتیازات تھے۔

الحمدللہ مقالہ مکمل ہوا اس کے بعد مقالہ کا خلاصہ بیان کیا جائے گا۔

[1] پیرزادہ محمد طیب حسین نقش بندی۔ اولیاء کشمیر، نذیر سنز پبلیشرز، لاہور ۱۹۸۶ء، صفحہ ۳۳۔

[2] ناصر الدین۔ پاکستان میں سلسلہ قادریہ کی دینی و علمی خدمات، مقالہ، جامعہ کراچی، صفحہ ۴۴۔ ان کی ذاتی لائبریری سے استفادہ کیا۔

باب ہشتم

نتائج (خلاصہ)

"سلسلہ سہروردیہ کی ہند میں آمد و علاقے پر اس کے اثرات کا تاریخی جائزہ" کے عنوان کے تحت یہ دیکھنا مقصود تھا کہ سلسلہ سہروردیہ کس فرد سے شروع ہوا اور اس کی ترویج و اشاعت میں کون لوگ تھے اور ہند میں یہ سلسلہ کون بزرگ لے کر پہلے داخل ہوئے اور جو بزرگ بھی ابتداء زمانہ ہند میں وارد ہوئے ان کا ورود تاریخی اعتبار سے کیا تھا اور وہ بزرگ کن علاقوں کو ہند میں اپنا مسکن بنانے میں کامیاب ہوئے اور ان کی تعلیمات اور تبلیغ کس قسم کی تھی اور ہند میں بسنے والے عوام و سلاطین پر ان کے کیا اثرات مرتب ہوئے ان مسائل کو جانچنے کے لئے آٹھ ابواب ترتیب دیئے ہیں جن کی مختصر تفصیل و نتائج آنے والے صفحات میں دی جاتی ہے۔

تصوف کی اصل قرآن و حدیث میں موجود ہے کیونکہ قرآن حکیم میں

كما ارسلنا فيكم رسولاً منكم يتلوا عليكم آياتنا ويزكيكم ويعلمكم الكتاب والحكمة ويعلمكم مالم تكونوا تعلمون۔[1]

(ترجمہ) جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں رسول تم ہی میں کا پڑھتا ہے تمہارے آگے آیتیں اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھلاتا ہے تم کو کتاب اور اس کے اسرار اور سکھاتا ہے تم کو جو تم نہ جانتے تھے۔ اس آیت میں لفظ حکمت سے مراد تصوف ہی ہے اور یہ لفظ قرآن میں تشریح و تفصیل سے مبرا ہے اور یہ لفظ زیادہ نہیں ہے بلکہ اس کے معنی حکمت الٰہی کے ہیں اور یہی تصوف کی اصل ہے۔ قرآن حکیم کی مزید اس آیت سے تصوف کا درس ملتا ہے

[1] سورۃ بقرہ، آیت ۱۵۱۔

واصبر نفسك مع الذين يدعون رب هم باالغداوة والعشى يريدون وجهه .[1] (ترجمہ) اور اے نبی آپ اپنے آپ کو ان لوگوں سے مانوس رکھیں جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں اور اس کے دیدار کے ارادت مند ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب صفہ جو چبوترے پر بیٹھے ذکر خدا کیا کرتے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کا درشن کرنے کے آرزو مند تھے۔ یعنی عبادت سے واصل رب ہونا یہ تصوف کی اصل ہے۔ اسی طرح حدیث میں " ان تعبدالله كا نك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك .[2] (ترجمہ) یعنی انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو اس کو نہیں دیکھ سکتا تو تحقیق کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ عبادت کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے رابطہ پیدا کیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ صوفیائے کرام اللہ تعالیٰ کی عبادت اور مجاہدے میں مصروف رہتے تھے بہر صورت قرآن و حدیث تصوف[3] کی بنیاد اور اصل ہے اور اس سے مقصد تزکیہ نفس، صفائے قلب، اصلاح اخلاق اور مرتبہ احسان تک وصول ہے اور اسلام میں یہی معنی مروجہ ہیں اور شیخ عبدالقاہر ابو نجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اس کی قبولیت اور پذیرائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے قلوب صافی اور نفوس قدسی بنائے تب صافی کا فرق اور طہارت کا تفاوت، فائدہ اور

---

[1] سورہ کہف، آیت ۲۸۔

[2] ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری۔ بخاری، جلد اول، کتاب الایمان، باب ۷ ۳، صفحہ ۱۲۸

[3] تصوف کا ایک معنی اون ہے اور عرب میں بھیڑ، بکریوں اور اونٹ کی اون سے زیادہ تر کپڑے پہنے جاتے تھے۔ کپاس اور دوسرا ریشہ عرب میں نہیں تھا اور باقی کپڑا یمن، مصر، سندھ اور ایران سے پہنچتا تھا۔ سید سلیمان ندوی عرب ہند کے تعلقات، صفحہ ۶۵۔

نفع کی شکل میں ظاہر ہوا۔[1] اس قول سے بھی یہی تائید ہوتی ہے کہ تصوف صفائی کا نام ہے اور اس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ کے رسول کو دیا گیا دین اسلام ہے۔

تصوف دراصل تزکیہ نفس کا نام ہے جیسا کہ شیخ ذکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ تصوف وہ علم ہے جس سے ابدی سعادت کے حصول کی غرض سے تزکیہ نفس، تصفیہ اخلاق اور تعمیر ظاہر و باطن کا طریقہ معلوم کیا جاتا ہے۔[2] اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس علم کا موضوع ذات و صفات رب العالمین ہے اور اس کی غرض و غایت اللہ تعالیٰ کی پہچان ہے جس کے لئے اللہ رب العزت نے انسان کی تخلیق فرمائی ہے۔ اس کی ابتدا دور رسالت سے ہی ہوتی ہے۔

مطالعہ سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی اور اس کے احاطہ میں ایک چبوترا بنوا لیا۔ اس کو صفہ کی نام سے یاد کیا گیا ہے۔ چبوترے پر آپ ﷺ اپنے اصحاب کی تعلیم و تربیت فرماتے تھے۔ تزکیہ نفس کا درس دیا جاتا تھا۔ گو کہ اس وقت اس تعلیم و تربیت کو تصوف کے نام سے موسوم نہیں کیا گیا اور یہ دین اسلام کی تعلیم و تربیت تھی۔ لیکن دیکھا جائے کہ اللہ کی رسول اللہ ﷺ نے جو تعلیم و تربیت اپنے اصحاب کی فرمائی وہ تزکیہ نفس سے اللہ تعالیٰ تک رسائی کا اہم ذریعہ بن گیا تھا اور تصوف بھی بالکل وہی تزکیہ نفس کا طریقہ اور خدا تک رسائی کا ذریعہ اور پہچان خداوندی ہے۔ لہٰذا اس سے معنوی طور پر

---

[1] شیخ شہاب الدین عمر سہروردی۔ عوارف المعارف ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۴۹۔

[2] محمد طاہر القادری۔ حقیقت تصوف، ادارہ منہاج القرآن، لاہور، ۱۹۹۰ء، صفحہ ۱۵۸۔

ابتدا تصوف ثابت ہوتا ہے۔ لفظ تصوف کی ابتداء پہلی صدی ہجری سے شروع ہو چکی تھی اور تصوف کا نام ان بزرگوں کے لئے دوسری صدی ہجری سے پہلے مشہور ہو چکا تھا۔[1] دراصل تبع تابعین کے دور کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے بزرگوں نے اپنی عبادت کے لئے لفظ تصوف مخصوص کر لیا تھا ان لوگوں نے اپنے دلوں کو غفلت کے طاری ہونے سے محفوظ رکھا اور زہد و تقویٰ کو شعار بنا لیا تھا اور اس کی تعلیم و تربیت کے لئے مدارس سے کام لیا گیا۔

دوسری صدی ہجری میں متقی و پرہیزگار لوگوں کو اہل تصوف کہا گیا اور اس سے پہلے صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے نام سے متقی لوگوں کو پکارا جاتا تھا اور یہ نام بہترین تصور کیا جاتا تھا اور اس لحاظ سے ان لوگوں کا پہلا مدرسہ مکہ معظمہ میں دار ارقم اور مدینہ منورہ میں مقام صفہ تھا۔ اس کے بعد دوسری صدی میں ابو ہاشم (متوفی ۱۵۰ھ مطابق ۷۶۷ء) صوفی کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ان کے ہم عصر حضرت سفیان ثوری (متوفی ۱۶۱ھ مطابق ۷۷۸ء) تھے وہ ابو ہاشم کا بڑا احترام کرتے تھے۔ وہ فرماتے تھے "لولا ابو ہاشم الصوفیما عرفت دقائق الریاء[2] کہ اگر ابو ہاشم صوفی نہ ہوتے تو میں دقائق ریا سے آگاہ نہ ہوتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو ہاشم تصوف کی تعلیم دیتے تھے اور ان کا گھر پہلا مدرسہ تھا۔ لیکن اس مدرسے کا کوئی نام نہ تھا تصوف کا باقاعدہ پہلا مدرسہ شام کے مقام رملہ میں ابو ہاشم نے

---

[1] امام ابو القاسم عبدالکریم قشیری۔ رسالہ قشیریہ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسین، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء صفحہ ۱۲۱۔

[2] پرفیسر حامد خاں خامد۔ حضرت سخی سرور، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۱۹۔

قائم کیا۔[1] اس کے بعد حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۴۵ھ) نے علمی طور پر تصوف کا پہلا مدرسہ بنایا تھا۔[2] اس مدرسہ کی تمام تعلیمات و نصاب تصوف پر مبنی تھا۔ اس بحث میں پہلا باضابطہ مدرسہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ہی تصوف کے سلسلہ کا تھا۔ تصوف کے مدرسہ کے بعد لفظ تصوف کے لفظ معنی پر بھی بحث کی گئی ہے۔ یعنی تصوف اچھے اخلاق سے متصف لوگوں کو اور پشمینہ یا اون پہننے والوں کو صوفی کہا جاتا تھا اور امام راغب اصفہانی نے اس کو الصفا سے بیان کیا ہے جس کے معنی کسی چیز کا ہر قسم کی آمیزش سے پاک و صاف ہونے کے ہیں۔[3] اور یہ لفظ صوف سے، اور صفہ سے، اور یونانی لفظ سوف سے، اور صفا سے، اور صحف سے نکلا ہے ان سب میں صوف سے معنی لیے جانا زیادہ صحیح ہے یہ لفظ عربی کا ہے اور عرب مکہ معظمہ میں اونٹ، بکری اور بھیڑ زیادہ پائی جاتی تھیں اور اس کے اون سے کپڑے بنتے تھے اور اس کا لباس صوفیا پہنتے تھے۔ اور اس معنی کے دوسرے رخ میں اگر دیکھا جائے تو سب معنی میں ایک بات قدر مشترک نظر آتی ہے کہ تصوف بغیر کسی لالچ اور خوف کے اللہ تعالیٰ سے محبت و دوستی اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کا نام ہے۔

اور اس لفظ تصوف کی اصطلاحی تعریف بھی کی گئی ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے فرمایا کہ تصوف غیر فقیر ہے اور زہد بھی غیر فقیر

---

[1] پرفیسر حامد خاں خامد۔ حضرت سخی سرور، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۲۰۔

[2] سید قاسم محمود۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شہکار بک فونڈیشن، کراچی، ۱۹۸۹ء صفحہ ۵۰۵۔

[3] امام راغب اصفہانی۔ مفردات القرآن، ترجمہ محمد عبدہ، اہل حدیث اکیڈمی لاہور، ۱۹۷۱ء، صفحہ ۵۸۷۔

ہے اور تصوف غیر زہد ہے۔ پس تصوف ایک ایسا اسم ہوا جو جامع ہے۔ معنی فقر اور معنی زہد کو مع دوسری اوصاف و اضافات کے کہ ان اوصاف و اضافات کے بغیر انسان صوفی نہیں ہو سکتا۔ خواہ وہ فقیر اور زاہد کیوں نہ ہو۔[1] اور التصوف استقامۃ الاحوال مع الحق۔[2] یعنی حق تعالیٰ کے ساتھ احول کی استقامت کا نام تصوف ہے اور شیخ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا التصوف الصدق مع الحق و حسن الخلق مع الخلق۔[3] تصوف حق کے ساتھ سچائی ہے اور مخلوق کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا ہے۔ ان تمام تعریفوں میں یہ بات قدر مشترک ہے کہ اچھے اوصاف پیدا کرنا، تزکیہ نفس اور تزکیہ باطن کرنا اور اس کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں متوجہ ہوتا ہے اور تصوف کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی پہچان ہو جاتی ہے اور اللہ سے تعلق پیدا کرنا ہی تصوف ہے۔

انسان جب شریعت اسلامیہ پر عمل پیرا ہو کر حد کمال پر پہنچ جاتا ہے تو وہ منزل تصوف پر فائز ہو جاتا ہے۔ اس پر لفظ تصوف کا اطلاق کیا جاتا ہے اور اس کو صوفی کہا جاتا ہے۔ اس صوفی کے معنی کے متعلق شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ، صفا، اہل صفہ، صف، صوفہ، صفوف القضاء، شیو صوفیا، صوفانہ، صوف[4] الفاظ کو بجیاد بنا کر بحث کرتے ہیں۔ یہ تمام

---

[1] شیخ شہاب الدین عمر سہروردی۔ عوارف المعارف، ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۹۵۔
[2] شیخ علی ہجویری۔ کشف المحجوب، ترجمہ مفتی غلام معین الدین نعیمی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۳ء، صفحہ ۷۰۔
[3] محمد طاہر القادری۔ حقیقت تصوف، ادارہ منہاج القرآن ماڈل ٹاون، لاہور، ۱۹۹۰ء صفحہ ۱۵۹۔
[4] شیخ علی ہجویری۔ کشف المحجوب، ترجمہ مفتی غلام محی الدین نعیمی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۳ء، صفحہ ۵۷۔

خصوصیات ابتدائی صوفیا کرام میں موجود تھیں۔ دراصل شریعت اسلامیہ پر عمل سے حیا گریہ سخاوت، دل کی صفائی، یاد الہی اور وعدہ ایفا کرنا اور دنیا سے کنارہ کش ہو کر محبت الہی میں آنا ہی صوفی ہونا تھا۔ ان باتوں کے نہ ہونے سے کوئی شخص صوفیت کی منزل پر فائز نہیں ہو سکتا۔ اس کے اصطلاحی معنی میں امام قشیری نے حسین بن منصور کا قول نقل کیا ہے کہ صوفی کی ذات یکتا ہوتی ہے۔ نہ کوئی اللہ کے سوا اس کو قبول کرتا ہے اور نہ یہ اللہ کے سوا کسی کو قبول کرتا ہے اور شیخ ابو تراب نخشی فرماتے ہیں کہ "صوفی کے دل کو کوئی چیز میلا نہیں کر سکتی مگر اس سے ہر چیز کو صفائی حاصل ہوتی ہے۔"[1] صوفی کے متعلق ابو حاتم السجستانی ابو نصر سراج سے کہتے ہوئے سنا کہ ابن جلا سے پوچھا گیا کہ صوفی کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا کسی علم میں اس کے معنی نہیں پائے جاتے مگر اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ صوفی ایسا فقیر ہوتا ہے جو کسی قسم کے اسباب پر اعتماد نہ کرتا ہو مکانیت کی قید کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ہر مکان و ہر حالت کے علم سے غافل نہیں رہنے دیتا۔ اس لئے اس کو صوفی کہا جاتا ہے۔[2] شیخ ابو بکر شبلی نے فرمایا الصوفی منقطع عن خلق متصل بالحق۔[3] یعنی صوفی مخلوق سے قطع تعلق کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرتا ہے۔ ان تمام تعریفوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے نفس کو پاکیزہ بنایا، اللہ کی طرف رجوع کیا، تعلق باللہ پیدا ہوا۔ اللہ کی ذات میں فنا ہو گئے

---

[1] امام ابو القاسم قشیری۔ رسالہ قشیریہ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسین، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء صفحہ ۵۱۳۔
[2] ایضاً
[3] ایضاً۔ صفحہ ۵۱۴۔

اور واصل باللہ ہو گئے اور دنیا کی ہر چیز سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے یہی صوفیا کہلائے۔ یہ تحریک ابتدا سے مسلمانوں میں پیدا ہوئی اور قرآن و سنت پر مداومت سے صوفیا نے عملی مظاہرہ فرمایا۔ ان کیفیات و تجربات سے گزرنے والے صوفی متصف ہوئے۔

پہلے صوفی کے متعلق معنوی اعتبار سے اصحاب صفہ کو کہا جاسکتا ہے لیکن لفظ صوفی نیک اعمال کرنے والوں کے لئے دور اصحاب میں استعمال ہوتا تھا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیدا ہوئے اور چودہ سال کی عمر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت ہوئے وہ خانہ کعبہ کے طواف میں ایک صوفی کو کچھ دینا چاہتے تھے، اس نے انکار کر دیا۔ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت کے صوفیا میں قناعت پسندی تھی۔ پہلا صوفی جس پر لفظ صوفی کا اطلاق کیا گیا اس کے متعلق حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ریاکاری کی باریک باتوں کو حضرت ہاشم صوفی سے سیکھا ہے۔[1] یعنی ابو ہاشم (متوفی ۱۵۰ھ) پر لفظ صوفی ابتداء میں سب سے پہلے استعمال کیا گیا اور اس دور میں کوفہ کے کیمسٹری کے ماہر جابر بن حیان (متوفی ۱۶۰ھ) پر بھی لفظ صوفی کا اطلاق ہوا تھا۔ یہ دونوں بزرگ دوسری صدی ہجری، آٹھویں صدی عیسوی کی شخصیات ہیں۔ کوفہ کے رہنے والے ہم عصر تھے اور یہ بات بھی مطالعہ میں آئی کہ تصوف اور صوفی دونوں لفظ کسی غیر زبان کے لفظ نہیں ہیں بلکہ یہ دونوں الفاظ عربی زبان سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ دونوں لفظ دوسری صدی ہجری

---

[1] عبدالرزاق نوافل۔ التصوف والطریق الیہ، قاہرہ، مصر، سن ندارد صفحہ ۱۷۔
[2] شیخ شہاب الدین سہروردی۔ عوارف المعارف، ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء صفحہ ۲۰۴۔

سے پہلے مشہور ہو چکے تھے۔[1] اس باب کے آخر میں فقہائے کرام کے اقوال سے یہ بات سمجھنے میں مدد ملی ہے کہ وہ تصوف کو پسند کرتے تھے اور صوفیا کرام کی طرف داری میں واضح دلائل رکھتے تھے۔[2]

سلسلہ سہروردیہ کی نسبت روحانی اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ سے حضرت علیؓ نے فیض حاصل کیا۔ یہ فیض کئی سلسلوں سے حضرت عبدالقاہر ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی تک پہنچا۔ اور حضرت عبدالقاہر ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی نے بغداد کے اندر چھٹی صدی ہجری میں سلسلہ سہروردیہ کی بنیاد رکھی۔ ایران میں قصبہ سہرورد تھا جو اب ناپید ہے۔ حضرت ابو نجیب سہروردی قصبہ سہرورد کے رہنے والے تھے۔ آپ کی ولادت ۴۹۰ھ میں ہوئی اور وفات بغداد شہر کے اندر ۵۶۳ھ میں واقع ہوئی۔[3] سلسلہ سہروردیہ کے بانی حضرت ابو نجیب سہروردی ہیں اور اس سلسلہ کو شہرت دینے والے آپ کے بھتیجے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی ہیں۔ وہ بھی سہرورد قصبہ کے رہنے والے تھے۔ اس طرح مذکورہ سلسلہ سہروردیہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ تحقیق سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ حضرت شہاب الدین سہروردی کی نسبت روحانی حضرت علیؓ سے تھی لیکن آپ کا نسلی رشتہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے تھا۔[4] اور حضرت شہاب الدین

---

[1] امام ابو القاسم قشیری۔ رسالہ قشیریہ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسین، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء، صفحہ ۱۲۲۔
[2] قاضی قیصر الاسلام۔ فلسفے کے بنیادی مسائل۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن، کراچی ۱۹۷۶ء، صفحہ ۲۱۷۔
[3] شیخ عبدالرحمٰن چشتی۔ مرآۃ الاسرار، ترجمہ کپتان واحد بخش سیال، بزم اتحاد المسلمین، لاہور ۱۴۱۲ھ، صفحہ ۵۳۹۔
[4] شیخ شہاب الدین عمر سہروردی۔ عوارف المعارف، ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۰۳۔

سہروردی فقہ شافعی کے مقلد تھے اور حکومت کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے تھے۔[1] اور آپ کے ہند میں پہنچنے والے خلفاء سب فقہ حنفی کی تقلید کرنے والے تھے۔ یعنی حضرت بہاء الدین ذکریا، حضرت قاضی حمید الدین ناگوری، حضرت جلال الدین تبریزی، حضرت شیخ شہاب بمعروف جگجوت، حضرت شرف الدین عراقی، حضرت سخی سرور، حضرت سید نور الدین مبارک غزنوی، حضرت نوح بھکری۔ یہ سب بزرگ ہند میں چھٹی صدی ہجری نصف کے بعد سے ساتویں صدی ہجری کے نصف تک ہند کے مختلف علاقوں میں جلوہ گر ہوئے۔ اس زمانہ میں بغداد پر خلیفہ مستنجد باللہ عباسی، خلیفہ ناصر الدین باللہ اور خلفیہ المستعصر باللہ کا یکے بعد دیگرے اقتدار تھا اور ہند میں سلطان معز الدین محمد غوری، سلطان قطب الدین ایبک، علاؤ الدین خلجی، سلطان شمس الدین التمش، سلطان ناصر الدین قباچہ اور سلطان غیاث الدین تغلق کا اقتدار یکے بعد دیگرے رہا تھا اور کئی علاقوں پر ہندو راجہ بھی اقتدار رکھتے تھے۔ کشمیر ہند کا وہ علاقہ ہے جہاں اسلام دیر سے پہنچا اس علاقے میں راجہ رنچین دیو کا اقتدار تھا۔ اس راجہ کو شیخ بلبل شاہ نے مسلمان کیا تھا جو کہ (۷۲۷ھ) کا دور تھا۔ اس سلسلہ کا مرکز ہند کا مشہور شہر ملتان تھا جس میں شیخ بہاء الدین ذکریا کی تبلیغ و ہدایت کی مسند تھی۔ ان کے خلفاء میں شیخ سید جلال الدین سرخ بخاری، شیخ صدر الدین محمد عارف، شیخ لال شہباز قلندر، سندھ پنجاب میں اسلام کی ترویج و اشاعت میں مصروف رہتے تھے اور پھر ان کے بعد ان بزرگوں کے خلفا مختلف اطراف میں ہند کے علاقوں میں سلسلہ کو لے کر گئے۔ اس سلسلہ کے بزرگوں میں سماع نہیں تھا لیکن تبلیغی کاموں میں چشتیہ سلسلہ سے پلہ بھاری تھا۔[1] ان کی تعلیمات میں

[1] شیخ شہاب الدین عمر سہروردی۔ عوارف المعارف، ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیسنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۰۶

قرآن حکیم کی تلاوت پر زیادہ زور دیا جاتا اور سانس بند کر کے "اللہ ھو" کا ذکر کیا جاتا تھا۔ ذکر خفی اور جلی دونوں طرح کرتے۔ اتباع رسول کا خاص خیال رکھتے۔ اپنے وظائف میں عوارف المعارف، درود اور نوافل کو شامل رکھتے۔ تعلیمات جو کہ مکمل اسلامی تھیں ان کو عوام و خواص تک پہنچانے کے لئے مسندیں بنائی تھیں اور علاقوں کا دورہ کر کے دین اسلام کی تبلیغ کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے اور وقت کے حکمرانوں کے ساتھ اچھے مراسم قائم کئے ہوئے تھے۔ اس سے عوام کی حاجت روائی ہوتی اور ظلم سے عوام بچی رہتی تھی۔ اس کے ساتھ حکمران بھی جور و ستم کرنے سے باز رہتے اور خدا کی طرف توجہ دیتے تھے۔ ان کی تعلیمات میں یہ بات بڑی بنیادی معلوم ہوتی ہے کہ لوگوں کو کفر سے اسلام میں لانا اور عام مسلمانوں کو گناہوں سے تائب کرا کے نیک بنانا اور نیک مسلمانوں کو منزل روحانیت پر فائز فرماتے تھے۔[1] ان بزرگوں کے ہاں باقاعدہ پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کی جاتی۔ اگر خانقاہ میں رک کر تزکیہ نفس کرنا چاہتا تو اس مرید کو اپنی نگرانی میں شیخ عبادت و ریاضت کراتا ورنہ گناہوں سے بچنے اور نیکی اختیار کرنے کی تلقین کی جاتی اور کچھ وظائف بتا کر روانہ کر دیا جاتا تھا۔ اس سلسلہ میں دین اسلام کی اشاعت کا فریضہ انجام دینے کے لئے خلفاء بھی بنائے جاتے تاکہ مختلف علاقوں میں اسلام کی تبلیغ کی جا سکے ان خلفا کو گون کی شکل کا جبہ جس کو شیخ کا خرقہ کہا جاتا وہ پہنایا جاتا۔ اس کا رنگ نیلا ہوتا۔ اس بنا پر دیر سے میلا ہوگا اور عبادت کے لئے زیادہ وقت مل سکے گا۔ ان کے ہاں دینی تعلیم کے لئے مدرسے بھی بنائے گئے تھے اور یہ لوگ تجارت اور کھیتی باڑی پیشے کو اختیار کرتے تھے۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ تعلیمی مراکز کا قیام، خلفاء کا تقرر،

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، ترجمہ مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، سن ندارد، صفحہ ۶۴۔

آسان طریقہ تبلیغ، عوام و سلاطین کی مدد اور بادشاہوں سے بہتر تعلقات نے سہروردیوں کو بہترین موقع فراہم کیا اور اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دور دراز علاقوں میں دین اسلام کو پہنچایا اور دین اسلام کی ترویج و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔

تحقیق سے ایک بات یہ بھی سامنے آئی کہ سہرورد ایک قصبہ تھا جو اس زمانہ میں مشہور تھا اور اس شہر میں تین مشہور شخصیات متولید ہوئی۔ سلسلہ سہروردیہ کے بانی شیخ عبدالقاہر ابو نجیب سہروردی (متوفی ۵۶۳ھ) سلسلہ سہروردیہ کے بانی ثانی اور عوارف المعارف کے مصنف شیخ شہاب الدین عمر سہروردی (متوفی ۶۳۲ھ) اور شیخ شہاب الدین شیخ اشراق (متوفی ۵۸۷ھ) سہرورد قصبہ کے رہنے والے تھے۔ ان شخصیات کی وجہ سے قصبہ کو شہرت ملی تھی۔ پرانی سڑک (شاہراہ) جو ہمدان سے اردبل کو جاتی تھی اس سڑک کے اوپر واقع تھا۔ یعنی ہمدان شہر کے شمال میں اور زنجان شہر کے مغرب میں اور اردبل شہر کے جنوب میں واقع تھا۔ اس وقت ملک ایران میں فارس کے علاقے کے اندر سہرورد کا قصبہ ناپید ہے۔ سہرورد شہر تاتاریوں کے حملے کے بعد اپنی تابانیاں کھو چکا تھا اور اس زمانے میں سہرورد قصبہ کا روئے زمیں پر نشان باقی نہیں ہے۔ شیخ شہاب الدین اشراق کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے علماء کرام کے فتویٰ کی بنا پر پھانسی دے دی تھی۔ ۱؎ اشراق کا لغوی معنی تاباں یعنی روشن ضمیر۔ وہ فلسفہ کی بلند معراج پر فائز تھا۔ وقت کے علماء اس کے دلائل کا سامنا کرنے سے قاصر نظر آتے تھے اور اس پر زرتشت مذہب کی طرف رغبت کا الزام اور قدماء کے نظریات سے انحراف کرنے والا قرار دیا گیا۔ جب کہ شیخ ابو نجیب سہروردی اور شیخ شہاب الدین

۱؎ جسٹس ایس۔ اے۔ رحمان۔ اردو جامع انسائیکلو پیڈیا، شیخ نیاز احمد، لاہور ۱۹۸۷ء۔

سہروردی علم و فضل حاصل کرنے کے بعد تصوف کی طرف مکمل انہماک و استغراق میں رہے ہیں اور اولیاء اللہ میں سے ہوئے اور شہرت حاصل کی اور بغداد میں طبعی وفات ہوئی اور مزار بھی بغداد شہر میں ہے۔ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے مزار کی عمارت کو بڑا خوبصورت پاکستان کے سابق وزیر اعظم حسین شہید سہروردی اور پاکستان کی امریکہ میں پہلی سفیر بیگم شائستہ اکرام اللہ نے بنوایا تھا۔ بغداد، یہ شہر ساسانی گاؤں کی جگہ ۱۳۵ھ میں بسایا گیا تھا اور سلطان منصور عباسی نے اس شہر کی بنیاد رکھی تھی اور سلطان ہارون الرشید کے زمانہ میں اوج کمال حاصل کر لیا تھا جب کہ یہ مقام سمیریوں کے زمانہ سے صحرائی تجارت کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اس شہر کو تاتاریوں نے ۱۲۵۸ء میں تیمور نے ۱۴۰۰ء میں اور اسمٰعیل صوفی نے ۱۵۲۴ء میں برباد کیا تھا اور اس کے بعد ترکی اور ایران کی فوجوں کے ہاتھوں بھی تباہ ہوتا رہا تھا۔ حال ہی میں عراق اور کویت کے تنازع میں ۱۹۹۱ء کو اتحادی فوجوں نے عراق کے خلاف بغداد پر زبردست بمباری کی۔ یہ شہر تیل کی صنعت، بجلی، اینٹ، سیمنٹ، سگریٹ سازی اور کپڑے کی صنعت میں ایک مقام رکھتا ہے۔ اس شہر میں کالجز، اسکول، یونیورسٹی اور دینی درس گاہوں کے علاوہ حضرت جنید بغدادی، حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت عبدالقادر جیلانی، حضرت امام کاظم، حضرت امام یوسف، حضرت بہلول دانا اور ملکہ زبیدہ کے مزارات ہیں۔ بغداد شہر سے روحانی فیض شیخ شہاب الدین سہروردی نے شیخ سخی سرور اور شیخ نوح بھکری کو عطا کیا اور سترہ یوم میں شیخ بہاء الدین ذکریا علم و عرفان عنایت فرما کر ہند کی سرزمیں پر رشد و ہدایت کے لئے بھیجا۔ ہند کے معنی تو ناز و نخرہ کے ہیں۔ ۱؎ لفظ ہند اسلام سے پہلے بھی مشہور تھا اور لوگ

۱؎ مولانا سعد حسن خاں یوسفی۔ المنجد، (عربی اردو)، دار الاشاعت، کراچی ۱۹۷۵ء، صفحہ ۱۱۴۰۔

عورتوں کے نام "ہندہ" رکھتے تھے اور ہندوستان کو چھٹی صدی ہجری سے پہلے بھی ہندوستان کہا جاتا تھا لیکن ہند میں اسلام پہنچنے کے ابتدائی ایام میں اس ملک کو راجدھانی کہا جاتا تھا۔ جب ہند کے اس حصہ کو جس کو سندھ کہا جاتا ہے اس پر ایرانیوں نے قبضہ کیا تو اس دریا کو عرب کے لوگ مہران کہتے تھے عربوں کے اس علاقے کے لوگوں سے بڑے پرانے تعلقات تھے۔ قبضہ کرنے والے ایرانیوں نے اس کو سندھ دریا کا نام اور علاقے کا نام ہندھور کھا اور اسی نام سے پکارا اور عربوں نے اس علاقے کو سندھ ہی کہا اور اس کے علاوہ دوسرے علاقوں کو ہند کہا۔ اس طرح دنیا بھر میں ہند اور سندھ نام مشہور ہو گئے اور خیبر کے راستے سے جو قومیں ہند میں داخل ہوئیں ان اقوام نے اس کا نام "ہندواستھان" رکھا۔[1] چھٹی صدی ہجری میں پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش اور کشمیر کے علاقے پر مشتمل ایک ملک تھا۔ اس زمانہ میں ہند میں کئی راجاؤں کی حکومتیں تھیں جس کو برصغیر کہا جاتا ہے۔ ہند کے معنی اور وجہ تسمیہ کے بعد یہ بات بھی تحقیق سے سامنے آئی کہ سہروردیوں کا ہند میں بڑا مرکزی شہر ملتان تھا۔ اس شہر کے پرانے کئی نام تھے یعنی ہنس پور، بکشب پور، سنب پور، بھاگ پور، شام پور اور ملی نام تاریخوں میں ملتے ہیں اور آخر میں یہ شہر مول ستھان اور مولیستان اور کثرت استعمال سے ملتان ہو گیا تھا۔[2] اس شہر کی شہرت کی وجہ پرھلاد جی کا مندر، سورج دیوتا کا مندر تھا۔ تاریخی اعتبار سے دو لاکھ سولہ ہزار چار سو تیس برس پرانا شہر ہے۔ ہندومت کی

[1] مولانا سید سلیمان ندوی۔ عرب و ہند کے تعلقات، کریم سنز پبلیشرز، کراچی، ۱۹۷۶ء، صفحہ ۱۲۔

[2] مولانا نور احمد خاں فریدی۔ تاریخ ملتان، قصر الادب، رائٹر کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۲۱۔

مشہور مذہبی کتاب رگ وید اسی شہر میں لکھی گئی تھی۔ ۳۲۷ قبل مسیح سکندر اعظم نے قبضہ کیا۔ اس کے بعد سلوکس، چندر گپت، اشوک چندر، سہارس رائے، راجہ چچ اور راجہ داہر کی حکومت رہی تھی اس کے بعد پہلا مسلمان محمد بن قاسم نے حکومت قائم کی اور ۱۰۱۰ء میں محمود غزنوی نے اس شہر کو فتح کیا۔[1] جب سہروردی بزرگ شیخ سخی سرور ملتان میں تشریف فرما ہوئے اس وقت قرامطہ فرقے کی حکومت تھی۔ اس قرامطہ کی حکومت کو ۱۱۷۵ء میں سلطان شہاب الدین غوری نے ملتان اور اطراف پر قبضہ کیا اور اس شہر پر سلطان ناصر الدین قباچہ، سلطان شمس الدین التمش، رضیہ سلطانہ، جلال الدین خلجی اور سلطان محمد تغلق حکمران سہروردیوں سے بہترین تعلقات رکھتے تھے۔ اس شہر میں شیخ بہاء الدین ذکریا، شیخ صدر الدین محمد عارف، شیخ رکن الدین عالم، حضرت شمس تبریزی، حضرت یوسف شاہ گودیزی، شاہ حسن آگاہی، سلطان احمد قتال، سید موسیٰ پاک شہید کے مزارات ہیں۔ اب بھی یہ شہر صنعتی لحاظ سے مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ تحقیق میں لاہور، دہلی، بھکر، ناگور، اجمیر، بدایوں، بنگلہ دیش، بہار، دکن، حیدر آباد، کشمیر، پشاور، قلات، سیہون اور گجرات کی وجہ تسمیہ کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔ سہروردیوں کے ان شہروں میں ورود کو سمجھنے اور کوششوں کو سامنے لانے میں مدد ملتی ہے۔

سلسلہ سہروردیہ کا تبلیغی کام ٹھوس تھا۔ ان کے سلسلہ کی کتاب عوارف المعارف کو دوسرے سلاسل میں پڑھا جانا اور شیخ عبدالقادر جیلانی کا شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کو عراق کا مشہور انسان قرار دینا اور ان کے سلسلہ کے وظائف کا بہت کم اور آسان ہونا اس سلسلہ کے بلند مقام کا تعین

[1] جسٹس ایس۔ اے۔ رحمان۔ اردو جامع انسائیکلو پیڈیا، نیاز احمد شیخ، کراچی، ۱۹۸۸ء، صفحہ ۱۶۰۸۔

کرتا ہے۔ اس سلسلہ کی بنیاد عراق ملک کے شہر بغداد میں رکھی گئی تھی اور یہ شہر ابو جعفر منصور نے ۱۳۵ھ / ۷۶۲ء میں ساسانی گاؤں کی جگہ بسایا تھا اور سمیریوں ہی کے زمانہ سے یہ مقام صحرائی تجارت کا مرکز چلا آرہا تھا۔ اس کے بعد اس شہر نے ہر پہلو میں ترقی کی منازل طے کی اور اس وقت دنیا کے بڑے شہروں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ اس شہر میں شیخ عبد القادر جیلانی کی وفات ۵۶۱ھ میں ہوئی اور ان کی مسند پر سلسلہ سہروردیہ کا پہلا بزرگ شیخ ابو نجیب سہروردی متمکن ہوا اور ان کی وفات ۵۶۳ھ میں ہوئی تو اس مسند پر سہروردیہ کے ثانی بانی شیخ شہاب الدین عمر سہروردی تشریف فرما ہوئے۔ ان تینوں بزرگوں کے زمانہ میں بغداد پر مسلمانوں کا خلیفہ مستنجد باللہ (متوفی ۵۶۶ھ) حکمران تھا۔ آگے چل کر شیخ شہاب الدین سہروردی کے دور میں خلیفہ ناصر الدین باللہ (متوفی ۶۲۲ھ) اور خلیفہ المستعصر باللہ (متوفی ۱۲۴۲ء) برسر اقتدار رہا ہے اس دور کے آخر میں اس پورے علاقے میں خلفشار ہو گیا تھا اور منگولوں نے ۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء کو حملہ کر کے تباہی مچادی تھی۔ یعنی اس علاقے کے حالات خراب ہونے کی بنا پر اہل علم اور صوفیا کرام ہند کی طرف رخ کرتے نظر آتے ہیں۔ سلطان معزالدین محمد شہاب الدین غوری کی وفات کے بعد سلطنت تین حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ غزنی پر تاج الدین یلدوز، ہندوستان پر قطب الدین ایبک اور ملتان و سندھ پر ناصر الدین قباچہ نے قبضہ کر لیا تھا جب سلطان قطب الدین ایبک کی وفات ہوئی تو سلطان شمس الدین التمش کو متفقہ طور پر ہندوستان کا حکمران بنالیا گیا۔ اس دور میں تاتاریوں نے مسلسل حملے کر کے خوارزم شاہ کی حکومت کو تباہ کر دیا تھا۔ اس تباہی کی وجہ سے علماء کرام اور مشائخ عظام ہند کی طرف آئے۔ ملتان راستے میں پڑتا تھا کچھ وقت ملتان میں ٹھہرتے اور اس کی

بعد ہند کے دوسرے علاقوں کی طرف چلے جاتے تھے۔ ملتان کے حکمران ناصر الدین قباچہ اور دہلی کے حکمران سلطان شمس الدین التمش علماء و صوفیا کے قدر دان تھے۔ مولانا نور احمد خاں فریدی نے تحریر کیا ہے کہ یہ دربار علماء و فضلاء سے پر ہے یہ ایک ایسا آسمان ہے جس میں ارباب کمال کے ستارے چمکتے ہیں۔ یہ ایک ایسا بوستان ہے جہاں فضل کی کلیاں اور ہنر کے شگوفے کھلے ہوئے ہیں۔ نیز سلطان ناصر الدین قباچہ نے بائیس سال حکومت کی۔[۱] اس طرح سلطان شمس الدین التمش نے دہلی سے باہر نکل کر شیخ سید جلال الدین تبریزی کا استقبال کیا تھا۔[۲] تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ بغداد اور اطراف میں خلفشار تھا اور ہند میں صوفیا کرام کی عزت افزائی اور قدر و منزلت تھی اور اس علاقے میں نظریہ اسلام کے روشناس کرانےکی ضرورت تھی۔ ان وجوہات کی بنا پر صوفیا کرام ہند میں تشریف لائے۔

ہند میں سلسلہ سہروردیہ کے سب سے پہلے بزرگ جو تشریف لائے ہیں وہ حضرت سخی سرور کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں جن کا مزار کوہ سلمان کے ساتھ ضلع ڈیرہ غازی خان میں ہے اور آپ کی شہادت ۵۷۰ھ میں واقع ہوئی۔[۳] اس بزرگ کے چند سال بعد شیخ نوح بھکری (متوفی ۶۰۰ھ) دوسرے سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ ہند میں جلوہ گر ہوئے۔ یہ دونوں بزرگ سب سے اوائل میں ہند میں سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ تحقیق سے

[۱] مولانا نور احمد خاں فریدی۔ تاریخ ملتان، قصر الادب، رائٹرز کالونی، ملتان، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۳۸۔

[۲] پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ادارہ ادبیات دلی، دہلی بھارت، ۱۹۸۱ء، صفحہ ۱۲۱۔

[۳] پروفیسر حامد خاں حامد۔ حضرت سخی سرور، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۱۳۷۔

ثابت ہوئے ہیں۔ ان کے بعد شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی (متوفی ٦٦٥ھ) ٦٠١ھ میں ہند میں سلسلہ کو لے کر پہنچے ہیں۔ اس دور میں کشمیر، پشاور کوئٹہ، قلات اور سمندری کنارہ خشکی کے راستے آمدورفت کے لئے استعمال کئے جاتے تھے اور سہروردی سب بزرگ انہی راستوں سے ہند میں داخل ہوئے تھے۔ صرف باباشرف الدین عراقی (متوفی ٦٨٧ھ) دکن حیدر آباد میں سمندری راستے کے ذریعے کشتی سے پہنچتے ہیں۔ جس قدر بھی ہندوستان میں سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ تشریف لائے ان میں کچھ ہندوستان سے باہر گئے اور واپس ہند آگئے اور کچھ ہند کے باہر سے ہند میں داخل ہوئے اور مستقل ہند کی سرزمیں کو اپنا مسکن بنایا۔ صرف شیخ سعدی تبلیغ، جہاد اور سیاحت کے لئے ہند میں تشریف لائے اور پھر واپس ایران شیراز میں تشریف لے گئے۔ آپ کی وفات ٦٩١ھ شیراز میں واقع ہوئی آپ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے خلیفہ تھے۔ تحقیق سے یہی چیز سامنے آئی ہے کہ سہروردیوں کی ہند میں آمد چھٹی صدی ہجری کے نصف سے ساتویں صدی ہجری کے نصف پر تک تشریف۔ آوری ہوئی تھی۔

سلسلہ سہروردیہ کی ہند میں آمد کا تاریخی جائزہ لینے کے بعد ہند میں سلسلہ سہروردیہ کی تعلیمی و تبلیغی کاوشیں بحوالہ شیخ بہاء الدین ذکریا کے جو نتائج سامنے آئے وہ کچھ اس طرح ہیں کہ شیخ بہاء الدین ذکریا ہند شہر کروڑ قصبہ ضلع مظفر گڑھ میں ٥٦٦ھ کو پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان مکہ معظمہ سے ایران کے شہر خوارزم اور وہاں سے ہند کے شہر ملتان کے قصبہ کروڑ میں سکونت پذیر ہوا۔ ابتدائی تعلیم والد بزرگوار سے حاصل کی۔ جب آپ بارہ سال کے ہوئے والد کا انتقال ہو گیا۔ دو سال بعد تک قرآن حفظ کیا اور سات قرات پر مکمل عبور حاصل کیا۔ چودہ سال کی عمر میں حصول علم دین کے لئے

خراساں تشریف لے گئے۔ وہاں سے مزید تعلیم کے لئے بخارا شہر پہنچے۔ یہاں علم اور عبادت میں یکتا ہوئے اور لوگوں کی طرف سے آپ کو فرشتے کا خطاب ملا۔ بخارا سے مکہ معظمہ پہنچے اور شیخ کمال الدین محمد یمنی سے حدیث کی سند اور اجازت حاصل کی اور وہاں سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اور وہاں سے بیت المقدس اور وہاں سے بغداد تشریف فرما ہوئے۔ یہاں شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے بیعت ہوئے۔ مرشد کی طرف سے خرقہ عطا ہوا اور مرشد کی ہدایت کے مطابق سیاحت کرتے ہوئے ملتان تشریف فرما ہوئے اس وقت آپ کی عمر ٣٥ سال تھی۔

اس زمانہ میں ملتان ہندوؤں کا مقدس شہر تھا۔ پرھلادجی کا مشہور مندر یہاں تھا اس کی زیارت کے لئے ہر طرف سے ہندو آیا کرتے تھے۔ اس مندر کے صدر دروازے کے سامنے شیخ بہاء الدین ذکریا نے اپنی مسند بنوائی اور دین اسلام کی تبلیغ کا فریضہ انجام دینے لگے۔ ہند کے اس شہر پر سلطان معزالدین محمد شہاب الدین غوری کا اقتدار تھا۔ ان کے اقتدار سے پہلے قرامطہ لوگوں کی حکومت تھی۔ آپ کی تبلیغ ہندو لوگوں اور قرامطہ لوگوں کو برابر تھی۔ آپ نے وعظ کے ساتھ دین اسلام کی اشاعت کے لئے مدرسہ بہائیہ بنوایا۔ ساتھ خانقاہ تعمیر کرائی جس میں آپ عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ مدرسہ میں کئی زبانوں بنگلہ، سنسکرت، فارسی، عربی، برمی، جاوی، مرہٹی اور سندھی زبانوں میں تعلیم دی جاتی تھی۔ تزکیہ نفس نظم و ضبط اور تعلیم و تربیت کا بہترین انتظام کیا گیا تھا اور پندرہ بیس طلبہ سالانہ تیار ہو جاتے اور ان کو گھوڑے پر بٹھا کر پانچ ہزار اشرفیاں عطا کرتے اور فرماتے

ا۔ حضرت سخی سرور کی سن وفات کے متعلق ایچ۔ اے۔ روز، ایڈوڈ مکلیگن، آر سی ٹیمپل نے ٥٧٠ھ مطابق ١١٧٤ء تحریر کیا ہے راقم نے اسی سن وفات کو بہتر پایا ہے۔ راقم۔

کہ اس کی تجارت کرنا، منافع کم لینا، خراب مال لوگوں کو نہیں دینا، حسن اخلاق سے پیش آنا اور جب لوگ گرویدہ ہو جائیں تو اس وقت اسلام پیش کرنا۔ اس کے علاوہ آپ اپنے مختلف علاقوں میں خلیفہ مقرر فرماتے تھے اور خود بھی سردیوں کے ایام میں سندھ، پنجاب اور بلوچستان کی طرف اور گرمیوں میں کشمیر، خوارزم، خراساں تبلیغ کی غرض سے تشریف لے جاتے تھے اور تجارت بھی کرتے تھے۔

انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح تبلیغ و اشاعت فرماتے تھے اور تحقیق سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ آپ نے ملتان کے اطراف میں زمین کو کھیتی کے قابل بنوایا اور کنویں کھدوائے اور وقت کے حکمران کی اخلاقی، روحانی، مادی اور سیاسی ہر قسم کی مدد فرماتے تھے۔ سلطان ناصر الدین قباچہ کے ساتھ اچھے تعلقات تھے اس کو غلہ کی ضرورت ہوتی آپ فراہم کرتے۔

سلطان شمس الدین التمش سے آپ کے خاص عقیدت و محبت کے مراسم تھے۔ آپ کی تعلیمات میں شریعت مطہر کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ خلاف شریعت بات سے لوگوں کو فوراً ٹوک دیتے تھے۔ آپ فرماتے کہ اللہ کی عبادت کی جائے، اپنے نبی ﷺ پر درود بھیجا جائے، کم کھایا جائے، غیر اللہ کو دل سے نکال دیا جائے، افعال و اقوال کا محاسبہ کیا جائے۔ اللہ سے محبت کی جائے، سنت نبوی پر پابندی کی جائے اور گناہوں سے بچا جائے۔ آپ قرآن اور نوافل میں بڑے محو رہتے تھے۔ آپ کی خانقاہ میں شیخ سید جلال الدین تبریزی، شیخ لال شہباز قلندر، شیخ بابا فرید الدین مسعود، شیخ سعد الدین حمویہ، شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ صدر الدین محمد عارف، شیخ جلاالدین سرخ بخاری اور شیخ حسن افغان عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے۔ آپکی وفات ۶۶۵ھ کو ملتان میں خانقاہ کے اندر عبادت کرتے ہوئے ہوئی۔

مجموعی طور پر ان کی تعلیمی و تبلیغی کاوشیں برصغیر پاک و ہند کے دور دراز علاقوں مثلاً بنگال میں شیخ سید جلال الدین تبریزی، شیخ جلال سلہٹی اور ان کے سات سو بزرگ ساتھی جہاد کرتے ہوئے پہنچے تھے۔ دکن حیدر آباد میں شیخ بابا شرف الدین عراقی، بہار میں شیخ شہاب معروف جگجوت، دہلی میں شیخ سید نور الدین مبارک غزنوی، شیخ قاضی حمید الدین ناگوری، بدایوں میں شیخ علی، اوچ میں شیخ سید جلال الدین سرخ بخاری، شیخ سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت، ملتان میں شیخ صدر الدین محمد عارف، شیخ رکن الدین عالم، لاہور میں شیخ بدر سجستانی، سید صوف، سید اسحاق گازرونی، کشمیر میں شیخ بلبل شاہ، بھکر میں شیخ نوح بھکری، صوبہ سرحد میں شیخ حسن افغان اور بلوچستان اور سندھ میں شیخ لال شہباز قلندر، ٹھٹھہ میں پیر پٹھا، گجرات بھارت میں شیخ محمد بن احمد بخاری، لکھنؤ میں شیخ محمد بن قطب، ڈیرہ غازی خان میں شیخ سخی سرور مذکورہ بزرگوں نے خانقاہیں، مدرسے بنا کر اور علاقوں کا وقتاً فوقتاً دورہ کر کے دین اسلام کو ہند کے علاقے میں پہنچایا اور لوگ متاثر ہوئے اور اس طرح دین اسلام کی ابدی دولت سے ہم کنار ہوئے۔

تحقیق سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ سہروردی عوام و سلاطین کو اپنی عملی زندگی سے متاثر کرتے تھے اور سیاست میں بڑا عمل دخل تھا لیکن اقتدار پر قبضہ نہیں کرتے تھے بلکہ اقتدار کو عوام کی بہبود و فلاح کے لئے دین اسلام کے احیاء کے لئے استعمال کرتے تھے۔ اور اسلامی روح کو حکومت کے کاموں میں داخل کرتے تھے۔ اس طرح تحقیق سے ایک بات یہ بھی سامنے آئی ہے کہ سہروردی بزرگ کسی فرد کو مرید کرتے وقت اس کے سر کے بال تھوڑے یا مکمل کٹوا دیتے تھے تاکہ اس کو ایک نئی زندگی کا احساس ہو اور نیکی کی طرف رغبت اور گناہوں سے پرہیز رہے لیکن اب بال کٹوانے کی رسم باقی

نہیں رہی۔

اس تحقیق میں چھٹی صدی ہجری کے ہند کو دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ برصغیر پاک وہند کے شمال میں ملک نیپال اور چین اور مشرق میں برما اور بھوٹان اور جنوب میں جزیرہ عرب اور اس کے مغرب میں ایران اور شمال مغرب میں افغانستان واقع ہے۔ ہند کے ساتھ جنوب کی طرف سمندری سرحد اور باقی خشکی کی سرحدیں تھیں۔ اس وقت یہ علاقہ کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم تھا۔ ہند سے باہر ممالک کی طرف کبھی حملہ نہیں ہوا اگر کبھی کبھی پشاور کی طرف سے افغانستان کے سرحدی علاقے پر کوئی راجہ اپنے آدمیوں کو بھیج دیا کرتا تھا۔ لیکن مسلمان اس کے علاقے پر باہر سے حملہ آور ہوتے تھے۔ ابتدا سلطان معزالدین محمد غوری ہندوستان میں وارد ہوئے ۔مال واسباب لے کر واپس لوٹ گیا تھا۔ لیکن جب دوبارہ ۵۶۰ھ کے بعد آیا تو پھر اس نے اپنے مفتوح علاقوں میں اپنے آدمیوں کا تقرر کر دیا تھا۔ اس کی وفات ۶۰۲ھ میں واقع ہوئی تو سلطان قطب الدین ایبک دہلی اور تمام اطراف کے علاقوں پر حکمران تھا اور سلطان ناصر الدین قباچہ ملتان سندھ اور اطراف کے علاقوں کا حکمران تھا۔ اس زمانہ کے ہند کی تجارت باہر کے ممالک سے ہوتی تھے۔ تجارت کے راستے کچھ اس طرح تھے۔ خشکی کے راستے سمرقند، قندھار، کشمیر، ایران اور قنوج کے راستے سے ہوتی تھی۔ اور بحری راستوں میں سندھ ، بلوچستان ، مالابار اور سیلون سے لوگوں کی آمدورفت ہوتی تھی۔ یہ راستے دنیا کے تمام ممالک سے رابطے کا کام دیتے تھے۔ انہی راستوں سے سیاح سیاحت کے لئے، تبلیغ کے لئے، تاجر تجارت کے لئے آتے تھے اور علاقوں پر قبضہ اور بعض حکمران ان علاقوں پر حملہ کرنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ اس تحقیق سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ اس وقت ہند میں جین مت ، ہندومت ، بدھ مت بڑے مذاہب تھے اور

کہیں کہیں عیسائیت بھی تھی اور مسلمان بھی کافی تعداد میں ہند کے مختلف علاقوں میں موجود تھے اور سلسلہ چشتیہ کے خواجہ معین الدین چشتی اجمیری سلسلہ جنیدیہ کے شیخ علی ہجویری معروف داتا گنج بخش لاہور اور شیخ سید محمد یوسف گردیزی ملتانی سلسلہ سہروردیہ کے ہند میں پہنچنے سے پہلے موجود تھے اور تحقیق سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ اس زمانے میں ہندو راجہ عیش و عشرت میں مبتلا تھے اور ہندو ذات پات کے نظام میں جکڑے ہوئے تھے۔ مسلمانوں سے بعض علاقوں میں بُرا سلوک کیا جاتا تھا اور اس وقت ملتان سہروردیوں کا بڑا مرکز تھا جہاں بڑے اہتمام کے ساتھ بہت نظم وضبط سے بعض کام انجام دیئے جاتے تھے۔ سہروردیوں کے چھوٹے چھوٹے مراکز دہلی، لاہور، سہون، سلہٹ، گجرات، بہار، اور اوچ میں قائم تھے۔ بنگال میں علی مردان، کشمیر میں رنچیں دیو، ملتان پر قرامطہ، دکن حیدر آباد پر ہندو راجہ اور باقی علاقوں پر مسلمان حکمران تھے۔ عوام و سلاطین پر اثرات کو دیکھتے ہوئے تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ سلطان سخی سرور سہروردی نے کثرت سے تبلیغ کے ذریعے ہندوؤں کو مسلمان کیا تھا۔ شیخ بہاء الدین ذکریا نے کمبوہ قبیلہ اور کثرت سے ہندو عوام کو مسلمان فرمایا۔ شیخ سید جلال الدین سرخ بخاری نے جدہڑ، ڈہر، سیال، وارم اور کثرت سے عوام اور ہندو راجہ گھلوان کو مسلمان کیا۔

شیخ سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت نے راؤ، نون، کھرل، کثرت سے ہندو عوام، عالم، زنار اور راجپوتوں کے قبائل کو مسلمان کیا۔ شیخ بلبل شاہ نے کشمیر میں راجہ رنچیں دیو کو اور امراء وزراء، دس ہزار ہندوؤں کو مسلمان کیا۔ بنگال میں شیخ جلال الدین تبریزی نے کثرت سے ہندو عوام، انجینئر، دانشور اور جوگیوں کو مسلمان فرمایا۔ شیخ نور قطب عالم نے گجرات میں راجہ جدو کو اور کثرت سے ہندو عوام کو اسلام کی دولت سے مالا مال کیا۔ شیخ شاہ محمد

سہروردی نے گورداسپور پنجاب میں راجہ دیہہ کو اور کثرت سے ہندو عوم کو مسلمان کیا۔ تحقیق سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ ان کے اثرات مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر مرتب ہوئے۔ سہروردیوں میں دین اسلام کی تبلیغ کا جوش بہت تھا۔ اخلاق و کردار کے بڑے مضبوط تھے اور پاکیزہ تعلیمات تھیں اور تجارت و سیاحت، جہاد اور تبلیغ کی غرض سے دور دراز علاقوں میں تیزی سے پہنچتے تھے۔ سہروردی آبادی کے لوگوں سے بڑے اچھے مراسم رکھتے اور محبت سے رہتے تھے اور ہر خاص و عام کو عزت دینا اور کھانا کھلانا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ ہند کی سرزمین کی بعض طبقے شودر اور بھیل وغیرہ کو دراوڑ اور ملیچھ کو ذلیل و خوار سمجھتے تھے اور ان سے دور رہتے تھے سہروردیوں نے ان کو گلے لگایا او پھر دار العلوم بنانا۔ زمین کو آباد کرنا، لنگر جاری کرنا، شفاخانے بنانا اور ذات پات کو ختم کرنا، علمی طور پر دلائل دینا اور عوام میں وحدت پیدا کرانا اس سے لامحالہ اچھے اثرات کا مرتب ہونا یقینی تھا اور یہ بات بھی اثر پیدا کرنے کے لئے بڑی اہم ثابت ہوئی کہ حکمرانوں سے سہروردیوں کے اچھے تعلقات و مراسم تھے جس کی وجہ سے عوام ظلم سے بچتی رہتی اور حکمران رواداری کی طرف مائل رہتا تھا۔ اور تحقیق سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ اپنے اندر خصائل پیدا کئے ہوئے تھے اور ہر فرد کی حتیٰ المقدور مدد کرتے تھے اور وقت کے حکمرانوں کے ساتھ مل کر جہاد سے کام بھی لیتے تھے۔

چھٹی صدی ہجری میں جب سہروردی بزرگ ہند میں تشریف فرما ہوئے اس زمانہ میں ہند کی سرزمین پر ہندو مت بڑا مذہب تھا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ سہروردی ایک خدا کو تسلیم کرتے ہیں اور ہندو کئی خداؤں کو مانتے ہیں۔ سہروردی مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور مساجد کو مقدس سمجھتے ہیں، ہندو مندروں کو مقدس مانتے ہیں۔ ہر سہروردی اپنے طور پر عبادت کر سکتا

ہے ہندو بغیر برہمن کے عبادت نہیں کر سکتا۔ سہروردیوں کا نظریہ تھا کہ نجات دینے والا اللہ تعالیٰ ہے ہندوؤں کے ہاں نجات دہندہ برہمن ہے۔ براہ راست خدا کی عبادت کی جا سکتی ہے سہروردیوں کے نزدیک لیکن ہندوؤں میں عوام اور بھگوان کے درمیان برہمن کا واسطہ لازمی ہے سہروردیوں کے ہاں دین اسلام ایک چلا آرہا ہے اس میں کسی فرد کو اصلاح کی ضرورت کبھی پیش نہیں آئی کیونکہ دین السلام مکمل ہے۔ ہندوؤں میں اصلاح کی ضرورت رہتی ہے جس کو پورا کرنے کے لئے گوتم بدھ، مہابیر اور گورونانک نامی مذہبی پیشوا آئے۔ سہروردیوں کے ہاں اور دیگر مسلمانوں نے کبھی دین اسلام کے علاوہ کسی نئے مذہب کی بنیاد نہیں رکھی بلکہ سب مسلمانوں نے اس کے اندر رہ کر عمل پیرا ہونے کا درس دیا۔ ہندوؤں میں گوتم بدھ، مہابیر اور گورونانک نے الگ مذاہب بنائے اور ویدک دھرم کی مخالفت کی اور نجات حاصل کرنے کے لئے ہر فرد کو آزادی دلائی سہروردیوں کے ہاں دین اسلام میں ہدایات مکمل اور قابل عمال موجود ہیں۔ ہندوؤں کے ہاں چند رسومات ایسی بھی ہیں جو نا قابل عمل ہیں۔ سہروردیوں کے ہاں دین میں کسی ترمیم کو سننا تک گوارا نہیں ہے لیکن ہندوؤں میں مذہب کے اندر ترمیم ہوتی رہتی ہے۔ سہروردیوں کے ہاں مذہبی کتاب قرآن ہے اور ہندوؤں کے ہاں مذہبی کتاب مہابھارت اور وید ہیں۔ سہروردی پہلا انسان آدم کو تسلیم کرتے ہیں اور ہندو پہلا انسان برھما کو مانتے ہیں۔ سہروردیوں کے ہاں مرنے کے بعد انسان کو دفن کر دیا جاتا ہے۔ قیامت میں زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق انسان مرنے کے بعد جلا دیا جاتا ہے اور نیک لوگ ستارے بن جاتے ہیں اور وہ آسمان پر چمک رہے ہیں۔ سہروردیوں کے ہاں قرآن حضرت محمد ﷺ پر اللہ نے نازل کی۔ ہندوؤں کے عقیدے کے

مطابق پہلا ذہین انسان برھما نے وید تحریر کئے۔ سہروردیوں اور ہندوؤں میں بڑا فرق ہے۔ سہروردی ہند میں آنے کے بعد تعداد میں بڑھتے گئے اور ہندو تعداد میں کم ہوتے گئے۔ وجہ تعلیمات تھیں۔ تحقیق سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ سہروردیوں میں مظاہر پرستی نہیں جب کہ ہندوؤں میں مظاہر پرستی تھی۔ سہروردی علم نجوم اور جادو پر یقین نہیں رکھتے تھے لیکن ہندو نجوم اور جادو پر مکمل یقین رکھتے تھے۔ سہروردیوں کے ہاں ایک اللہ کی عبادت ہے۔ ہندوؤں میں بے شمار خداؤں کی عبادت ہے۔ سہروردی اپنے فوت شدہ بزرگوں کی مورتیاں نہیں بناتے لیکن ہندو فوت شدہ اپنے بزرگوں کی مورتیاں بناتے اور ان کی عبادت کرتے۔ سہروردیوں کے ہاں بہن سے شادی نہیں کی جاتی لیکن اسلام کے مطابق چار شادیوں پر یقین رکھتے ہیں جب کہ ہندوؤں میں مصلحت کے تحت بہن سے شادی کرلی جاتی اور صرف ایک شادی پر یقین رکھتے ہیں اور عورت کئی شوہروں کی زوجہ بھی ہوتی تھی۔ [1] تحقیق سے یہ چیز بھی ظاہر ہوئی کہ سہروردیوں کے ہاں انسان کی قربانی کا تصور نہیں۔ صرف اپنے نظریہ کے دفاع کے لئے جہاد کرنا ضروری تصور کرتے ہیں جب کہ ہندوؤں میں انسانی قربانی تھی اور ستی ہونے کا عمل بھی تھا اور مختلف منتوں میں انسان کو بت کی بھینٹ چڑھادیا جاتا تھا۔ سید جلال الدین تبریزی نے بنگال سلہٹ سے انسانی قربانی کی رسم کو ختم کیا تھا۔

سہروردیوں کے ہاں لڑکیوں کو تعلیم دی جاتی اور مرد کے مقابل حقوق دیئے جاتے اور ہر فرد تعلیم حاصل کرسکتا تھا۔ ہندوؤں کے ہاں مخصوص طبقہ کے لئے تعلیم تھی لڑکی ذات کو پیدائش کے بعد قتل کرنے کا رواج ہندوؤں میں پایا جاتا تھا۔ یہ بات بھی تحقیق سے سامنے آئی ہے کہ سہروردی

---

[1] محمد قاسم فرشتہ۔ تاریخ فرشتہ، جلد اول، ترجمہ خواجہ عبدالحئی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، سن ندارد، صفحہ ۲۲۸۔

انسانی معاشرے میں وحدت پیدا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے کوئی فرد مسلمان ہونے کے بعد سہروردیوں کے ساتھ تمام حقوق کا حق دار ٹھہرتا تھا جب کہ ہندو انسانی معاشرے کو ذات پات کے نظام سے تقسیم کئے ہوئے تھے۔ سہروردی لباس میں پگڑی، ٹوپی، تہبند، شلوار اور کرتہ استعمال کرتے تھے جب کہ ہندو اس زمانہ میں بغیر سلے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔ لنگی پگڑی پہنی جاتی تھی۔ سہروردیوں میں عورت برقع، قمیض، شلوار دوپٹہ پہنتی تھی۔ ہندوؤں کی عورتوں میں لباس گاگرے، چادر، ساڑھی استعمال کرتی تھیں۔ سہروردی ہر قسم کا کپڑا لیکن زیادہ سفید صاف ستھرا پہنتے تھے جب کہ ہندوؤں میں گیروا رنگ زیادہ استعمال میں لایا جاتا تھا اور دیگر رنگ دار کپڑے بھی کثرت سے پہنتے تھے۔ سہروردی موسم کی مناسبت سے باریک اور موٹا کپڑا تمام تر سلا ہوا پہنتے تھے جب کہ ہندوؤں م گھونگھٹ کا طریقہ عورتوں میں اور غیر سلا ہوا کپڑا، کھوپڑی گلے میں اور جانور کی کھال بھی لباس کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ کسی سہروردی شیخ کے لئے رنگ دار لباس ضروری نہیں تھا جب کہ ہندوؤں میں برھمن کے لئے گیرو رنگ کو ضروری تصور کیا جاتا تھا۔ سہروردی اپنا سال سن ہجری کو قرار دیتے ہیں جب کہ ہندو بکرماجیت کے جلوس سے سال کی ابتدا کرتے ہیں۔ سہروردیوں کا نظریہ اسلام تھا اور تبلیغی تھا۔ ہند میں ہندو، بدھ مت اور جین مت تبلیغی نظریہ تھا۔ سہروردی جہاد کرتے اور گوشت کھاتے تھے۔ مذہب میں ہندو، جین مت اور بدھ مت لڑائی نہیں کرتے اور گوشت نہیں کھاتے۔ سہروردی چاول گندم، دالیں اور حلال گوشت کھاتے تھے۔ اور اچھی غذا کھاتے تھی جب کہ ہندوؤں میں گوشت غذا میں شامل نہیں تھا۔ سہروردیوں میں غلام رکھنے کا رواج نہ تھا جب کہ ہندو بھی غلام نہیں رکھتے تھے۔ سہروردیوں کے ہاں پان، سپاری اور چھالیہ نہیں کھایا جاتا تھا اور نہ یہ رسم تھی جب کہ ہندوؤں

میں پان اور اس کی رسم موجود تھی۔ سہروردی شادی کے موقع پر عربی میں خطبہ پڑھتے تھے اور چھوہارے اور کھانا پیش کیا جاتا تھا جب کہ ہندوؤں میں دلھن اور دولھا کا دامن آپس میں باندھ دیا جاتا اور کھانا کھلایا جاتا۔ سہروردیوں کے ہاں حقہ نہ تھا جب کہ ہندوؤں میں حقہ شوقیہ اور بغیر شوق کے پیا جاتا تھا سہروردی صفائی کا خیال رکھتے، ہر آدمی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے اور لہو ولعب سے نفرت کرتے تھے جب کہ ہندوؤں میں صفائی کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ ہر آدمی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھاتے تھے اور لہو ولعب زیادہ تھا۔ تحقیق سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ ہند میں سلسلہ چشتیہ بھی موجود تھا۔ ہند میں سہروردیہ سلسلہ کے بانی شیخ بہاء الدین ذکریا رحمۃ اللہ علیہ ہیں جب کہ چشتیہ سلسلہ کے ہند میں بانی خواجہ معین الدین تھے اور وہ ہند میں پہلے موجود تھے۔ سہروردی وظائف کم کرتے تھے۔ قرآن اور نماز کثرت سے پڑھتے تھے اور قوالی کے قائل تھے سنتے نہیں تھے۔ غیر مسلمانوں سے روا داری نہیں تھی۔ موسیقی کے مخالف تھے۔ شریعت کی پابندی کرتے تھے۔ تبلیغی جذبہ زیادہ تھا۔ سیاحت کے شوقین تھے حکمرانوں سے اچھے تعلقات تھے۔ روحانی نسبت حضرت علیؓ سے تھی۔ بلند آواز اور آہستہ ذکر کرتے تھے جب کہ چشتی سخت وظائف کرتے تھے۔ قوالی سنتے تھے۔ ہر قسم کے فرد کو قبول کرتے تھے کپڑوں اور غذا کی طرف خاص توجہ نہیں دیتے تھے۔ سیاحت اور تبلیغ کا جذبہ سہروردیوں سے کم تھا۔ حکمرانوں سے دور رہتے تھے۔ ذکر بلند آواز سے کرتے تھے اور روحانی نسبت حضرت علیؓ سے تھی۔

سلسلہ سہروردیہ کی اہم خصوصیات جو تحقیق کے دوران سامنے آئیں وہ اس طرح تھیں کہ اس سلسلہ کے بانی حضرت ابو نجیب عبدالقاہر سہروردی شریعت پر چلنے کی سخت تاکید کرتے تھے اور حضرت شہاب الدین عمر سہروردی کے نزدیک بزرگان دین اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کے سلسلہ میں

آپ ﷺ کی سنت کو زندہ رکھنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ اسی بنا پر اول شیخ سے لے کر ہند میں پہنچنے والے سہروردی بزرگ شریعت کی پابندی کرنے والے تھے۔ اس سلسلہ میں قرآن حکیم کی تلاوت پر زیادہ زور دیا جاتا تھا اور نوافل بھی پڑھتے تھے لیکن آسان اور سہل اوراد بھی کرتے تھے۔ اس میں سخت قسم کے وظائف نہیں ہیں۔ سلسلہ میں قوالی نہیں ہے لیکن یہ سلسلہ قوالی سننے کے متعلق انکار بھی نہیں کرتا۔ شیخ بہاء الدین ذکریا نے اپنے آستانے پر عبداللہ قوال سے قوالی رات کے نصف گزرنے کے بعد سماعت کی تھی۔ اس سماعت سے پہلے اور بعد کبھی ان کی خانقاہ میں اور اولاد میں قوالی کی سماعت نہیں رہی۔ شیخ بہاء الدین ذکریا آخری عمر میں روزانہ رات کو ایک قرآن سے زیادہ تلاوت کرتے اور شیخ صدر الدین محمد عارف قرآن حکیم کی نئی روزانہ تشریح وتفصیل بیان کرتے اور شیخ رکن الدین تلاوت قرآن مجید پر عمل پیرا ہونے اور تلاوت کرنے کی تاکید کرتے تھے۔ اس سلسلہ کی ایک خوبی سلاطین وامرا سے بہترین تعلقات تھے تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق ان کی زندگی کو متاثر کیا جائے اور عوام الناس کو ان سے فوائد حاصل ہوں۔ عام لوگوں کی اصلاح میں تعلیم وتبلیغ سے بھرپور کام لیتے تھے اور اس کے ساتھ حکومت کے عہدے بھی قبول کرتے تھے جس طرح شیخ الاسلام کا سرکاری عہدہ حضرت ذکریا ملتانی سے لے کر سینکڑوں برس ان کے خاندان میں چلتا رہا اور شیخ نور الدین مبارک غزنوی، شیخ حمید الدین ناگوری بڑے کامیاب شیخ الاسلام کے عہدے کے افراد ثابت ہوئے تھے۔ اس سلسلہ میں جہاد کو اہمیت دی جاتی رہی ہے اور یہ انفرادی خصوصیت میں حضرت سعدی، حضرت جلال سلہٹی، حضرت حمید الدین ناگوری نے اور شیخ بہاء الدین ذکریا کے مریدوں نے جہاد میں خوب حصہ لیا تھا۔

ان میں ایک امتیاز یہ بھی تھا کہ حضرت شیخ شہاب الدین فقہ شافعی کے مقلد تھے لیکن آپ کے ہند کے تمام خلفاو مریدین فقہ حنفی کے مقلد تھے اور روحانی سلسلہ میں کسی فقہ پر عمل پیرا ہونا رکاوٹ نہیں سمجھتے تھے جب کہ حنفی، حنبلی، مالکی اور شافعی فقہاء کو تسلیم کرتے تھے۔ اس سلسلہ کی ایک کتاب بڑی مشہور رہی اور اس کو باقی سلاسل اپنے اوراد میں شامل رکھتے تھے وہ عوارف المعارف کے نام سے شیخ شہاب الدین سہروردی نے تحریر کی تھی اور خانقاہی نظام سے متعلق بہترین کتاب تصور کی جاتی ہے۔ اس سلسلہ کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ ہند میں انسانی قربانی کو ختم کرنے کا سہرا بھی سہروردیوں کے سر ہے۔

اس سلسلہ میں سیر و سیاحت کو اچھی اغراض و مقاصد کے لئے عمل میں لایا جاتا تھا۔ حضرت بہاء الدین ذکریا سردیوں کے ایام میں پنجاب، سرحد، بلوچستان، یوپی، سندھ کے علاقوں میں اور گرمیوں کے ایام میں کشمیر، غزنی، خوارزم، زاہدان اور ہمدان کی طرف سیر و سیاحت، تبلیغ و تعلیم اور لوگوں کی تربیت کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ اس طرح شیخ راجو قتال، شیخ سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت بھی مختلف علاقوں میں تشریف لے جاتے تھے اور سہروردیوں کی سیر و سیاحت بنسبت دیگر سلاسل زیادہ مشہور ہے اور سہروردی اس کو عمل و علم اور مشاہدہ و عبرت اور اولیاء اللہ سے ملاقات کا بہترین ذریعہ تصور کرتے تھے۔ ان کی خصوصیات میں ایک یہ بھی تحقیق سے سامنے آئی ہے کہ اچھا لباس زیب تن فرماتے تھے اور اس کی دیگر افراد کو تلقین کرتے تھے اور گندے لباس کو پسند نہیں کرتے تھے بلکہ اتروادیا کرتے تھے اور ان کے ہاں ابتدا میں نیلے رنگ کا خرقہ پہنا جاتا تھا یہ بزرگ جس طرح عبادت و ریاضت میں کمال حاصل کرتے تھے اسی طرح تجارت

اور کھیتی باڑی میں ایک مقام رکھتے تھے۔ شیخ بہاؤ الدین ذکریا کی مصر سے انڈونیشیا تک، دہلی اور افغانستان تک سمندری اور خشکی کے راستے تجارت ہوتی تھی اور ان کے خصائص میں ایک یہ بھی خصوصیت تھی کہ مدرسے بنا کر اور جگہ جگہ پہنچ کر تعلیم و تبلیغ فرماتے تھے اور اس کے ذریعے کثیر تعداد میں ہندو قبیلے مسلمان فرمائے تھے۔ ان بزرگوں کی یہ مبارک عادت بھی تحقیق سے سامنے آئی ہے کہ عام افراد بغیر تخصیص مذہب و ملت کے مدد فرماتے تھے اور ان میں بادشاہوں کی مدد بھی شامل ہے جس طرح شیخ بہاؤ الدین ذکریا نے سلطان ناصر الدین قباچہ اور سلطان شمس الدین التمش کی مدد فرمائی اور منگولوں کا آنے والا لشکر جو ملتان اور اطراف میں تباہی مچادینا چاہتا تھا اس کو ایک لاکھ اشرفی اپنی جیب خاص سے دے کر اس سے عوام و حکمرانوں کو بچایا تھا۔ یہ بزرگ دنیا اور دین دونوں کو ساتھ ساتھ رکھتے تھے۔ دنیا کو روحانیت پر غالب نہیں ہونے دیتے تھے۔ ان کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ مرید کرتے تھے سر کے بال مرید کے کٹوادیتے تھے آنکھیں بند کر کے اور سانس بند کر کے "اللہ ھو" کا ذکر کرنے کی تلقین کرتے تھے اور قرآن مجید سے شغف پیدا کرنے اور آسان وظائف پڑھنے کی تاکید کرتے تھے۔ شیخ بہاء الدین ذکریا اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو جو کچھ ملا ہے وہ قرآن پاک کی تلاوت اور نماز پڑھنے سے حاصل ہوا ہے۔

ان کی ایک خصوصیت یہ بھی تحقیق سے سامنے آئی کہ چشتیہ سلسلے کے بزرگوں سے عمدہ مراسم تھے اور قادریہ سلسلہ ہند میں سہروردیوں کے ذریعہ پہنچا تھا۔ سہروردیوں کی یہ خصوصیات ان کو انسانی معاشرے میں ممتاز کرتی نظر آتی ہیں۔

گذارشات

اس تحقیقی مقالے کے بعد چند گزارشات بھی سامنے لانا ضروری ہیں جس پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

۱۔ آئندہ تحقیق میں دیکھا جائے کہ سہروردی سلسلہ آگے پھل پھول کیوں نہ سکا۔ ہند میں ناپید کیوں ہو گیا اور ان کے کام کو جمع کیا جائے۔

۲۔ سہروردیوں کے حکمرانوں سے تعلقات تھے اور ان سے عوام الناس کو فوائد کیا تھے اور اسلام کو بھی۔

۳۔ موجودہ خانقاہیں اور سہروردیوں کی راہنمائی سے کس طرح فائدہ ہو سکتا ہے

۴۔ سلاسل کا دین اسلام کی ترویج و اشاعت میں کسی طرح اشتراک عمل ہو کہ احیاء دین کی تحریک منظم کی جاسکے۔

۵۔ اور اخلاق و عبادات اور جہاد پر سلاسل نے کس طرح عمل کیا اور سہروردی کا اس میں کیا مقام تھا۔

کتابیات

۱۔ آئی۔ ایچ۔ برنی، مسلم اسپین، کفایت اکیڈمی، کراچی ۱۹۷۸ء۔

۲۔ آئی۔ ایچ۔ قریشی، شارٹ ہسٹری آف پاکستان، کراچی یونیورسیٹی، کراچی ۱۹۸۶ء۔

۳۔ ابوالفیض سید قلندر علی سہروردی، انوار سہروردیہ، مرکزی مجلس سہروردیہ لاہور، سن ندارد۔

۴۔ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، بخاری جلد اول، (ترجمہ وحید الزماں)، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۱۹۸۵ء۔

۵۔ ابوالحسن مسلم، مسلم، جلد اول، (ترجمہ وحید الزماں)، خالد احسان پبلیشرز، لاہور، ۱۹۸۱ء۔

۶۔ ابوالکلام احمد آزاد، ترجمان القرآن، جلد دوم، اسلامی اکیڈمی لاہور، ۱۹۷۶ء۔

۷۔ ابوالفیض قلندر علی، الفقر و فخری، مرکزی مجلس سہروردی، لاہور، سن ندارد۔

۸۔ ابوالفیض قلندر علی، تعارف سہروردیہ، مرکزی مجلس سہروردی، لاہور، سن ندارد۔

۹۔ ابوالفیض قلندر علی، صحیفہ غوثیہ، آستانہ عالیہ سہروردیہ، لاہور، ۱۹۹۰ء۔

۱۰۔ اشتیاق حسین قریشی، برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، شعبہ تالیف، کراچی یونیورسٹی کراچی، ۱۹۸۹ء

۱۱۔ ابی الولید محمد بن عبداللہ بن احمد الازرقی، اخبار مکہ، تحقیق رشید الصالح محسن، دار الاندلس، ۱۹۸۳ء۔

۱۲۔ امام الدین، نافع سالکین، ترجمہ صاحبزادہ محمد حسین، لاہور، ۱۹۸۲ء۔

۱۳۔ امام غزالی، احیاء العلوم، (ترجمہ مولانا محمد حسن)، جلد دوم، مکتبہ رحمانیہ، لاہور سن ندارد۔

۱۴۔ ابو حنیفہ، مسند امام اعظم ترجمہ مولانا دوست محمد شاکر، فرید بک اسٹال، لاہور سن ندارد۔

۱۵۔ ابن کثیر، علامہ، تفسیر ابن کثیر، اردو، نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی، سن ندارد۔

۱۶۔ اعجاز الحق قدوسی، تذکرہ صوفیائے بنگال، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۶۵ء۔

۱۷۔ اکبر شاہ خاں، تاریخ اسلام، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۷۵ء۔

۱۸۔ امام ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب، مشکوٰۃ جلد اول، ترجمہ عبدالعلیم علوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، سن ندارد۔

۱۹۔ امام مالک، موطا امام مالک، ترجمہ علامہ وحید الزمان، اسلامی اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۲ھ۔

۲۰۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، جلد چہارم، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۱ء۔

۲۱۔ ابن قیم، زاد المعاد، جلد دوم ترجمہ رئیس احمد جعفری، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۲ء۔

۲۲۔ اصفہانی، امام راغب، مفردات القرآن، ترجمہ مولانا محمد عبدہ، اہل حدیث اکیڈمی، لاہور ۱۹۷۱ء۔
۲۳۔ ابن ابی ربیع، سلوک المالک فی تدبیر الممالک، ترجمہ مظہر علی کامل، شعبہ تصنیف، یونیورسٹی کراچی، سن ندارد۔
۲۴۔ احمد رضا خان، دس عقیدے، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۹۸۱ء۔
۲۵۔ ایم ایس۔ ناز، مسلم شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، سن ندارد۔
۲۶۔ امتیاز پراچہ، تاریخ اسلام، طاہر سنز، کراچی، ۱۹۸۲ء۔
۲۷۔ انوار احمد ہاشمی، تہذیب کی کہانی، کراچی بک سینٹر، کراچی، ۱۹۷۹ء۔
۲۸۔ اشتیاق حسین قریشی، جدو جہد پاکستان، مترجم ہلال احمد زبیری، شعبہ تصنیف یونیورسٹی کراچی، ۱۹۹۰ء۔
۲۹۔ اعجاز الحق قدوسی، تذکرہ صوفیائے سرحد، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۶۶ء
۳۰۔ احمد یار خاں، تفسیر نعیمی، جلد اول، مکتبہ اسلامیہ، گجرات، ۱۳۸۷ھ۔
۳۱۔ اشرف ظفر، سیدہ، سید میر علی ہمدانی، گلشن پبلیشرز، سری نگر، کشمیر ۱۹۹۱ء۔
۳۲۔ ابو طالب محمد مکی، قوت القلوب، جلد دوم، ترجمہ محمد منظور توحیدی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۸ء۔
۳۳۔ ابو القاسم عبدالکریم، رسالہ قشیریہ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسین، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۷۰ء
۳۴۔ این این لاء، عہد اسلامی میں تعلیمی ترقی، ترجمہ حسین زبیری، اکیڈمی آف ایجوکیشن، ۱۹۶۵ء
۳۵۔ امجد رؤف خان، سیارہ ڈائجسٹ، اولیاء کرام نمبر، ریواز گارڈن، لاہور، سن ندارد۔
۳۶۔ انوار احمد ہاشمی، تاریخ پاک وہند، کراچی بک سینٹر، کراچی، ۱۹۸۴ء۔
۳۷۔ اعجاز الحق قدوسی، تاریخ سندھ، جلد سوم، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۵ء۔
۳۸۔ احمد محی الدین، مطالعہ پاکستان، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۱۹۸۳ء۔
۳۹۔ ایس۔ اے۔ رحمان، اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، جلد اول، دوم، شیخ نیاز احمد اینڈ سنز، کراچی، ۱۹۸۹ء۔
۴۰۔ انعام الحق کوثر، تذکرہ صوفیاء بلوچستان، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۶ء۔
۴۱۔ البیرونی، کتاب الہند، ترجمہ سید اصغر علی، انجمن ترقی اردو، ہند، دلی، ۱۹۴۱ء۔

۴۲۔ بدر الدین اسحاق، اسرار الاولیاء، مکتبہ فریدیہ، ساہیوال، سن ندارد۔
۴۳۔ بریلوی، عبدالحی، نزہت الخواطر، جلد سوم، ترجمہ ابو یحییٰ امام خاں، مقبول اکیڈمی، لاہور، سن ندارد۔
۴۴۔ پیر غلام دستگیر نامی، بی بیاں پاک دامن، ادارہ معارف نعمانیہ، لاہور، ۱۹۹۳ء۔
۴۵۔ پیر محمد کرم شاہ، سنت خیر الانام، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور ۱۳۷۳ھ
۴۶۔ پیرزادہ محمد طیب حسین، اولیاء کشمیر، نذیر سنز پبلیشرز، لاہور ۱۹۸۶ء
۴۷۔ پیر عابد حسین شاہ، ماہنامہ انوار لاثانی، دربار شاہ لاثانی علی پور، سیالکوٹ، فروری، ۱۹۹۳ء
۴۸۔ پیر محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، جلد پنجم، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ۱۴۰۰ھ۔
۴۹۔ پیر غلام دستگیر نامی، بزرگان لاہور، نوری بک ڈپو، لاہور، ۱۹۹۶ء۔
۵۰۔ پھلواری، شاہ محمد شعیب، اعیان وطن، ماہنامہ دار الاشاعت مجیبیہ، پٹنہ بھارت، ۱۹۴۷ء
۵۱۔ پیام شاہ جہاں پوری، تاریخ نظریہ پاکستان، انجمن حمایت اسلام، لاہور، ۱۹۷۰ء۔
۵۲۔ جمالی، حامد بن فضل اللہ، سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء۔
۵۳۔ جی۔ ڈبلیو۔ چوہدری، پاکستان ریلیشنز ود انڈیا، پال مال پریس، لندن، ۱۹۶۸ء۔
۵۴۔ جیلانی، عبدالکریم بن ابراہیم، انسان کامل، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۰ء۔
۵۵۔ جمالی، ذکاء اللہ، ثناء ڈائجسٹ، ماہنامہ اپریل، ۱۹۸۶ء، گلستان مصطفےٰ فیڈرل بی ایریا، کراچی ۱۹۸۶ء۔
۵۶۔ جمالی، ذکاء اللہ، ثناء ڈائجسٹ، ماہنامہ، اکتوبر، ۱۹۸۷ء، گلستان مصطفےٰ، فیڈرل بی ایریا، کراچی، ۱۹۸۷ء۔
۵۷۔ جی این جلبانی، ٹیچنگ شاہ ولی اللہ، (پہلا ایڈیشن)، کشمیری بازار، لاہور ۱۹۶۷ء۔
۵۸۔ جلال الدین محلی، جلال الدین سیوطی، شیخ، جلالین، ترجمہ محمد نعیم، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان، ۱۹۶۲ء۔
۵۹۔ حامد خان حامد، تذکرہ حضرت سخی سرور، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور، ۱۹۷۵ء
۶۰۔ دارا شکوہ سفینۃ الاولیاء، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۳ء۔
۶۱۔ ڈیوڈسن کلٹر، ہسٹری آف انڈیا، ایس پی سی کے ورس، مدراس، ہند، ۱۹۰۶ء۔
۶۲۔ ڈار، بشیر احمد، تاریخ تصوف قبل از اسلام، ناشران ادارہ اسلامیہ پاکستان کلب روڈ، لاہور، سن ندارد۔

۶۳۔ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر، ہمارے ہندوستانی مسلمان (ترجمہ صادق حسین)، قومی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۴۴ء۔

۶۴۔ رانا محمد اکبر، وہ شخص جو عظیم تھا، یورپ پرنٹنگ پریس، کراچی، ۱۹۹۳ء۔

۶۵۔ ریاض الدین، سید محمد، علم الدنی، محمد عنایت لیدرورکس، کراچی، سن ندارد۔

۶۶۔ زین العابدین، قاضی' قاموس القرآن، دارالاشاعت، کراچی، ۱۳۷۳ھ۔

۶۷۔ ساجد اللہ خاں، النور، فیروز علی نوروز علی ڈوسا، فیصل آباد، سند ندارد۔

۶۸۔ سر والٹر، لارنس، پروشنل گزیٹر آف انڈیا، جموں اینڈ کشمیر، آکسفورڈ، سن ندارد۔

۶۹۔ سلیم شہزاد، تاریخ پاک و ہند، کتاب مرکز، لاہور، ۱۹۶۵ء۔

۷۰۔ سعیدی، غلام رسول، مقالات سعیدی، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۹۸۲ء۔

۷۱۔ سیوہاروی، حفیظ الرحمٰن، اخلاق اور فلسفہ اخلاق، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۱۹۷۶ء۔

۷۲۔ سلیم یزدانی، فکر فرید، پریس ایجوکیشن، کراچی، ۱۹۸۵ء۔

۷۳۔ سلیمان ندوی، سید، تاریخ ارض القرآن کامل، دارالاشاعت، کراچی ۱۹۱۵ء۔

۷۴۔ سہروردی، سید محمد اطہر، اوراد، ۷۰۱۱ / ۴ شاہ فیصل کالونی، کراچی، سن ندارد۔

۷۵۔ سلیمان ندوی، سید، عرب و ہند کے تعلقات، کریم سنز پبلیشرز، کراچی، ۱۹۷۶ء۔

۷۶۔ سہروردی، ابو الفیض قلندر علی، الفقر و فکری، مرکزی مجلس سہروردیہ، لاہور، سن ندارد۔

۷۷۔ سعد حسن خان، المنجد، ادارۃ الاشاعت، کرچی، ۱۹۷۵ء۔

۷۸۔ سلام سہروردی، تجلیات سہروردیہ، مرکز علم و فن، زریاب کالونی، پشاور، سن ندارد۔

۷۹۔ سباعی، ڈاکٹر مصطفےٰ، حدیث رسول کا تشریعی مقام، ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری ملک سنز، فیصل آباد، ۱۹۸۲ء۔

۸۰۔ سورۃ الزمر، قرآن مجید۔

۸۱۔ سورۃ بقرہ، قرآن مجید۔

۸۲۔ سورۃ فرقان' قرآن مجید۔

۸۳۔ سورۃ عنکبوت' قرآن مجید۔

۸۴۔ سورۃ ق' قرآن مجید۔

۸۵۔ سورۃ کہف' قرآن مجید۔

۸۶۔ سورۃ نور' قرآن مجید۔

۸۷۔ سلطان سید محمد، جدید کلید، مرکزی انجمن و آستانہ عالیہ سہروردیہ، حیدر آباد سن

ندارد۔

۸۸۔ سلطان باہو، حجت الاسرار، ترجمہ مولوی محمد عبد الستار، اللہ والے کی دوکان، لاہور، سن ندارد۔

۸۹۔ سید محمود قاسم، ماہنامہ سائنس میگزین، شاہکار بک فونڈیشن، کراچی، مئی، ۱۹۹۴ء۔

۹۰۔ سید فیاض محمود، دی اسٹوری آف انڈو پاکستان، آکسفورڈ پریس، کراچی، ۱۹۶۳ء۔

۹۱۔ سید محمود قاسم، ماہنامہ سائنس میگزین، شاہکار بک فونڈیشن، کراچی جنوری، ۱۹۹۴ء۔

۹۲۔ سلیمان ندوی، سید، سیرۃ النبی، محمد سعید اینڈ سنز، تاجران کتب، کراچی ۱۳۶۴ھ۔

۹۳۔ شاہ ولی اللہ، انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، آر ی برقی پریس، دہلی، سن ندارد۔

۹۴۔ شاہ مراد اللہ منیری، آثار منیر، اول ایڈیشن، مطبوعہ برقی مشین پریس، بانکی پورہ، پٹنہ، بھارت، ۱۹۴۸ء۔

۹۵۔ شاہ محمد شعیب پھلواری، اعیان وطن، دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ، پٹنہ، بھارت، ۱۹۴۷ء۔

۹۶۔ شبیر احمد خورشید، مطالعہ پاکستان، طارق بن زیاد کالج، شاہ فیصل کالونی، کراچی ۱۹۹۳ء۔

۹۷۔ شارب' ظہور الحسن، تذکرہ اولیاء پاک و ہند، الفیصل ناشران و تاجران کتب' لاہور، ۱۹۶۵ء۔

۹۸۔ شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی دارالتصنیف لمیٹڈ، صدر، کراچی، ۱۹۷۵ء۔

۹۹۔ شاہ حسین گردیزی، تبیان، ماہنامہ، جنوری، دارالعلوم مہرپا، کراچی، ۱۹۸۹ء۔

۱۰۰۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ترجمہ مولانا عبد الحق حقانی، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۸۱ء۔

۱۰۱۔ شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف، ترجمہ شمس بریلوی، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء۔

۱۰۲۔ شہزادہ دارا شکوہ، سفینۃ الاولیاء، الفیصل، ناشران تاجران کتبہ' لاہور، ۱۹۹۲ء۔

۱۰۳۔ شرف الدین یحیٰی منیری، اوراد شرفی، ترجمہ حافظ محمد شفیع فردوسی، مکتبہ شرف، بیت بہار نالندہ، بھارت، ۱۹۸۷ء۔

۱۰۴۔ شرف الدین احمد یحیٰی منیری، معدن المعانی، ترجمہ سید شاہ قسیم الدین فردوسی، مکتبہ شرف بیت بہار نالندہ، بھارت، ۱۹۸۵ء۔

۱۰۵۔ شاہ ولی اللہ، ہمعات، ترجمہ پروفیسر محمد سرور، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، ۱۹۴۶ء۔

۱۹۱۔ محمد ذکریا، تاریخ مشائخ چشت، مکتبہ الشیخ، بہادر آباد، کراچی، ۱۴۰۶ھ۔
۱۹۲۔ محمد حلیم، مجدد اعظم، شعاع ادب، لاہور، ۱۹۶۳ء۔
۱۹۳۔ محمد سرور، تصوف کی حقیقت اور اسکا فلسفہ تاریخ، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، ۱۹۴۶ء۔
۱۹۴۔ محمد اکرام، رود کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۲ء۔
۱۹۵۔ محمد اکرام، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۳ء۔
۱۹۶۔ محی الدین ابن عربی، فتوحات مکیہ، چشتی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۸۶ء۔
۱۹۷۔ نظامی، نظام الدین بدایونی، قاموس المشاہیر، نظامی پریس بدایوں، ہند، ۱۹۲۴ء۔
۱۹۸۔ ناصر الدین، بزرگان کراچی، علامہ اقبال ٹاؤن، کراچی، سن ندارد۔
۱۹۹۔ ناصر الدین، پاکستان میں سلسلہ قادریہ کی دینی و علمی خدمات (مقالہ) جامعہ کراچی، ۱۹۹۳ء۔
۲۰۰۔ نامی، پیر غلام دستگیر، بی بیاں پاک دامن، ادارہ معارف نعمانیہ، لاہور، ۱۹۹۳ء۔
۲۰۱۔ نامی پیر غلام دستگیر، بزرگان لاہور توری بک ڈپو لاہور ۱۹۶۶ء۔
۲۰۲۔ نور الدین عبد الرحمن جامی، شرح لوائح جامی، ترجمہ کپتان واحد بخش سیال، بزم اتحاد المسلمین، لاہور، ۱۳۱۲ھ۔
۲۰۳۔ نبی بخش بلوچ، شاہ عبد اللطیف، مہران اکیڈمی، کراچی، ۱۹۹۰ء۔
۲۰۴۔ نظامی، خلیق احمد، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، اردو ادبیات دہلی بھارت ۱۹۸۱ء۔
۲۰۵۔ نظامی، خلیق احمد تاریخ مشائخ چشت، دائرۃ المصنفین، اسلام آباد، ۱۹۸۲ء۔
۲۰۶۔ نظامی خواجہ حسن ثانی، فوائد الفواد، اردو اکیڈمی، دہلی، بھارت، ۱۹۹۲ء۔
۲۰۷۔ نوفل، عبد الرزاق، التصوف والطریق الہیہ، قاہرہ، مصر، سن ندارد۔
۲۰۸۔ ندوی، سید ابو ہاشم، تزک تیموری، شبیر اکیڈمی، لاہور، ۱۹۶۳ء۔
۲۰۹۔ نور محمد کلہوڑو، منشور الوصیت و دستور الحکومت، ترجمہ حسام الدین راشدی، سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد، ۱۹۶۴ء۔
۲۱۰۔ نور احمد خان، تذکرہ حضرت بہاء الدین ذکریا، علما اکیڈمی، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور، ۱۹۸۰ء۔
۲۱۱۔ نقوی، سید قدرت، لسانی مقالات، حصہ اول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء۔
۲۱۲۔ نور احمد چشتی، تحقیقات چشتی، الفیصل، ناشران و تاجران کتب، لاہور، ۱۹۹۳ء۔
۲۱۳۔ ولی الدین، مولانا، قرآن اور تصوف انتظامی پریس حیدر آباد، ۱۳۶۴ھ

مبارک باد

(۱) پروفیسر ڈاکٹر عبد الرشید
ڈین فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز، کراچی یونیورسٹی

(۲) پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری
استاد شعبہ علوم اسلامی کراچی یونیورسٹی

(۳) پروفیسر اظہار حسین
پرنسپل گورنمنٹ ڈگری سائنس و کامرس کالج، لانڈھی کورنگی کراچی

نے پروفیسر ڈاکٹر محمد سعید کا:

"سلسلہ سہروردیہ کی ہند میں آمد
اور
علاقے پر اس کے اثرات کا تاریخی جائزہ"

پر مقالہ طباعت کے زیور سے آراستہ ہونے پر مبارک باد دیتے ہوئے دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ مقالہ سے زیادہ لوگوں کو استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین